نجات دہندہ
حمیدی
نگہت سیما
PAK Society
LIBRARY OF PAKISTAN
ONE SITE ONE COMMUNITY
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

نگہت سیما

4 منزل دین پلازہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
0321-6450283
0300-6450283
055-8204177

❁ اشاعت: اگست 2007ء

❁ سرورق: عبیداللہ

❁ کمپوزنگ: عبداللہ اشرف

❁ قیمت: =/230 روپے

انتساب
اپنے بھتیجوں اظہر جاوید، شہزاد جاوید
فیصل جمیل، سرمد اشفاق، سعد اشفاق
یاسر جمال، عمر جمال اور حسن طارق
کے نام

روحانی کرب کی کشمکش

اپنے سبک رو قلم سے لفظوں کے موتی پرونے والی نگہت سیما کو ''لفظوں کی ملکہ'' کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ نگہت سیما کی نکھری ستھری رواں تحریر کی ''مقصدیت'' قاری کو اسیر کر دیتی ہے۔ وہ لفظوں سے نہیں کھیلتیں' لفظوں کو امانت سمجھتی ہیں۔ قلم کی حرمت کا پاس رکھتی ہیں اور ان پر خدا کا سب سے عظیم احسان یہ ہے کہ ہر قسم کے قارئین' ان کی تحریر کے دلدادہ ہیں۔ یہی قلمکار کی بڑی کامیابی ہے۔

نگہت سیما کے پاس الفاظ' موضوعات اور پلاٹس کی بہت رنگا رنگی ہے' ان کی کہانیاں پڑھنے والوں کو یکسانیت کا شکار نہیں ہونے دیتیں۔۔۔۔ کسی بھی با مقصد ادب کو تحریر کرنے والے قلمکار کی یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور یہ کامیابی بہت ہی کم قلمکاروں کے حصے میں آتی ہے حالانکہ بالخصوص خواتین کے پرچوں میں لکھنے والی قلمکار خواتین کی اکثریت اس وصف سے محروم ہے۔ نگہت سیما کے سبک رفتار قلم سے تحریر ہونے والے بہت سے ناولوں میں سے ایک ناول ''نجات دہندہ'' بھی ہے۔

حقیر سکوں کی تلاش سے لے کر روحانی کرب سے نجات تک کا راستہ کیونکر اور کس ذریعے سے ممکن ہو سکا؟ عشق و محبت' آہوں اور آنسوؤں سے لے کر مشقت و فرائض اور نفرت والفت کی اونچ نیچ سے بہت مہارت و چابکدستی سے گزرتی ہوئی یہ کہانی کس طرح انجام پذیر ہوتی ہے؟ یہ آپ اس ناول میں پڑھیں گے۔ آپ اہل اسلام سے غیر مسلموں کی ازلی دشمنی کی بڑی واضح جھلک بھی دیکھ سکیں گے اور رستہ کھو دینے والے مسلمان کے ''نجات دہندہ'' سے بھی ملیں گے۔

روحانی کرب کی کشمکش سے تسکین روح تک پہنچنے والا ہنری رابرٹ کس طرح اویس سعید بنتا ہے۔۔۔ یہ آپ ''نجات دہندہ'' میں پڑھیں گے۔ جس میں آپ کی ملاقات نت نئے رنگا رنگ کرداروں کے ذریعے نگہت سیما کے خوبصورت ذہن اور پاکیزہ و بلند افکار سے بھی بخوبی ہو سکے گی۔

ڈاکٹر صفیہ سلطانہ صدیقی

کراچی

پیش لفظ

انسان کے مقدر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ اسے ضرور ملتا ہے۔ وہی دولت و مرتبہ جو وہ ناجائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے اگر وہ دولت و مرتبہ اس کے مقدر میں لکھا ہے تو وہ اسے ضرور ملے گا چاہے وہ ناجائز ذرائع نہ بھی استعمال کرے تب بھی۔ لیکن انسان بہت بے صبرا ہے۔

میرے اس ناولٹ کا بنیادی تھیم یہی ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خاطر اپنا مذہب تبدیل کر لیتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا غریب مدرس باپ اسے اس کی خواہش کے مطابق اعلیٰ تعلیم نہیں دلوا سکے گا۔ میں نے اس ناولٹ میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ مذہب تبدیل کرنے والے کے بہن بھائیوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی وہی تعلیم جو وہ حاصل کرنا چاہتا تھا یعنی وہ اگر گھر چھوڑ کر نہ بھی جاتا تب بھی وہ اعلیٰ تعلیم ضرور حاصل کرتا۔۔۔ اس کہانی میں جس دور کا میں نے ذکر کیا ہے یہ وہ دور تھا جب برصغیر میں عیسائی مشنریاں بہت فعال تھیں اور اس طرح کی

ترغیبات عام تھیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت تو ناگفتہ بہ تھی ہی اس پر قحط بنگال اور طاعون کی وباء نے کئی کمزور ارادہ لوگوں کو ان ترغیبات کا شکار بنادیا تھا۔

اس کہانی میں ماضی و حال ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ماضی میں ایک الگ وطن حاصل کرنے کی جدوجہد کا مختصر ذکر کر رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی زمین کہانی کے کرداروں کے لئے میں نے خاص طور پر اس لیے منتخب کی تا کہ ہماری موجودہ نسل جو مشرقی پاکستان کے صرف نام سے آشنا ہے اس کے متعلق جان سکے۔ اس طرح موجودہ دور میں ہم مسلمان جس صورت حال سے دوچار ہیں اس کا بھی مختصراً ذکر ہے۔

بہرحال کتاب آپ کے سامنے ہے آپ پڑھیں یقیناً آپ کو پسند آئے گی اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ ''زرگزیدہ'' ہے۔ دوسرا حصہ ''برزخ'' اور تیسرا ''نجات دہندہ''

یہی اسم (ﷺ) ہے بجز اس کے کوئی بھی حافظے میں نہیں میرے
یہی اسم (ﷺ) میری نجات ہے یہی اسم میرا کمال ہے

یہ ناول ''خواتین ڈائجسٹ'' میں چھپا اور اب اسے ادارہ المجاہد پبلشرز نے کتابی شکل میں چھاپنے کا اہتمام کیا ہے جس کے لئے میں ان کی ممنون ہوں۔

نگہت سیما، چکوال

ذ جولائی 2007ء

زرگزیدہ

''ڈیڈ!'' ہنری نے چمچ سے میز کو بجایا۔

''یہ ناشتے کی میز پر جو آپ اخبار لے کر بیٹھ جاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔''

''اوکے سر!'' جان رابرٹ نے ذرا سا سر خم کر کے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''اب بتاؤ ڈارلنگ! تم کیا بتانا چاہ رہے تھے؟''

''کچھ بھی نہیں سر! آپ اخبار پڑھیں۔'' اس نے منہ پھیلا لیا۔

''اتنے بڑے ہو کر بچوں کی طرح ناراض ہو جاتے ہو۔ چلو سوری' آئندہ تمہاری موجودگی میں اخبار قطعی نہیں پڑھا جائے گا وعدہ۔۔۔۔اب بتاؤ، میرا خیال

ہے تم اپنی محبت کے متعلق کچھ بتارہے تھے۔ وہی جو پچھلی چھٹیوں میں تم ایک لڑکی کے لئے محسوس کررہے تھے۔ کہاں تک پہنچا تمہارا وہ عشق، کوئی پیش رفت؟"

"Nothing، وہیں اٹکا ہوا ہے۔" اس نے ابلا ہوا انڈا چھیلتے ہوئے برا سامنہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" جان رابرٹ نے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"کیا تم نے اسے بتایا نہیں کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو؟"

"نو۔۔۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مائی ڈیر! تم اس وقت انتیس سال کے ہو اور یہ ذرا سی بات تم اس سے نہیں کہہ سکتے کہ آئی لو یو؟"

"میں دس ہزار لڑکیوں سے یہ بات کہہ سکتا ہوں لیکن اس سے نہیں۔"

"کیوں۔۔۔؟ کیا وہ بہت خوفناک ہے کوئی لڑکا ٹائپ لڑکی؟" جان رابرٹ نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"اوہ نو ڈیڈ! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ بہت خوبصورت ہے، ناروائی حسن ہے اس میں۔ ایسی بیوٹی جیسے اونچے برف پوش پہاڑوں میں ہوتی ہے۔ جنہیں کوئی سر نہیں کرسکتا۔"

"تو پھر ان دس ہزار لڑکیوں میں سے کسی ایک سے محبت کرلو۔ ناقابل تسخیر چوٹیوں کو سر کرنے کی خواہش پاگل پن کے سوا کچھ نہیں۔"

"ڈیڈ!" اس نے جھنجلا کر جان رابرٹ کی طرف دیکھا پھر اس کے بھرے بھرے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"جب آپ کو مام سے محبت ہوئی تھی تو آپ نے کیا کہا تھا میرا مطلب ہے یکدم مام سے کہا تھا I love you یا پہلے انہیں پھول بھیجے تھے، ان کے ساتھ ڈیٹ

پر گئے تھے انہیں ڈنر یا ڈانس کی آفر کی تھی؟"

"میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا تھا اور نہ ہی ڈیٹ پر گیا تھا۔ ہا۔ نے مجھ سے سیدھے پروپوز کر دیا تھا۔"

"یعنی آپ کے اور مام کے درمیان افیئر بالکل نہیں چلا؟" میں نے آنکھوں میں حیرت تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا انڈا پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ہاں بالکل نہیں۔"

انہوں نے مکھن لگا سلائس اس کی پلیٹ میں رکھا۔

"صرف بوائل ایگ ہی نہیں سلائس کے ساتھ تھوڑا سا آملیٹ بھی لے لو میں نے تمہارے لیے بنوایا ہے۔"

بچپن سے ہی وہ سلائس پر مکھن لگا کر اسے دیتے تھے بالکل سر جیمز رابرٹ کی طرح۔

"تھینکس ڈیڈ!" اس نے سلائس والی پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔

"یعنی آپ نے پہلی ملاقات میں مام کو پروپوز کر دیا گویا تیر پہلی ملاقات میں ہی کام کر گیا تھا۔"

"نہیں، خیر ایسا بھی نہیں تھا۔" وہ اٹھے اور قریبی اسٹینڈ پر رکھے کافی میکر میں کافی ڈال کر اسے آن کیا۔

"جب میں نے تمہاری مام کو پروپوز کیا تو اس سے پہلے بہت بار میں مل چکا تھا۔"

"تو آپ نے کیا کہا کہ آپ ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ڈیڈ! پلیز بتایئے نا کیسے پروپوز کیا تھا؟" اس کے لہجے میں اشتیاق در آیا۔

"دراصل میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں پہلے افیئر چلاتا پھر پروپوز کرتا میری عمر تب تینتالیس سال تھی۔ تمہاری مام میرے ہاسٹل میں اکثر آتی رہتی تھی۔ وہ

ہے تم اپنی محبت کے ایک ادارے میں کام کرتی تھی جہاں ایسے بچوں کو رکھا جاتا تھا جو کسی
لئے محسوس کر والدین سے لے لئے جاتے تھے۔ کیونکہ علیحدگی کی صورت میں فیصلہ
بچے کس کے پاس رہیں؟ ایسی سنگلز وومن کے بچے‘ جنہیں وہ افورڈ نہیں
سامنہ بنا پاتیں۔

ایسے والدین کے بچے جو اپنی ٹینشن بچوں کو مار پیٹ کر نکالتے تھے‘ پھر پڑوسیوں کی شکایات پر بچے ویلفیئر کے حوالے کر دیئے جاتے تھے۔ تو اس ادارے کے بچوں کے بہت سے نفسیاتی مسائل بھی ہوتے تھے۔ یہ بیمار بھی ہو جاتے تھے تو تمہاری مام کو اکثر آنا پڑتا تھا۔ ان بچوں کے ساتھ۔‘‘ وہ ذرا دیر کو رکے۔

’’تو پھر آپ کو مام سے محبت ہو گئی؟‘‘ ہنری کی آنکھیں کسی انجانے احساس کے ساتھ چمک رہی تھیں۔

’’شاید۔۔۔‘‘ جان رابرٹ نے کندھے اچکائے۔

’’لیکن لزا کو دیکھ کر‘ اس سے مل کر مجھے یہ احساس ضرور ہوا تھا کہ مجھے اب شادی کر لینی چاہئے۔ یکدم احساس تنہائی بڑھ گیا بلکہ عذاب لگنے لگا تھا۔ تو جب میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا تو سب سے پہلے جو چہرہ میرے تصور میں آیا وہ لزا کا تھا۔ تب میں نے مارکیٹ سے انگجمنٹ رنگ خریدی اور لزا سے ملنے پہنچ گیا۔ میں اسے ڈنر پر لے گیا اور وہاں ہی سارے معاملات طے کر لیے اور پھر ایک دن شادی ہو گئی۔‘‘

’’واؤ۔۔۔‘‘ ہنری نے ہونٹ سکوڑے اور سلائس میں آملیٹ لپیٹ کر رول سا بنا لیا۔ یہ عادت اسے بچپن سے ہی تھی۔ جان رابرٹ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور گھونٹ گھونٹ کر کے کافی پینے لگے۔

’’تینتالیس سال کی عمر تک آپ نے شادی نہیں کی‘ لیکن آپ کی گرل فرینڈز اور فیانسی تو رہی ہوں گی کیا ان سے بھی آپ نے کبھی اظہار محبت نہیں کیا؟‘‘

’’میری کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں تھی۔‘‘ انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی جو

بے یقین نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا ڈیڈ! کہ آپ کی کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں رہی۔''

''لیکن ایسا ہی ہے مائی سن! مجھے پڑھنے سے عشق تھا' اس عشق نے مجھ سے بہت کچھ چھین لیا۔ لیکن میں نے ایک عمر اس عشق کی نذر کی۔ میں ڈاکٹر بنا' میں نے ہارٹ سرجری میں اسپیشلائزیشن کی' پھر اپنے پیشے سے محبت کرنے لگا' مجھے کسی لڑکی سے محبت کرنے کا وقت ہی نہیں ملا ڈیر! اور جب میں نے محسوس کیا کہ مجھے کسی پارٹنر کی ضرورت ہے تو میں نے لزا سے شادی کر لی۔''

''اوہ نو.........امپاسبل' یہ تو بڑی بے رنگ اور ڈل سی لائف ہوئی ڈیڈ! اور پھر آپ نے مام کے جانے کے بعد بھی کسی سے فرینڈ شپ نہیں کی؟''

''ہاں پھر میں نے اپنی محبت تمہاری طرف منتقل کر لی تم میرا ''تیسرا'' عشق ہو۔''

''جب آپ نے مام سے شادی کی تھی تب کیا گرینڈ پا اور گرینڈ ما تھیں؟'' ہنری کی آنکھوں میں اپنے ڈیڈ کے لئے بہت محبت تھی۔

''نہیں۔'' میرے گریجویشن کے بعد مام اور میرے اسپیشلائزیشن کے بعد پاپا بھی چلے گئے۔'' جان رابرٹ کے چہرے پر اداسی سی چھانے لگی۔

اور آنکھوں کی بے تحاشا چمک ماند پڑ گئی تھی۔ عمر کے اس حصے میں بھی ان کی آنکھیں بے تحاشا چمکتی تھیں۔ وہ پیچھے مڑ کر ڈرائنگ روم میں لگی سر جیمز رابرٹ کی تصویر کی طرف دیکھنے لگے۔ سر جیمز رابرٹ سیاہ گاؤن میں تھے اور ان کے ساتھ لیڈی جیمز رابرٹ تھیں جن کا ہاتھ درمیان میں کھڑے بچے کے کندھے پر تھا بچے کی عمر دس گیارہ سال تھی۔ تینوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

ان کے مسکراتے ہونٹ بھینچ گئے تھے اور وہ ایک ٹک تصویر کو دیکھے جا رہے تھے۔

''ڈیڈ!'' ہنری نے ٹیبل پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔
''آپ کو گرینڈ پا سے بہت محبت تھی؟''
''ہاں۔۔۔'' وہ چونکے اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی' لیکن ان کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔
ہنری نے ان کی اداسی محسوس کر لی تھی۔ وہ بھی کچھ دیر سر جیمز کی تصویر کو دیکھتا رہا۔
''ڈیڈ! تصویر میں آپ کی ناک چپٹی سی ہے۔ کیا آپ نے پلاسٹک سرجری کروا کے ناک کو ستواں بنایا تھا؟''
اس کی آنکھوں میں شرارت سی تھی۔ وہ ڈیڈ کو اداسی کی اس کیفیت سے باہر لانا چاہتا تھا۔
''اور پھر تصویر میں آپ کا چہرہ گول سا ہے جبکہ آپ بیضوی ہیں او گاڈ۔'' وہ چلایا۔
''تصویر میں آپ کی آنکھیں بھی چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن اب۔۔۔ اتنی چھوٹی نہیں۔ ہاں کلر وہی ہے۔ کیا آپ نے سارے کا سارا خود کو بدل ڈالا ہے'' وہ بھی تصویر کو بغور دیکھنے لگے تھے۔
''میں نے کبھی غور نہیں کیا کہ تصویر میں۔۔۔''
وہ ذرا سا رک کے مڑ کر ہنری کی طرف دیکھا' جس کے ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شریری چمک۔
'تصویر ایسے زاویے سے لی گئی ہے کہ ناک چپٹی لگ رہی ہے۔ ویسے عمر کے ساتھ شکل و صورت میں فرق تو آتا ہی ہے۔''
''تو کیا ڈیڈ! بچپن میں میری بھی ناک ایسی ہی تھی چپٹی سی؟'' اس نے اپنی پتلی ستواں ناک کو چھوا۔

''ہاں شاید۔''

''لیکن ڈیڈ! میری آنکھیں تو اب بھی ایسی ہی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سی۔''

''نہیں بچپن میں اس سے بھی چھوٹی تھیں۔ بالکل بٹنوں جیسی۔''

''کیا میں تھوڑا اور بڑا ہو جاؤں گا تو۔۔۔''

''نہیں، اب بدلنے کی کوئی گنجائش نہیں، تم ایسے ہی رہو گئے۔'' انہوں نے بظاہر سنجیدگی سے کہا لیکن ان کے ہونٹ مسکراہٹ چھپانے کے باوجود ذرا سے وا ہو گئے تھے۔

''خیر۔۔۔!'' ہنری نے کندھے اچکائے۔

''اس کے باوجود کئی لڑکیاں مجھ پر ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہتی ہیں۔''

''لیکن تم اس ایک لڑکی کی بات کر رہے تھے ڈیر! جس سے تمہیں محبت ہو گئی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے تم اپنی اس گرل فرینڈ کے ساتھ یہ طریقہ آزما سکتے ہو۔ یعنی رنگ خریدو اور۔۔۔''

''شاید نہیں۔۔۔'' ہنری نے نفی میں سر ہلایا اور سوچ میں ڈوب گیا۔

''چلو یہ بتاؤ، تم نے اپنی فرسٹ گرل فرینڈ سے محبت کا اظہار کس طرح سے کیا تھا؟''

''پہلی گرل فرینڈ سے۔'' ہنری ایکدم ہنس پڑا۔

''وہ مارتھا تھی۔ مام کے سیکنڈ ہسبنڈ کی ایکس وائف کی بیٹی۔ میں ان دنوں مام سے ملنے گیا تھا برمنگھم اور وہ مجھے ایک بار میں اکیلی مل گئی تھی۔''

''برمنگھم۔۔۔'' جان رابرٹ نے اپنی کنپٹی پر انگلی ماردی۔

''جب لزا برمنگھم میں تھی تو تم۔۔۔ تب میرا خیال ہے تم اٹھارہ سال کے تھے۔''

''یقیناً میری ایج اتنی ہی تھی تب میں شاید باشعور ہونے کے بعد پہلی بار

اکیلا مام سے ملنے گیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے آپ یا سوشل سیکورٹی والے لے کر جاتے تھے۔ اس روز مام کہیں چلی گئی تھیں' میں گھر سے نکلا اور ایک بار میں چلا گیا۔ وہیں وہ مجھے ایک ٹیبل پر نظر آئی۔ اس سے پہلے میں نے ایک بار اسے مام کے فلیٹ پر دیکھا تھا پہلے تو میں نے اس کے قریب جا کر ٹیبل پر بیٹھنے کی اجازت مانگی' پھر بہت مہذب طریقے سے کہا تھا کہ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ کوئی بھی شخص اس کی محبت میں اچانک مبتلا ہو سکتا ہے اور میں بھی ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں اگر وہ اجازت دے تو میں اس سے اظہار محبت کر لوں۔"

"بہت شاندار۔۔۔" جان رابرٹ نے قہقہہ لگایا۔

"وہ دراصل عمر میں مجھ سے بڑی تھی تو۔۔۔" ہنری ذرا سا چونکا۔

"اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا اظہار محبت' اور پھر انتیس سال کی عمر تک۔۔۔ مائی گاڈ۔۔۔! ہنری تم تو اس میدان میں کافی پرفیکٹ ہو چکے ہو گے۔ پھر ابھی تک اپنا مدعا کیوں نہیں بیان کر سکے۔ چلو ایسا کرو تم یہی الفاظ اپنی موجودہ فرینڈ سے کہہ دو۔ اگر وہ اسے شرف قبولیت بخش دے تو مجھے فون کر دینا تمہاری انگیجمنٹ رنگ میں خریدوں گا بہت شاندار سی۔"

"ڈیڈ۔۔۔!" ہنری نے زور سے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مارا۔

"وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے۔ صرف یونیورسٹی فیلو ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ اس کے سحر میں جکڑا گیا ہوں۔ وہ میرے سامنے ہو تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے دیکھتا رہوں۔ وہ نظر کے سامنے نہ ہو تو اس کا سراپا آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ اس کا رنگ سنہرا سنہرا سا ہے' اس کی آنکھیں بالکل سیاہ ہیں اور پلکیں اتنی گھنی اور اتنی لمبی ہیں کہ پہلی بار مجھے ان پر مصنوعی پلکوں کا گمان ہوا تھا اور اس کے ہونٹ چیری کے شگوفوں جیسے ہیں۔ گلابی گلابی نم نم سے جیسے چیری کے شگوفوں پر شبنم کے قطرے ٹھہرے ہوئے ہوں اس کی ناک ستواں ہے جیسے آپ کی

اور میری۔'' اس نے اپنی ناک کو چھوا۔

''اس کا قد بہت متناسب ہے اور فگر غضب کا'' وہ بڑے جذب سے بول رہا تھا' جیسے وہ مجسم اس کے سامنے کھڑی ہو۔

''صورت حال خاصی تشویش ناک ہے یعنی تمہیں واقعی محبت ہو گئی ہے۔'' ڈاکٹر رابرٹ نے سر ہلایا۔

''تو کیا آپ مذاق سمجھ رہے تھے؟'' اس نے برا مان کر کہا۔

''مذاق تو نہیں کر رہا لیکن میرا خیال تھا' یہ تمہاری ایسی ہی محبت ہے جیسی پچھلے چند سالوں میں تمہیں لاحق ہوئیں لیکن یہ تو کچھ سیریس معاملہ لگتا ہے جان! ایسا کرو تم اسے پرپوز کر ہی دو۔''

''لیکن کیسے ڈیڈ! ابھی تک مجھے اس کے دل کا حال بھی نہیں معلوم اور نہ ہی میں اپنی کیفیت اس سے کہہ سکتا ہوں۔''

''تو کہہ دو نا یار!''

''ڈیڈ پلیز! آپ کوئی مشورہ دیں نہ مجھے کیا کرنا چاہئے میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر جان رابرٹ ہمیشہ دوستوں کی طرح اسے ٹریٹ کرتے تھے اور وہ بھی دوستوں کی طرح ہی ہر مسئلہ ان سے ڈسکس کرتا تھا۔

''ایسا کرو کرسمس پر انوائٹ کر لو سب کو' میں بھی تو دیکھوں اس لڑکی کو جس نے میرے ہنری پر جادو کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے جذبات اس تک پہنچا سکوں۔''

''او ہ۔۔۔واقعی ڈیڈ! آپ ایسا کر سکتے ہیں اور وہ یقیناً آپ کی بات دھیان سے سنے گی۔ آپ کی شخصیت میں کچھ ایسا ہی سحر ہے کہ مقابل آپ کی بات سننے پر مجبور ہو سکتا ہے۔ اور وہ' وہ تو بوڑھے لوگوں کا بڑا احترام کرتی ہے۔'' وہ ایکدم

خوش نظر آنے لگا تھا۔اس نے پلیٹ میں پڑا ابلا ہوا انڈا بغیر نمک مرچ چھڑ کے پورے کا پورا منہ میں ڈال لیا اور کافی کی پیالی اپنی طرف کھسکائی جسے ڈاکٹر جان رابرٹ نے ابھی تیار کر کے رکھا تھا۔

''کیا میں بوڑھا ہوں؟'' ڈاکٹر جان رابرٹ نے اسے گھورا۔

''تینتالیس سال میں شادی کرنے والا انتیس سالہ بیٹے کا باپ کیا بوڑھا نہیں ہوگا؟''

''ہرگز نہیں۔'' انہوں نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔

''میں فی الحال خود کو بوڑھا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

''واقعی ڈیڈ! آپ تو بالکل ینگ لگتے ہیں۔''

اب وہ چمکتی آنکھوں سے ڈاکٹر رابرٹ جان کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں اپنے والد کے لئے محبت بھی تھی اور عقیدت بھی۔اس نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو چومتے ہوئے فلائنگ کس کیا تو وہ ہنس پڑے۔

''تو خوشامد۔۔۔''

''بالکل بھی نہیں ڈیڈ! یہ حقیقت ہے آپ بالکل بھی تہتر سال کے نہیں لگتے مام تو بالکل بوڑھی لگنے لگی ہیں حالانکہ وہ آپ سے پندرہ برس چھوٹی ہیں۔''

''اوہ ہاں، تم لندن سے آرہے ہو۔کیسی تھی لزا؟'' ڈاکٹر جان رابرٹ نے پوچھا۔

''ہمیشہ جیسی، وہ میرے جانے پر زیادہ خوش نہ تھیں۔ہم سب ایک ہفتہ رہے لندن میں لیکن مام سے ملنے صرف ایک بار ہی گیا تھا۔اپنے تیسرے ہسبینڈ سے الگ ہوکر اب وہ ایک کالے کے ساتھ رہ رہی ہیں۔'' اس کا لہجہ یکدم سپاٹ ہوگیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا ڈیڈ! کہ وہ آپ جیسے شاندار شخص کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکیں۔''

''مجھ میں ایسی کون سی خوبی تھی؟'' ڈاکٹر جان نے اخبار اٹھالیا تو ہنری نے اخبار واپس رکھ دیا۔

''بریڈفورڈ ہاسپٹل کی ڈاکٹر الیگزنڈرا آپ کو یاد ہے وہ ہمیشہ جب بھی مجھے ملتی تو کہتیں تھیں کہ ڈاکٹر جان رابرٹ جیسا نفیس ایماندار مخلص اور بہترین شخص اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ نے اچانک بریڈفورڈ ہاسپٹل کی نوکری کیوں چھوڑ دی تھی۔'' وہ ذرا سا مسکرایا۔

''ڈاکٹر الیگزنڈرا نے آپ کو پروپوز کیا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھیں۔'' ڈاکٹر جان رابرٹ سر کھجانے لگے۔

''مام کا کوئی شوہر آپ جیسا نہیں تھا پھر بھی وہ کیوں؟''

''پتا نہیں؟'' ڈاکٹر جان رابرٹ کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

''شاید میں اسے پسند نہیں آیا تھا۔''

''آپ میں ناپسند والی کوئی بات ہے ہی نہیں' یو آر گریٹ۔ آپ اتنے مشہور سرجن ہیں۔ آپ کی شہرت ہے۔ نام ہے' پیسہ ہے اور آپ سے علیحدہ ہو کر مام ہمیشہ تنگ و تاریک اپارٹمنٹ میں رہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کبھی انہیں کوئی اچھا انسان ملا ہو۔''

''چھوڑو یار! کیا قصہ لے بیٹھے ہو۔ تم اپنی بات کرو۔ اپنی فرینڈ کو بلاؤ یہاں یا مجھے اس سے ملواؤ اور میں اسے تمہارے لئے پروپوز کروں جیسے۔۔۔''

''جیسے ایشیا میں والدین کرتے ہیں خصوصاً برِ صغیر میں۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر زور سے ہنسا۔

''ہاں جیسے ایشیا میں والدین کرتے ہیں۔''

''عبدالمنان نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے ہاں رشتے ناتے والدین ہی طے کرتے ہیں اور یہ کہ اس نے اپنی وائف کو شادی سے پہلے دیکھا تک نہیں تھا۔ کس

قدر مضحکہ خیز بات ہے لیکن شاید ایسا ہی کرنا پڑے، آپ یقیناً میری ترجمانی اچھی طرح سے کرسکیں گے۔'' وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہوگیا۔

''اس بار تمہارا کیا پروگرام ہے ڈیر! کیا تم اپنی ہالیڈیز یہیں گزارو گے؟''

''نو ڈیڈ! ہمارا پروگرام ایک ہفتہ لندن رہنے کا تھا اور پھر باقی تین ہفتے پیرس میں۔ باقی سب فرینڈز تو لندن سے ہی چلے گئے تھے لیکن میں آپ کے پاس آ گیا یہاں ایک ہفتہ رہ کر باقی کے دو ہفتے سب کے ساتھ پیرس میں۔ پھر وہاں سے ہی ایڈنبرا چلا جاؤں گا۔''

''تھینک یو مائی سن!'' ان کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔

''نو تھینک یو ڈیڈ! میں تو ساری ہالیڈیز آپ کے ساتھ ہی گزارنا چاہتا ہوں۔ لیکن فرینک وغیرہ نے بہت اصرار کیا۔ میرا خیال ہے فرینک نے پیرس پہنچ کر میل کی ہوگی۔ دیکھتا ہوں۔''

ڈاکٹر جان رابرٹ خاموشی سے اسے اسٹڈی کی طرف جاتا دیکھتے رہے کتنا انتظار رہتا تھا انہیں اس کا۔ لیکن وہ تو ہوا کے جھونکے کی طرح آتا اور چلا جاتا یہ بھی غنیمت تھا کہ اسے ان کا خیال رہتا تھا اور وہ اب تک ان کے ساتھ ہی تھا۔ کہیں بھی جاتا تو ان سے رابطے میں رہتا۔ ورنہ جس معاشرے کا وہ حصہ تھے اس میں تو اٹھارہ سال کی عمر کے بعد جب حکومت ان کا الاؤنس بند کر دیتی ہے تو بچے اپنے اخراجات خود اٹھانے لگتے تھے۔ جاب بھی کرتے ہیں' پڑھتے بھی ہیں' لڑکے ہوں یا لڑکیاں لیکن جب ہنری نے اے لیول کے بعد انہیں بتائے بنا ایک پٹرول پمپ پہ جاب کر لی تو وہ بہت خفا ہوئے۔

''میرے دوسرے دوست بھی جاب کر رہے ہیں۔'' اس نے جواباً کہا تھا۔

''لیکن تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پڑھو۔ سب اخراجات میں برداشت کرسکتا ہوں۔ تم ہمیشہ میرے پاس' میرے ساتھ رہو۔ یہ گھر اور میرا سب کچھ

تمہارا ہی تو ہے۔ جب مجھ سے اکتا جاؤ تو کسی اولڈ ہوم میں ڈال دینا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم بہت سارا پڑھو۔''

''لیکن میں ڈاکٹر نہیں بنوں گا مجھے دوائیوں کی بو سے ابکائی آتی ہے۔''

''اوکے۔'' وہ ہنس دیے تھے۔

''جو شعبہ چاہو اختیار کرو اور اخراجات کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔''

''تھینک یو ڈیڈ! مجھے کبھی کبھی تو آپ کوئی سینٹ لگتے ہیں نہ آپ کسی نائٹ کلب میں جاتے ہیں نہ کسینو نہ کوئی ڈانس پارٹی نہ کوئی گرل فرینڈ میں نے آپ کو ڈرنک کرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا' کرسمس پر بھی نہیں۔'' ہنری کو حیرت ہوتی اور وہ ہنس دیتے۔

''بس میں ایسا ہی ہوں اور اپنی پڑھائی اور پھر اپنے پیشے کے عشق میں مبتلا رہا ہمیشہ۔''

''یہ اچھا عشق ہے جس نے آپ کو زندگی کی ساری لذتوں سے محروم رکھا۔''

وہ انہیں اکساتا رہتا تھا لیکن وہ تو یوں ہی اپنے پیشے سے عشق میں مبتلا رہے سچ تو یہ تھا کہ وہ خود بھی ان سے الگ نہیں رہ سکتا تھا، بچپن سے لے کر اب تک انہوں نے اسے اتنی توجہ اور محبت دی تھی کہ وہ ان کے بنا اداس ہو جاتا تھا۔

آٹھ سال بیشتر پینسٹھ برس کی عمر میں وہ ریٹائرمنٹ لے سکتے تھے لیکن انہوں نے کہا کہ وہ فٹ ہیں اور چند سال مزید کام کر سکتے ہیں۔ ہفتے میں تین بار وہ میڈیکل کالج کے طلبا کو اعزازی طور پر لیکچر دیتے تھے۔ ہارٹ ڈیزیز کے متعلق کہیں کوئی سیمینار ہوتا تو انہیں ضرور مدعو کیا جاتا۔ ہارٹ سرجری اور ہارٹ ڈیزیز پر لکھی گئی ان کی کتاب کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ اب بھی زیادہ تر وقت وہ اپنے تحقیقی مقالے لکھنے میں صرف کرتے تھے۔ لیکن چند گھنٹے وہ ایک ہسپتال کو بھی دیتے تھے ہنری ابھی چار سال کا تھا جب لزا نے علیحدگی اختیار کر لی۔ یہ کہہ کر کہ وہ اتنے بور شخص

کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ ہنری کو اپنی مرضی سے ان کے پاس چھوڑ گئی تھی اور کہہ گئی تھی کہ وہ چاہیں تو ویلفیئر کے حوالے کر دیں۔ لیکن انہیں ہنری جان سے زیادہ عزیز تھا۔ انہوں نے ہنری کے لئے گورنس رکھ لی تھی۔ ویلفیئر والوں نے کئی بار چیک کیا تھا پھر یہ کہ وہ ہنری کی تربیت صحیح کر رہے ہیں مطمئن ہو گئے اور ہنری کو ان کے پاس رہنے کی اجازت مل گئی۔ ہنری بے حد خوبصورت بچہ تھا اور بہت حد تک ان سے مشابہ تھا۔ ویسی ہی براؤن آنکھیں' براؤن بال' لمبا قد' پتلی ستواں ناک' ہنری نے انجینئرنگ میں گریجویشن کرنے کے بعد اپنی مرضی سے ایک کمپنی میں جاب کر لی تھی حالانکہ وہ چاہتے تھے کہ آگے بھی پڑھے۔

کچھ عرصہ جاب کرنے کے بعد اب وہ اپنے والد کی خواہش پر ایڈنبرا یونیورسٹی سے ایم ایس سی کر رہا تھا۔ اسے وہاں گئے تقریباً ایک سال ہونے والا تھا اور وہ کوشش کرتا تھا کہ اپنی چھٹیاں ان کے ساتھ ہی گزارے۔ دس سال کی عمر میں پہلی بار وہ اسے اس کی خواہش پر لزا سے ملانے لے گئے تھے۔ لزا اس وقت تک دو مزید بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ جنہیں اس کی کم آمدنی کی وجہ سے ویلفیئر والے لے گئے تھے۔ بڑا ہونے کے بعد جب بھی ہنری کا دل چاہتا تھا وہ اسے لزا سے ملنے کو بھیج دیتے تھے انہوں نے اسے کبھی اس سے ملنے سے منع نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ چند گھنٹوں سے زیادہ اس کے پاس نہیں ٹھہرتا تھا۔ وہ جب بھی واپس آتا گھنٹوں افسوس کرتا رہتا تھا کہ لزا نے ان جیسے شاندار شخص کو چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ انہیں مودلزا کے فیصلے پر افسوس ہوا تھا لیکن انہوں نے اسے دل سے قبول کر لیا تھا ان کی خواہش تھی کہ ہنری شادی کر لے' گھر بنا لے لیکن ہنری نے ابھی تک اس طرح کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ جب وہ گریجویشن کر رہا تھا تو اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی تھی اور ڈاکٹر سینڈرا کی بیٹی تو انہیں بھی بہت پسند تھی اور وہ چاہتے تھے کہ وہ ان لڑکیوں میں سے کسی ایک کو اپنا لائف پارٹنر چن لے۔ لیکن ہنری اپنے دوسرے دوستوں کی طرح شادی کرنے کا قائل نہ تھا

وہ کہتا تھا کہ کوئی بندھن باندھے بغیر بھی زندگی سکون سے گزر سکتی ہے۔ وہ اکثر لڑکیوں سے ملتا بھی تھا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا ابھی تک کہ وہ مستقل طور پر کسی ایک لڑکی کے ساتھ رہنے لگے لیکن اس بار انہوں نے اس میں ایک واضح تبدیلی محسوس کی تھی۔ وہ شادی کرنے اور گھر بنانے کی باتیں کرنے لگا تھا اور یہ خوش آئند بات تھی غالباً یہ اس لڑکی کے حسن کا اعجاز تھا جس کے لیے ہنری کے دل کا دروازہ کھلا تھا۔

''تھینک یو سویٹ گرل یقیناً گرینڈ پا بننا ایک خوش کن او خوشگوار تجربہ ہو گا۔'' ڈاکٹر جان رابرٹ نے دل ہی دل میں کہا اور اخبار اٹھا کر شہ سرخیاں پڑھنے لگے۔

☆......☆......☆

وہ مارواڑی ہوٹل کے بالکل سامنے ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھا تھا۔ سڑک کے پار بالکل سامنے ہوٹل تھا یہ ہوٹل کی بیک سائیڈ تھی۔ وہ یہاں بیٹھے بیٹھے ہوٹل کے پچھلے دروازے کے اوپر بڑے بڑے لفظوں میں لکھا ''مارواڑی ہوٹل کلکتہ'' پڑھ سکتا تھا۔ اوپر کسی فلم کا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس کی نظریں سائن بورڈ سے ہوتی ہوئی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بھکاریوں کی طرف اٹھ گئیں۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ وہ کئی دن سے انہیں یہاں دیکھ رہا تھا پہلے دن جب اس نے ان کو دیکھا تھا تو وہ صرف دو عورتیں اور تین بچے تھے' دو بچے عورتوں کی گود میں تھے۔

ایک بڑا آدمی تھا۔ ایک بڑا تھا دس بارہ سال کا لیکن اب ان کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ ان کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور پیٹ پھولے ہوئے تھے۔ چہرے کے رنگ مٹی کی طرح ہو رہے تھے اور کپڑے پھٹے پرانے تھے ہوٹل کے اس پچھلے دروازے کے ساتھ ہی ایک اور چھوٹا سا دروازہ تھا جو غالباً ہوٹل کے کچن کو جاتا تھا۔ اس نے تھڑے پر بیٹھے بیٹھے اس دروازے کو کھلتے اور ایک شخص کو باہر آتے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا دیگچہ تھا جسے اس نے کپڑے کی صافی سے پکڑ رکھا

تھا یقیناً وہ گرم تھا۔ اسے دیکھتے ہی دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے بچے اور عورتیں بھاگے اور اس کے سامنے دوزانو بیٹھے ہوئے اپنے ہاتھوں کی اوک سی بنائی۔ آدمی نے تھوڑا سا دیگچہ ٹیڑھا کیا۔ گرم گرم ابلتی ہوئی چاولوں کی پیچ ان کے ہاتھوں میں گرنے لگی اور وہ منہ نیچا کر کے پینے لگے۔

اتنی دور سے وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کیا پی رہے ہیں؟ لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ کئی دن پہلے سے وہ جانتا تھا کہ ہوٹل کا یہ ملازم چاول ابالنے کے بعد چاولوں کی پیچ باہر گلی کی نالی میں انڈیل دیتا تھا۔ لیکن یہ بھکاری بچے اور عورتیں اسے اپنی اوک میں لے کر پی جاتے تھے۔ اس ہوٹل میں بھات پکتی تھی۔ دال' ابلے ہوئے چاول' آلو کی بھجیا اور پودینے کی چٹنی ساتھ میں مچھلی کا شوربہ' آس پاس کے دفتر میں کام کرنے والے اور دکاندار جن کے گھر دور تھے۔ رات کا کھانا یہاں سے ہی کھاتے تھے۔ دن میں کتنی بار ہوٹل کا یہ کک پیچ گرانے آتا اور یہ بھکاری بھاگ کر زمین پر گرنے سے پہلے اپنی اوک میں لے لیتے تھے۔ پہلی بار جب وہ ہوٹل کے اس پچھلے دروازے کے قریب سے گزرا تھا تو اس نے دس گیارہ سالہ اس لڑکے کو ہوٹل کے ملازم کی منت کرتے حیرت سے دیکھا تھا جو کہہ رہا تھا کہ وہ پیچ نالی میں نہ گرائے بلکہ اس کے ہاتھ میں انڈیل دے۔

کیا اس کے ہاتھ نہیں جلیں گے۔ لیکن تب اس کا ننھا سا ذہن یہ نہیں جان سکتا تھا کہ بھوک ہر احساس پر غالب آجاتی ہے' یہ بہت ظالم ہوتی ہے' اور زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔

گھر آکر جب اس نے مولوی عبدالحق سے اس لڑکے کا ذکر کیا تھا تو انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''بنگال میں قحط پڑا ہے اور یہ لوگ قحط سے مر رہے ہیں۔ پیچ تو کیا ہے' میں نے لوگوں کو درختوں کے پتے اور چھالیں چباتے دیکھا ہے۔ اس رب کا شکر ادا کیا کرو

بیٹا جس نے ہمیں ایسی کسی آزمائش میں نہیں ڈالا جو قحط میں بھی دو طرح کی روٹی دے رہا ہے۔"

اب پتا نہیں اسے ان غریب لوگوں پر ترس آتا تھا اسے یہ منظر عجیب لگتا تھا یا پھر نہ جانے کیا بات تھی' وہ ان احساسات کو سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن وہ ہر روز مسجد سے سیپارے کا سبق پڑھ کر نکلتا تو یہاں اس دکان کے تھڑے پر آ بیٹھتا یہ دکان بند ہی رہتی تھی۔ کیونکہ اس میں جو موچی بیٹھتا تھا اس کا چند ماہ پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ قریب جا کر دیکھے کہ گرم ابلتی ہوئی پیچ نے ان کے ہاتھوں کا کیا حشر کیا ہے۔

کئی بار اس نے انہیں کچرے کے ڈھیر پر بھی لپکتے دیکھا تھا۔ ہوٹل کا وہی ملازم شخص سبزیوں کے چھلکے گندے ٹماٹر وغیرہ پھینکنے کے لئے کبھی کبھار دروازہ کھولتا اور وہیں دیوار کے ساتھ ڈھیر لگا دیتا اس کے دروازہ بند کرتے ہی وہ بے تابی سے اس کچرے کی طرف لپکتے تھے کہ شاید کوئی کھانے کی چیز مل جائے' ایک بار اس نے ایک بچے کو آلو اور مٹر کے چھلکے چباتے دیکھا تھا۔

یہ کون لوگ تھے کیا ان کا کوئی گھر نہیں تھا اس کے ذہن میں مختلف سوال اٹھے۔

اس سڑک سے پچھلی سڑک کے پار اسلامیہ بلڈنگ میں ایک کمرے کا فلیٹ تھا جس میں وہ اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔ تین منزلہ عمارت کی تیسری منزل پر یہ ایک ایک کمرے کے چار فلیٹ تھے جب کہ گراؤنڈ فلور اور فرسٹ فلور کے فلیٹ کھلے ہوادار اور بڑے تھے جن میں دو کمروں اور تین کمروں والے بھی فلیٹ تھے۔ خوشحال لوگوں نے تو دو دو فلیٹ لے رکھے تھے۔ لیکن مولوی عبدالحق کے لیے تو یہ ایک کمرے کا فلیٹ بھی لینا مشکل تھا۔ مسجد کے پاس کوئی مکان نہ تھا ایسا جہاں وہ رہتے۔ اکیلا آدمی تو مسجد سے ملحق حجرے میں بھی رہ سکتا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ پوری فیملی تھی۔ مسجد دو

گلیاں کراس کر کے ایک گلی میں تھی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ سانتاہار میں رہتے تھے اور وہاں وہ بہت خوش تھا۔ مدرسے سے آکر سارا دن وہ عبدالرب اور کاجل سے کھیلتا رہتا۔ گو کاجل ابھی چھوٹی تھی لیکن تینوں مل کر ہی کھیلتے تھے۔ مولوی عبدالحق سانتاہار کی چھوٹی سی مسجد کے امام تھے اور انگریز سرکار کی طرف سے مقرر ہو کر یہاں آئے تھے۔ یہاں آنے سے پہلے جھم جھم پورا اور جمال پور کی مسجدوں میں بھی انہوں نے امامت کی تھی لیکن اس نے تو سانتاہار میں ہی آنکھیں کھولی تھیں۔ سدید بابو کا گھر ان کے گھر کے ساتھ تھا اس لیے دونوں گھروں میں بہت دوستی تھی۔ سدید بابو زمیندار کے دھان کے کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ ان کی بیوی بھی کھیتوں میں جاتی تھیں جب کہ بچے ابھی چھوٹے تھے۔ سب سے بڑا عبدالرب تھا جو اس کے ساتھ مسجد جاتا تھا لیکن مدرسے نہیں جاتا تھا۔ حالانکہ مولوی عبدالحق نے کتنی ہی بار سدید بابو سے کہا تھا کہ اسے مدرسے بھیجا کرو۔ دو چار لفظ پڑھ لے گا۔ مدرسہ مسجد سے ملحق ہی تھا۔ جہاں صرف ابتدائی مضامین پڑھائے جاتے تھے' عربی فارسی کے علاوہ حساب بھی جو مولوی عبدالحق صاحب خود ہی پڑھاتے تھے۔ لیکن سدید بابو کا کہنا تھا کہ وہ ان کے اور ان کی بیوی کے کام پر جانے کے بعد بچوں کا خیال رکھتا ہے کاجل اور عبدالرب سمیت ان کے پانچ بچے تھے مولوی عبدالحق کو سرکار سے جو تنخواہ ملتی تھی اس میں ان کا گزارا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے وہ مسجد سے فارغ ہوتے تو دکان پر بیٹھ جاتے تھے۔ یہ چھوٹی سی دکان سانتاہار آنے کے کچھ عرصہ بعد ہی سدید بابو کے مشورے پر انہوں نے خرید لی تھی۔ اور اس میں پرچون کا سامان وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ وہ جب اپنی تنخواہ لینے ڈھاکہ جاتے تھے تو تھوڑا بہت سامان دکان کے لیے بھی لے آتے تھے۔ زندگی بڑے سکون کے ساتھ گزر رہی تھی کہ ان کی دکان کے ساتھ والی دکان سورج مل نے خرید لی۔ سورج مل زمیندار کا رشتے دار تھا اور کچھ عرصہ پہلے ہی سانتاہار میں آیا تھا۔ اس کی دکان میں بہت مال تھا دھان کی بھری ہوئی بوریاں اور دوسرا سامان اتنا زیادہ تھا کہ کبھی

ختم نہیں ہوتا لیکن جو لوگ مولوی عبدالحق سے سامان لیتے تھے وہ اب بھی ان کے پاس آتے تھے اور ان سے ہی سودا خریدنے کے لیے ان کی دکان پر باری آنے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ سورج مل کو جانے کیا ہوا کہ وہ انہیں تنگ کرنے لگا اور مجبور کرنے لگا کہ وہ دکان اس کے پاس بیچ دے۔

انہوں نے بہت سمجھایا کہ ہر آدمی اپنے نصیب کا کھاتا ہے، لیکن سورج مل تو انہیں پریشان کرنے لگا تھا، پھر ایک دن زمیندار نے بھی انہیں بلا کر دکان سورج مل کے حوالے کرنے کو کہا تو وہ پریشان ہو گئے اور انہوں نے سانتا ہار چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

سدید بابو نے بہت روکا۔

"مجھے نجم النساء اور وقار النساء کی فکر ہے۔ میرے چھوٹے بھائی نے مجھے کلکتہ بلایا ہے۔ وہاں وہ میرے لئے کسی نہ کسی نوکری کا بندوبست کر دے گا۔"

دکان انہوں نے سورج مل کے حوالے کر دی تھی۔ سورج مل نے بہت کم دام دیئے تھے لیکن وہ خاموش ہی رہے۔ گھر سدید بابو کے حوالے کیا۔ میرے گھر کا خیال رکھنا سدید بابو میں کبھی نہ کبھی لوٹ کر ضرور واپس آؤں گا۔ کہ یہاں میں نے اپنی عمر کے سب سے زیادہ سال گزارے ہیں اور یوں وہ اپنی دو بیٹیوں اور چار بیٹوں کے ساتھ کلکتہ آ گئے وہ کاجل اور عبدالرب سے بچھڑنے پر بہت رویا تھا بلکہ ابھی بھی وہ انہیں بہت یاد کرتا تھا جب بھی مولوی عبدالحق سدید بابو کو چٹھی ڈالتے تو وہ ان کے لئے سلام ضرور لکھواتا۔ کلکتہ میں کچھ دن تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ رہے تھے پھر اس کی کوشش سے انہیں پچیس روپے ماہوار پر انگریز سرکار کی طرف سے مسجد میں نوکری مل گئی تھی۔ وہ حافظ قرآن بھی تھے۔ رمضان میں تراویح بھی پڑھایا کرتے تھے امامت کے علاوہ مسجد میں آس پاس کے بچے قرآن بھی پڑھتے تھے۔ اس مسجد کے ساتھ کوئی مدرسہ نہیں تھا تاہم وہ بچوں کو عربی فارسی اور حساب پڑھا دیا کرتے تھے۔

اور حفظ کے ساتھ ساتھ وہ بھی پڑھ رہا تھا۔ مولوی عبدالحق کو اس سے بہت امیدیں تھیں۔ جتنی تیزی سے وہ حفظ کر رہا تھا اس پر اکثر انہیں حیرت ہوتی تھی۔ سانتا ہار کی طرح یہاں بھی لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ غمی خوشی کے ہر موقع پر انہیں یاد رکھتے۔ قرآن پڑھانے کا وہ الگ سے تو کوئی اعزاز نہیں لیتے تھے لیکن جن کے بچے ان کے پاس پڑھتے تھے انہیں مولوی صاحب کا خیال رہتا تھا۔ کسی گھر سے چاول آ جاتے۔ کوئی چینی یا گڑ بھیج دیتا۔ کہیں کسی کے گھر سے کپڑا آ جاتا یوں گزر بسر ہو رہی تھی۔ بھائی کی کوشش سے انہیں دو تین بچوں کو حساب پڑھانے کی ٹیوشن بھی مل گئی تھی۔ ان کے بھائی ایک اسکول میں ماسٹر تھے۔ ہندوؤں کے وہ گھرانے بھی جہاں وہ بچوں کو حساب پڑھوانے جاتے تھے ان کا احترام کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے وہ سیٹ ہو گئے تھے۔ لیکن یہ الگ بات تھی کہ سانتا ہار کو وہ بھولے نہیں تھے اور باقاعدگی سے سدید بابو کو خط لکھتے رہتے تھے۔

وہ تھڑے سے اٹھتا بھکاریوں پر ایک نظر ڈالتا نیند بھری آنکھوں کے ساتھ گھر آ جاتا لیکن گھر آ کر بھی مارواڑی ہوٹل کے باہر بیٹھے بھکاری اس کی آنکھوں کے سامنے آتے رہتے۔ جب بھی ماں موٹے چاول ابالتیں اور ساتھ میں مسور کی پتلی دال پکاتیں تو اس کی آنکھوں کے سامنے مارواڑی ہوٹل کے پیچھے کا سارا منظر آ جاتا اور نوالے اس کے حلق میں پھنسنے لگتے تھے۔ اور ”اگر یہ قحط ہمارے گھر آ گیا تو۔۔۔“ ننھے ننھے ہاتھوں میں جلن کا احساس ہوتا۔

اسے لگتا جیسے وہ کسی ہوٹل کے پچھواڑے دونوں ہاتھوں کی اوک بنائے کھڑا ہے اور گرم گرم پیچ اس کے ہاتھوں میں گر رہی ہے اور وہ ہاتھوں سے ہونٹ لگائے گرم گرم پی رہا ہے۔ پھر ہاتھوں کو زبان سے چاٹ رہا ہے۔ مولوی عبدالحق نے بتایا تھا کہ قحط 1930ء سے دنیا میں موجود ہے۔

بنگال میں یہ قحط کب آیا اور کب جائے گا وہ نہیں جانتا تھا۔ بلکہ وہ قحط کے صحیح

مفہوم سے بھی بے خبر تھا' لیکن وہ اتنا جان گیا تھا کہ قحط میں کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ پھر گرم گرم پیچ اور آلو اور مٹر کے چھلکے۔۔۔

''نہیں' نہیں میرے اللہ! نہیں ہمارے گھر میں قحط نہ بھیجنا۔ کبھی نہیں' میں موٹے جوشی چاول بھی کھا لوں گا۔ لیکن قحط نہیں۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعائیں مانگنے لگتا جیسے مولوی عبدالحق مانگتے تھے۔

☆......☆......☆

''نور آن۔۔۔!''

ہنری نے کوریڈور میں نور العین کے پیچھے چلتے ہوئے آواز دی اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے برابر آ گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''تم مانان (منان) اور خادیجہ (خدیجہ) کی طرف جا رہی ہو؟''

''ہاں۔۔۔'' نور العین نے اثبات میں سر ہلا دیا اور قدرے فاصلے سے چلنے لگی۔ ہنری نے ارادتاً قائم کئے جانے والے اس فاصلے کو دیکھا۔

''میں بھی ادھر ہی جا رہا ہوں' ہم کل ہی پیرس سے آئے ہیں۔ سوزن نے مجھے بتایا تھا کہ آج شام مانان کے ہاں پارٹی ہے۔ مانان آیا تو میں سو رہا تھا' اصل میں' میں بہت تھک گیا تھا۔ اس لئے سارا دن سوتا رہا۔ لیکن مانان کس سلسلے میں پارٹی دے رہا ہے؟''

''کیا تم نہیں جانتے؟'' نور العین اپنے سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

اس نے ہنری کی طرف دیکھا تھا۔ شاید وہ اپنی آنکھوں کے سحر سے واقف تھی۔ ہنری نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ وہ اکثر نگاہیں جھکائے رکھتی تھی۔ ہم جماعت لڑکوں سے بھی بات کرتے ہوئے ان کی طرف نہیں دیکھتی تھی اور اگر کبھی یہ نگاہ اٹھا کر مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر لے تو جانے کتنے دل ان جھیلوں میں ڈوب جائیں۔

اس کی آنکھیں بے انتہا خوبصورت تھیں۔ وہ پہلے اس کی آنکھوں سے ہی متاثر ہوا تھا اور اسے ان کے لیے کوئی تشبیہہ نہیں سوجھی تھی۔

یوں تو اس کی ناک' اس کے چھوٹے چھوٹے خم کھائے گلابی ہونٹ' اس کا سنہری رنگ اور اس کا خوبصورت سراپا سب ہی اسے متاثر کرتے تھے۔ لیکن اس کی آنکھیں وہ اس کی نظر اٹھا کر دیکھنے کی حسرت میں کتنی ہی دیر تک اسے تکتا رہتا تھا۔

''عمرے کی خوشی میں' عبدالمنان اور خدیجہ عمرہ کر کے آئے ہیں۔''

''واٹ عمرہ؟''

ہنری چلتے چلتے ذرا سا رکا تھا' اور پھر اسے نہ رکتے دیکھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے چل پڑا۔

''عمرہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ حج اور عمرہ دونوں ہی استطاعت رکھنے کی صورت میں فرض ہیں ایک بار حج اور عمرہ۔''

''اوہ! آئی سی۔ حج' میں نے ایک ڈاکومنٹری فلم دیکھی تھی حج کے متعلق۔ غالباً مقدس مقامات کی زیارت کو ایک خاص دن جاتے ہیں۔''

''ہاں حج مخصوص مہینے میں کیا جاتا ہے جب کہ عمرہ کسی وقت کر سکتے ہیں حج پر جانے والے پہلے عمرہ کرتے ہیں اور پھر حج لیکن جو لوگ حج کی استطاعت نہیں رکھتے وہ کسی بھی وقت عمرہ کر لیتے ہیں۔''

''اچھا' اچھا۔۔۔'' کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے ہنری نے سر ہلایا۔

''تب ہی وہ پیرس نہیں آئے تھے' ہالیڈیز میں ہم نے بہت انجوائے کیا۔ تم بھی تو نہیں آئی تھیں۔ سوزن کہہ رہی تھی' اس نے تمہیں کہا تھا۔''

''میں اپنے بھائی اور بھابی کے پاس چلی گئی تھی۔ برمنگھم۔''

''تم کبھی ہمارے پروگرام میں شریک نہیں ہوتی۔'' اس کے لہجے میں حسرت در آئی۔

نورالعین نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔اب وہ عبدالمنان اور خدیجہ کے روم کے پاس پہنچ گئے تھے۔اندر سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔یہ ایڈنبرا یونیورسٹی کا اسپتال تھا۔ہر سنگل روم کے سیٹ کے ساتھ باتھ کچن اور لاؤنج تھا۔عبدالمنان بنگلہ دیش سے یو این اے کے اسکالرشپ پر آیا تھا۔اور ہنری کے ساتھ ہی اسی شعبے میں ایم ایس سی کر رہا تھا۔خدیجہ اس کی بیوی تھی اس نے ایف ایس سی کیا تھا۔ان کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔کہ عبدالمنان کو اسکالرشپ مل گیا اور یہاں آ گیا پڑھنے‘ لیکن چھ ماہ بعد ہی اس نے خدیجہ کو بھی بلا لیا تھا۔

”ہاں۔۔۔دراصل یہاں ترغیب بہت ہے اور میں ڈرتا ہوں‘ خدیجہ ساتھ ہو گی تو بھٹکنے کے چانسز نہیں رہیں گے۔“

نورالعین کو خدیجہ بہت پسند تھی وہ جب کبھی فارغ ہوتی تو اس کے پاس ضرور آتی تھی۔دونوں میں اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔

”میرا خیال ہے صرف ہم دونوں ہی لیٹ ہیں باقی سب آ چکے ہیں۔“ دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہنری نے خیال ظاہر کیا لیکن نورالعین نے اب کے بھی اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔شاید اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔اندر ہی اندر ہنری بہت جھنجھلایا۔

”مجھے یعنی ہنری رابرٹ کو یہ لڑکی مسلسل اگنور کر رہی ہے حالانکہ اگر میں ایک بار ذرا سا بھی اشارہ کر دوں تو سیسل‘ سوزن اور ڈورتھی ایک لمحے میں میری ہو جائیں لیکن۔۔۔“ وہ تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔

”تھینک یو ہنری۔“

”ویلکم۔۔۔“ ہنری‘ بوب کے پاس فلاور کشن پر بیٹھ گیا۔احمد‘ صالح اور بوب نیچے کارپٹ پر پڑے فلور کشنز پر بیٹھے تھے۔جب کہ عبدالمنان کارپٹ پر براجمان تھا۔فرینک اور مہندر بیڈ پر براجمان تھے۔ٹو سیٹر صوفہ خالی تھا۔

''ہیلو ہائے نوران۔'' ہنری کے پیچھے اندر آتی نور العین کو بھی سب نے وش کیا۔

سر کو ہلکا سا خم دے کر اس نے احمد اور صالح کی طرف دیکھتے ہوئے السلام علیکم کہا۔

''خدیجہ اور باقی سب کچن میں ہیں۔'' عبدالمنان دوبارہ احتراماً کھڑا ہو گیا تھا۔ ہنری اس کے سر کی طرف اشارہ کر کے ہنس رہا تھا' مہندر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ نور العین نے ایک ناگواری نظر ہنری پر ڈالی' وہ یقیناً عبدالمنان کے سر کے چھوٹے چھوٹے بالوں پر ہنس رہا تھا۔

اس نے سر کو جھٹکا دیا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''شکر ہے تم آ گئی ہو؟'' خدیجہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

''اگر تم نہ آتی تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔''

''کیسے نہ آتی تمہاری پارٹی میں۔'' وہ مسکرائی۔

''میں نے آنٹی کو فون کر دیا تھا کہ نہیں آپاؤں گی۔''

اس کی خالہ یہاں سے قریب ہی ایک قصبے میں رہتی تھیں اور وہ عموماً ویک اینڈ پر ان کے گھر چلی جاتی تھی۔ خدیجہ سے مل کر اس نے باری باری سوزن ڈورتھی' فاطمہ اور عالیہ سے ہاتھ ملایا۔

وہ سب ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھیں فاطمہ ٹرکی کو مسالے لگا رہی تھی (ٹرکی مرغی کی طرح ہوتی ہے یورپ میں لوگ شوق سے کھاتے ہیں) عالیہ اوون کھول کر گرل کرنے کے لیے رکھ رہی تھی۔

سوزن' کیک بیک کر چکی تھی اور اب گارنشنگ کر رہی تھی۔ اس نے بلیک فارسٹ کیک کے علاوہ پشت ڈال کر بھی ایک کیک بیک کیا تھا۔ نور العین کو یہ بہت پسند تھا۔ ڈورتھی فروٹ سلاد بنا رہی تھی۔ خدیجہ ان کی ہیلپ کر رہی تھی جس کو جو چیز

ضرورت ہوتی اس کو دے دیتی۔

''بڑی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔'' نورالعین نے کہا اور اس کی مسکراہٹ سے اس کے رخساروں کے ڈمپل نمایاں ہو گئے۔

''تم بہت پیاری ہو نورالعین! تمہارے یہ ڈمپل تو تمہیں اور حسین بنا دیتے ہیں۔'' خدیجہ نے سادگی سے اس کی تعریف کی تو اوون کے پاس کھڑے عالیہ نے بھی مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔

''واقعی۔۔۔ لیکن خدیجہ تم بھی کچھ کم پیاری نہیں ہو۔ تمہاری سانولی رنگت نشیلے نینوں اور سیاہ زلفوں میں بڑا جادو ہے۔ تب ہی تو بھائی عبدالمنان نے تمہیں فوراً بلا لیا۔'' خدیجہ شرما گئی۔

''وہاں میرے سسرال میں سب کہتے تھے، میرے آنے سے اس کی پڑھائی کا حرج ہوگا۔ لیکن اس نے کہا تھا نہ آنے سے زیادہ حرج ہو رہا ہے' تب مجھے میرے سسر نے اجازت دے دی۔''

نورالعین پھر مسکرا دی اور پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ گئی۔ خدیجہ کی ککنگ بہت اچھی نہ تھی۔ نورالعین کو تو اس کے ہر کھانے سے کچی مچھلی کی بو آتی تھی صرف ناریل کی مٹھائی ایسی تھی جو وہ بہت اچھی بناتی تھی۔ سو اگر کبھی ان کے ہاں گیدرنگ ہوتی تو وہ سب کو مدد کے لیے بلا لیتی' یوں بھی سب مل جل کر ہی کچھ نہ کچھ تیار کرتے تھے۔ اس طرح کی گیدرنگ یا پارٹی میں۔

عالیہ کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ وہ دہلی کے ایک دولت مند مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے والد کا چمڑے کا بہت بڑا بزنس تھا۔ چمڑے کی مصنوعات وہ یورپ، وریواے ای میں بھی بھیجتے تھے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کے علاوہ ان کا چمڑا رنگنے کا کارخانہ بھی تھا۔ وہ ایم۔ فل کے لیے تھیسس لکھ رہی تھی' اور موضوع تھا ''جڑی بوٹیوں سے بیماریوں کا علاج'' فاطمہ مہندرا اور بوب وہ سب ایک گروپ کی شکل میں

اس موضوع پر ریسرچ کر رہے تھے۔

مہندر بمبئی سے آیا تھا۔اس کے والد کسی پرائیوٹ چینل میں پروڈیوسر تھے۔فاطمہ ایرانی تھی۔احمد اس کا کزن تھا اور وہ دونوں تہران سے آئے تھے۔احمد ایم ایس سی کر رہا تھا الیکٹریکل انجینئرنگ میں۔

''تم آج لیٹ کیوں ہو؟ خدیجہ کہہ رہی تھی تم صبح ہی آجاؤ گی۔'' عالیہ نے بیحد مصروف انداز میں پوچھا۔

''آج پاکستان سے فون آیا تھا' فون سن کر میں نے اپنے کپڑے دھوئے استری کیے۔کچن صاف کیا اور پھر سو گئی۔''

''پاکستان میں سب ٹھیک ہے؟'' خدیجہ نے پیار سے پوچھا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے۔''

''میرے لیے کوئی کام؟''

''کچے قیمے کے کباب تو تم نے ہی بنانے تھے۔عبدالمنان کو بہت پسند ہیں لیکن اگر اب دیر ہوگئی ہو تو رہنے دو اور بہت کچھ ہے۔''

''اگر تم نے قیمہ فریج سے نکال کر رکھا ہوا ہے تو پھر آدھ گھنٹے سے کم وقت میں تیار ہو جائیں گے۔''

''میں نے قیمہ تو فریج سے نکال کر رکھ دیا تھا۔'' خدیجہ نے بتایا۔

''پیاز وغیرہ بھی چوپ کر لی تھی۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔میں بنا لیتی ہوں۔'' نورالعین اسٹول سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں نے ناریل کی مٹھائی تو کل ہی تیار کر لی تھی اور باقی سب چیزیں بھی بھی تیار ہیں۔فاطمہ اور عالیہ تو صبح ناشتے کے بعد ہی آگئی تھیں۔سوزن اور ڈورتھی گھنٹہ بھر پہلے ہی آئی ہیں۔''

سوزن جرمن تھی جب کہ ڈورتھی کا تعلق انگلینڈ سے ہی تھا۔

''کیا میری مدد کی ضرورت ہے؟''

ہنری کچن کے دروازے پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔اس کی نظروں نے ایک لمحہ کے لیے نور العین کو اپنے حصار میں لیا تھا۔

''یہ لڑکی ہمیشہ ہی پہلے سے زیادہ حسین لگتی ہے ہر نظر میں ایک نیا رنگ دکھتا ہے۔اس نے گرے کلر کا سیاہ پھولوں والا اسکارف پہنا ہوا تھا۔بلیو جینز پر گھٹنوں سے نیچے تک لانگ شرٹ اور فل آستین پر میرون جرسی اس پر خوب سج رہی تھی۔ہنری نے ہمیشہ ہی اسے فل آستین والی شرٹ پہنے دیکھا تھا۔تیزی سے قیمے کی ٹکیاں بناتے اس کے ہاتھوں پر ہنری کی نظریں ٹھہر گئیں۔

''تھینکس ہنری۔''خدیجہ نے اس کا انہماک توڑا۔آج خدیجہ اور عالیہ ساڑھی باندھے ہوئے تھیں،جب کہ فاطمہ نے میکسی نما ڈریس پہنا ہوا تھا۔

''کیا تم واقعی ہماری مدد کرنا چاہتے ہو؟''سوزن نے کیک تیار کر کے ایک طرف رکھا۔

''یس۔۔۔''

''تو پھر میرے ساتھ مل کر ٹیبل لگاؤ۔''

اس نے کاؤنٹر پر ایک طرف رکھی پلیٹوں کا ڈھیر اسے پکڑایا اور خود بھی کچھ سامان اٹھالیا۔

''کم آن ہنری۔''

ہنری نے جاتے جاتے پھر ایک بار پھر نور العین کی طرف دیکھا۔اب وہ کڑاہی میں کباب رکھ رہی تھی۔

''تم کباب بنانے کا طریقہ مجھے بھی سکھا دو گی نور آن! یہ بہت مزیدار ہوتے ہیں۔بڑے اسپائسی،پہلی بار تم یہ سوزن کی برتھ ڈے پر بنا کر لائی تھیں

نا۔" ہنری شاید اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔

"یہ بہت آسانی سے بن جاتے ہیں' میں تمہیں اس کی ترکیب لکھ دوں گی۔" نورالعین نے بغیر اس کی طرف دیکھے جواب دیا۔

"ہنری! سوزن نے لاؤنج سے اسے آواز دی تو وہ تیزی سے لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ لاؤنج میں ایک طرف ایک بڑی ٹیبل پڑی ہوئی تھی جو کوئی پارٹی رینج کرتا تھا وہ اسٹڈی سے یہ فولڈنگ ٹیبل اٹھا لاتا تھا۔ سوائے احمد اور صالح کے وہ دونوں ہمیشہ کارپٹ پر کپڑا بچھا لیتے۔ درمیان میں دسترخوان بچھا کر سب زمین پر بیٹھ کر کھاتے پیتے تھے۔

"یہ تو بالکل پکنک کا اسٹائل ہے۔" ایک بار سہیل نے کہا تھا۔

"تم اسے بھی پکنک ہی سمجھ لو۔"

احمد نے جواب دیا تھا گو ان کے لئے اسکن ٹائٹ جینز کے ساتھ نیچے کارپٹ پر بیٹھنا مشکل ہوتا تھا لیکن پھر بھی وہ احمد کی پارٹی انجوائے کرتے تھے' خاص طور پر انہیں سوکھا گوشت بہت پسند تھا۔ احمد خاص طور سے ایران سے منگواتا تھا۔ مخصوص انداز میں اس گوشت کو خشک کیا جاتا تھا۔ صرف نمک لگا ہوتا تھا' باریک باریک پارچے جنہیں ضرورت کے وقت ڈیپ فرائی کر لیا جاتا تھا۔ فرائی کے بعد یہ پارچے بہت کرسپی ہوتے تھے اور احمد کی بہن گھر پر ہی یہ گوشت خشک کیا کرتی تھی۔ عالیہ نے بتایا تھا کہ ان کے ہاں کلکتہ اور بنگال کے بعض علاقوں میں بھی اس طرح گوشت خشک کر کے رکھا جاتا ہے' خاص طور پر بقر عید کے موقع پر اور ان پارچوں کو "پرے" کہتے ہیں۔ وہ سب ان کی پارٹیوں کو بہت انجوائے کرتے تھے۔

آج بھی سب انجوائے کر رہے تھے' اور ایک ایک آئٹم بہت شوق سے کھایا جا رہا تھا' ان سب کی آپس میں بہت دوستی تھی اگرچہ وہ مختلف ممالک اور مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کے درمیان مذہب کبھی زیر بحث نہیں آیا تھا۔ ہنری کی نظریں

بار بار نور العین کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ سر کے بالوں کو اسکارف میں چھپائے وہ سب سے مختلف لگ رہی تھی۔ فاطمہ عالیہ اس طرح باقاعدگی سے اسکارف نہیں اوڑھتی تھیں۔

''سب بہت شاندار ہے لیکن ایک چیز کی کمی ہے۔''

بوب ایک ہاتھ میں پیپسی کاٹن لیے اور دوسرے ہاتھ میں کبابوں اور روسٹ سے بھری پلیٹ لئے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

''میرے پاس وہ چیز ہے۔''

فرینک بھی اپنی پلیٹ اٹھائے اس کے پاس بیٹھ گیا اور پاکٹ سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر چسکی لی۔ بوب نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''لیکن یہ پارٹی میں نے ایک مقدس فریضہ ادا کرنے کی خوشی میں دی ہے اور مسلم ہونے کی حیثیت سے میری پارٹی میں اس چیز کا استعمال ممنوع ہے۔ اس لیے اس وقت سافٹ ڈرنک سے ہی کام چلایا جائے۔'' عبدالمنان نے کہا

عبدالمنان کو فرینک کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

''اوکے اوکے۔'' فرینک نے ہنستے ہوئے منی بوتل پھر پاکٹ میں رکھ لی۔

''تھینک یو فرینک!'' عبدالمنان اس کا ممنون نظر آنے لگا۔

''مجھے بہت عرصے سے عمرہ کی خواہش تھی۔ میں سوچتا تھا حج تو جانے نصیب ہوگا یا نہیں لیکن ایک بار عمرہ تو ضرور کروں گا۔ میں دو سال سے بچت کر رہا تھا اور میں نے خدیجہ سے کہا تھا کہ ہم کوئی شاپنگ نہیں کریں گے نہ کہیں گھومنے جائیں گے بلکہ ہم اس رقم سے عمرہ کریں گے۔''

وہ احمد کو تفصیل بتا رہا تھا کہ اچانک بوب نے پوچھا۔

''آخر تم مسلمان شراب کیوں نہیں پیتے؟''

''اس لئے کہ ہمارے مذہب میں اس کی ممانعت ہے۔'' احمد نے بتایا۔

"لیکن کیوں؟" بوب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس لئے کہ شراب پی کر آدمی اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے۔اس کے علاوہ یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔شراب کی مدہوشی میں انسان کو اچھے برے کی پہچان نہیں رہتی۔" محمد صالح پہلی بار بولا تھا۔صالح کا تعلق فلسطین سے تھا۔

"تم مسلم!" بوب کے لہجے میں ہلکا تمسخر تھا' نورالعین نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا لیکن پھر فوراً ہی نظریں جھکا لی تھیں۔

"تمہارا دین تو تمہیں اور بھی بہت سی باتوں سے روکتا ہے لیکن کیا تم اس پر عمل کرتے ہو۔کیا تمہارا مذہب تمہاری عورتوں کو یوں مردوں کے سامنے بے حجاب بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے۔میرے علم کے مطابق نہیں لیکن ــــ" اس نے فاطمہ' عالیہ اور نورالعین کی طرف دیکھا۔نورالعین کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آئے' فاطمہ اور عالیہ کی نظریں بھی جھک گئیں۔

"جب تم ساری باتوں پر عمل نہیں کرتے ہو تو پھر ایک شراب سے ہی اجتناب کیوں؟" اس نے ان کی طرف سے نظریں ہٹا کر عبدالمنان کی طرف دیکھا۔

"یہ ہماری کوتاہی اور ایمان کی کمزوری ہے۔ورنہ ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر عمل نہ کیا جا سکے۔" عبدالمنان کے بجائے ابوصالح نے جواب دیا۔

"ہمارے دین میں مرد اور عورت دونوں کو تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس علم میں دینی اور دنیاوی کی تخصیص نہیں۔ہاں دینی علم کو اولیت حاصل ہے۔"

"بوب! تمہیں جو یہ تینوں لڑکیاں بے حجاب نظر آ رہی ہیں اس میں ہماری کوتاہی کے علاوہ تم لوگوں کی تنگ نظری بھی شامل ہے تمہاری یونیورسٹیوں میں یہ حجاب اوڑھ کر تعلیم نہیں حاصل کر سکتیں اور تعلیم کے شوق میں یہ یہاں تک پہنچ گئیں' اللہ

انہیں معاف فرمائے۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ انہوں نے خود کو ممکنہ حد تک چھپا رکھا ہے نور العین کو تو میں نے کبھی بغیر اسکارف کے نہیں دیکھا۔'' ابو صالح نے لمبی بات کی۔

نورِ العین کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو گئے تھے اور وہ بے چینی سے اپنی انگلیاں مسل رہی تھی۔

''کاش اس نے ابا جان کی بات مان لی ہوتی تو آج یوں غیر مذہب کے ان افراد کے سامنے کم از کم وہ شرمندہ ہونے سے بچ جاتی۔ وہ جو ایک بہت دین دار اور مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اس کے دادا بڑے عالم اور حافظ قرآن تھے اور ایک طویل عرصہ تک مسجد میں نماز کی امامت بھی کراتے رہے تھے اور بچوں کو پڑھاتے بھی تھے۔

گو نور العین کی پیدائش سے بہت پہلے وہ وفات پا چکے تھے' لیکن اس کے ابا جان اکثر اس کا ذکر کرتے تھے۔ خود اس کے ابا جان بھی بڑے عالم تھے۔ مصر کی الاظہر یونیورسٹی سے انہوں نے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور یونیورسٹی میں اسلامی قانون اور فقہ پڑھاتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے ان دنوں قرآن کی انگریزی میں تفسیر لکھ رہے تھے۔ وہ اپنے پانچوں بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی بہت لاڈلی اور ذہین ہمیشہ پوزیشن ہولڈر رہی اور اپنی مرضی سے اس نے ٹاؤن پلاننگ میں یو۔ ای۔ ٹی سے گریجویشن کیا تھا۔ حالانکہ اس کے ابا جان کی خواہش تھی کہ وہ لیکچرار بن جائے لیکن اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کیا تھا اور وہ انجینئر ہی بننا چاہ رہی تھی۔ اسے گریجویشن کرتے ہی اسکالرشپ مل گیا تھا۔ پروفیسر عبدالوحید نے کہا۔

''بیٹا! اسے ڈراپ کر دو۔ میں نوجوان لڑکی کو باہر بھیجنے کا قائل نہیں۔ جتنی تعلیم تم نے حاصل کر لی ہے کافی ہے۔''

جب کہ اس کے پروفیسر اور فرینڈز اسے خوش قسمت قرار دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اسے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

''کیا آپ کو اپنی تربیت پر اور مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟'' وہ افسردہ تھی تب پروفیسر عبدالوحید نے اسے بہت پیار سے سمجھایا۔ ساری اونچ نیچ' سارے پرابلمز تو اس نے سر جھکا دیا۔

لیکن پھر ان ہی دنوں اس کی چھوٹی خالہ امریکہ سے آئیں تو انہوں نے اپنے بیٹے فہد کے لیے مانگ لیا۔ فہد یونیورسٹی آف ٹکساس سائنس (بیچلر آف کمپیوٹر سائنس اینڈ مائنز ان اسٹیٹکس) میں گریجویشن کر رہا تھا۔ فہد اپنی والدہ کے ساتھ ہی پاکستان آیا ہوا تھا۔ سو فوری طور پر نکاح ہو گیا۔ رخصتی فہد کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہونا تھی۔ فہد کا ارادہ گریجویشن کے بعد MS پر کام کرنے کا تھا۔

اس دوران فہد اس کو امریکہ بلانے کا پروسس کروا دیتا۔ اس کے بڑے بھائی برمنگھم یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ انہوں نے تھوڑا اعتراض کیا۔

''یہ نہ ہو کہ نکاح کے بعد نور العین پاکستان میں ہی رہ جائے اور امریکہ نہ جا سکے۔ ایسے ایک دو کیس تھے شادیوں کو چھ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں لیکن وہ اپنی بیویوں کو ابھی تک نہیں بلا سکے ہیں۔ یہ صورت حال صحیح نہیں ہوتی۔''

لیکن خالہ اور فہد نے یقین دلایا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ دو سال لگ جائیں گے اور رخصتی بھی دو سال بعد ہی کروالیں گے۔

لیکن بڑے بھائی کو پریشانی سی تھی۔ چنانچہ انہوں نے واپس برمنگھم جاتے ہی اس کا اسپانسر ڈراپ نہیں کیا تھا۔ اس نے بھائی اور فہد سے بات کی تو انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اسکالرشپ ضائع نہ کرے اور پھر بھائی کا خیال تھا کہ انگلینڈ میں رہتے ہوئے اسے امریکہ جانا آسان ہوگا۔

سو آج وہ یہاں تھی۔

''مذہب کے احکام سب کے لیے یکساں ہوتے ہیں بوب!'' احمد نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں سمجھایا۔

"لیکن کچھ لوگ ان احکام پر سختی سے عمل کرتے ہیں اور کچھ نہیں' یہ صرف اسلام میں ہی نہیں ہے۔ ہر مذہب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ خود تمہارے مذہب میں کتنے ایسے ہیں جو عیسائیت اور انجیل کے سارے احکامات پر عمل کرتے ہوں گے' جب کہ اللہ کا کرم ہے ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو پکے اور سچے مسلمان ہیں اور ان کے لیے اولیت صرف دین کے احکام کو ہے؟"

"وہ جو دہشت گرد اور شر پسند ہیں؟" فرینک نے قہقہہ لگایا۔

وہ ہلکے ہلکے سرور میں تھا اور یہاں آنے سے پہلے دو تین پیگ چڑھا چکا تھا احمد' ابوصالح اور عبدالمنان کے چہرے سرخ ہو گئے۔

"تمہارا دین صرف دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے۔"

"تم کیا جانو ہمارے دین کے متعلق۔ ہمارا دین دنیا کا سب سے متوازن دین ہے اور یہ ہرگز دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا۔"

احمد نے شعوری کوشش سے لہجے کو نرم رکھا۔

"اچھا!"

فرینک نے قہقہہ لگایا بوب نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے دبا دیا۔

"یہاں آنے سے پہلے کتنے پیگ چڑھائے تھے۔"

"دو شاید تین پھر چار۔" اس نے بوب کا ہاتھ کندھے سے ہٹا دیا کمرے میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی' فاطمہ' عالیہ' نور العین' ہنری' عبدالمنان خاموش بیٹھے تھے

"تمہارا دین دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا؟" اب فرینک کھڑا ہو گیا۔

"تم نے ورلڈ سینٹر کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا اور ساری دنیا میں دہشت گردی پھیلا دی۔ خود تمہارے اپنے ملک بھی اس سے محفوظ نہیں۔ پاکستان میں ہی ہر روز کتنے دہشت گرد مارے جاتے ہیں۔ کیا وہ مسلمان نہیں ہیں جنہیں تمہاری حکومت

دہشت گرد قرار دے کر مار رہی ہے۔"

وہ یکا یک نورالعین کی طرف مڑ گیا تھا۔

"آج صبح بھی میں نے سی این این کی خبروں میں سنا کہ پاکستان میں اتنے دہشت گرد۔۔۔"

"جھوٹ ہے سب۔" نورالعین نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ تمہاری سازش ہے۔ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں ہی کو مرواؤ۔ تم سب یورپی اقوام مسلمانوں سے خوف زدہ ہو' تم نے یہودیوں کے ساتھ مل کر پلان بنائے ہیں اور ہماری بدقسمتی سے تمہیں اپنے منصوبوں پر عمل کرنے کے لئے ہم میں سے ہی لوگ مل گئے ہیں۔"

"نورالعین صحیح کہتی ہے۔" ابوصالح نے نورالعین کی مدد کی۔

"سب سے بڑا دہشت گرد خود امریکہ ہے جو ہر جگہ دہشت پھیلا رہا ہے عراق' افغانستان میں پاکستان میں ہر جگہ۔۔۔"

"یہ تم مسلمانوں کی عادت ہے' اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے دوسروں کو موردالزام ٹھہراتے ہو۔"

"کم آن فرینک! یہ تم کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔ بیٹھو۔" ہنری نے اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔

"ہم یہاں عبدالمنان کی دعوت میں آئے ہیں' ہمیں چاہیے کہ صرف اس کی اس خوشی کو شیئر کریں جو اپنا مذہبی فریضہ ادا کر کے اسے حاصل ہوئی ہے اور اس نے یہ گرینڈ پارٹی دی ہے۔"

"آئی نو۔" وہ تھوڑا سا لہرایا اور ہپ پاکٹ سے وہ چپٹی سی شیشی نکالی اور ایک گھونٹ بھرا۔

"ہاں میں سب جانتا ہوں اچھی طرح سے ان مسلمانوں کو' ان کے مذہبی

فریضوں کو ان کے نبی کریم ﷺ۔"

"شٹ یور ماؤتھ ناؤ (اپنا منہ بند کرو)۔" نورالعین نے بے اختیار غصے سے کہا۔

"اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی مت لو یو بلڈی۔" عبدالمنان کا سانولا رنگ غصے سے سیاہ پڑ گیا۔

ابھی چند دن پہلے تو وہ روضہ مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا زار وقطار رو رہا تھا۔ ابھی اس کے دل کا گداز کم نہیں ہوا تھا ابھی تو دل اس سرزمین سے جدائی پر تڑپ رہا تھا۔" ہنری نے عبدالمنان اور نورالعین کی آگ برساتی آنکھوں کو دیکھا' جو فرینک کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ ابو صالح اور احمد کے چہروں پر بھی سرخی تھی وہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اٹھا اور فرینک کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔"

جاتے جاتے بھی اس نے ایک تمسخر بھری نظر سب پر ڈالی اور بڑبڑایا۔

"یہ مسلم سب دہشت گرد ہوتے ہیں۔"

"یہ اسے کیا ہو گیا تھا؟" سوزن نے بوب سے پوچھا۔

"یہ جب بھی زیادہ پی جاتا ہے تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔"

"لیکن مدہوشی میں بھی اس نے مسلمانوں سے نفرت کا اظہار کیا۔ اپنے ہم قوموں سے نہیں۔" ابو صالح کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

"لیکن ہم سب تو صرف دوست ہیں اور ہمارے درمیان مذہب اور وطن کا کوئی جھگڑا نہیں۔ کتنی اچھی پارٹی بے مزا ہو گئی۔" سوزن بہت صلح جو تھی۔ اس لیے رو رہی تھی۔

"ہاں۔" بوب نے بھی اس کی تائید کی۔

"ہر ایک کو اپنا مذہب بہت عزیز ہوتا ہے۔ خواہ وہ عیسائی ہو یا مسلمان اور

مذہب کا نام لے کر کسی کو دہشت گرد کہنا بہت غلط ہے۔''

خدیجہ جو بہت دیر سے ضبط کیے بیٹھی تھی' دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ کتنے شوق اور خوشی سے اس نے اس دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ وہ دونوں اپنے ساتھیوں کو بھی اس خوشی میں شامل کرنا چاہتے تھے۔

''مت رو خدیجہ!'' عبدالمنان نے اسے ڈانٹا تو وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی اور دل کی بھڑاس نکال کر منہ ہاتھ دھو کر جب وہ واپس آئی تو بوب' سوزن اور ڈورتھی جا چکے تھے۔ صرف فاطمہ عالیہ اور نور العین لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ابو صالح' احمد اور عبدالمنان روم میں چلے گئے۔

''کیا وہ سب خفا ہو گئے؟'' خدیجہ نے بے وقوفی سے پوچھا۔

''نہیں!'' فاطمہ نے اسے تسلی دی۔

''لیکن اب کوئی بھی انجوائے نہیں کر پا رہا تھا۔ اس لیے وہ تینوں چلے گئے۔

''چلو یہ سب سمیٹ لیں۔'' نور العین اٹھی تو وہ تینوں بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کھانے پینے کی اشیاء فریج میں رکھ کر انہوں نے برتن دھو کر سمیٹے' فاطمہ نے ڈش واشر میں پلیٹیں ڈال کر نکالیں جب کہ عالیہ اور نور العین انہیں خشک کر کے رکھ رہی تھیں۔

''ہم نے اپنی شادی کی اینورسری پر جو پارٹی دی تھی اس میں سب نے کتنا انجوائے کیا تھا۔'' خدیجہ بے حد افسردہ سی پچھلی پارٹی کو یاد کر رہی تھی۔

''اور فرینک نے کتنا خوبصورت گھونگھوں اور سیپیوں کا بنا وہ چھوٹا سا سیٹ دیا تھا۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ اندر سے ہم سے اتنی نفرت کرتے ہیں۔''

''یہ نفرت ان کے اندر پیدا کی گئی ہے' خدیجہ!'' نور العین بے سنجیدہ تھی۔

''یہ ایک منظم سازش ہے جس میں یہودی پیش پیش ہیں۔ فہد کہتا ہے کہ پوری یورپی دنیا کو مسلمانوں کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ کبھی بم دھماکے کر کے' کبھی ان کو

دہشت گرد ثابت کر کے اور کبھی ان کے دین کا مذاق اڑا کر۔"

"مگر کیوں نور! ہم نے کیا بگاڑا ہے ان کا؟"

"اس لئے کہ یہ مسلمانوں سے خوفزدہ ہیں۔ انہیں امریکہ میں تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام کو دیکھ کر ڈر لگ رہا ہے کہیں مسلمان پھیل نہ جائیں وہ ان مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خوفزدہ ہیں۔ وہ ہر طرح سے مسلمانوں کو بے دست و پا کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ان کے نیوکلر پروگرام پر پابندی لگا کر کہیں قدیر خان جیسے محسنوں کے خلاف سازش کر کے، کہیں اپنی مرضی کے حکمران مسلط کر کے، ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو قتل کروا کے، کہیں عراق اور افغانستان جیسی صورت حال پیدا کر کے جمہوریت کے پردے میں مسلمانوں کا قتل عام کر کے۔" نور العین جذباتی ہو گئی۔

"میں تو عبدالمنان سے کہتی ہوں چلو اپنے ملک واپس۔" خدیجہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا اب۔۔۔"

"ٹیک اٹ ایزی خدیجہ!" عالیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تم بہت جلد گھبرا جاتی ہو۔ عبدالمنان بھائی صحیح کہتے ہیں تمہارا دل چڑیا جیسا ہے۔ دو سمسٹر ہی تو رہ گئے ہیں عبدالمنان کے۔ حوصلے سے وقت گزارو۔"

"ایسا کرو خدیجہ! اس ویک اینڈ پر میرے ساتھ برمنگھم چلو۔ وہاں تم گھریلو ماحول میں ریلیکس ہو جاؤ گی۔"

"ہاں خدیجہ! تم ہوم سک ہو رہی ہو اس بار نور العین کے ساتھ چلی جاؤ۔" فاطمہ نے بھی مشورہ دیا خدیجہ نے صرف سر ہلا دیا۔ کچن سمیٹ کر تینوں نے اجازت چاہی۔

"تمہارا بہت شکریہ۔" خدیجہ نے تینوں کا شکریہ ادا کیا۔

"شکریہ تو تمہارا کہ تم نے اتنی اچھی پارٹی دی۔" وہ کچن سے باہر آئیں تو

صالح اور احمد بھی جانے کے لیے کھڑے تھے۔

''عبدالمنان ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا۔ آرام سے سو جانا اور سوچنا مت۔'' احمد نے عبدالمنان کو تھپکی دی۔

''صبح تک فرینک کو یاد بھی نہیں ہوگا کہ اس نے کیا کہا تھا۔'' عبدالمنان خاموش رہا۔

''وہ سب باہر نکلے' ہنری ایک طرف کوریڈور میں ہی کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ نورالعین کو گزرتے دیکھ کر وہ ایک قدم اس کی طرف بڑھا لیکن پھر وہیں پہ ہی رک گیا۔ نورالعین اس کی طرف دیکھے بغیر ہی اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔

''میرے خیال سے مجھے اس لڑکی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی مجھ سے شادی کے لیے راضی ہوگی۔''

اس نے سگریٹ کا آخری کش لے کر دیوار کے ساتھ لگے بن میں مسل کر پھینک دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

یہ 1942ء تھا حکومت برطانیہ نے سر اسٹیفورڈ کرپس کو برصغیر بھجوایا تھا جس نے برصغیر کی تمام پارٹیوں کو متفق کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا تھا۔ اس نے مولوی عبدالحق کو اکثر کرپس مشن اور سر اسٹیفورڈ کی آمد کے متعلق بات کرتے سنا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ اکثر گراؤنڈ فلور میں عثمان بھائی کے کمرے میں بیٹھتے تھے۔ عثمان بھائی پکے مسلم لیگی تھے اور اکیلے رہتے تھے۔ مولوی عبدالحق اور آس پاس کے لوگ وہاں اکٹھے ہو جاتے اور پھر پاکستان کے متعلق باتیں ہوتیں۔ کھلے لفظوں میں پاکستان بننے کا ذکر ہوتا۔ قرارداد پاکستان منظور ہو چکی تھی' پہلے جو بات بے یقینی سے کہی جاتی تھی اب اس میں یقین آ چلا تھا۔

''قائداعظم کسی بھی وقت اپنے موقف سے نہیں ہٹیں گے۔'' مولوی عبدالحق

کہتے تھے۔

وہ اکثر ان کے ساتھ چلا جاتا تھا اور ہر بات دھیان سے سنتا تھا۔ان دنوں لوگ مولوی عبدالحق کا بہت زیادہ احترام کرنے لگے تھے۔وہ مسجد میں بیانگ دہل پاکستان کی باتیں کرتے' جمعہ کے خطبہ میں بھی کانگرس اور مسلم لیگ کا ذکر ہوتا تو وہ صاف صاف کہتے کہ ہندو اور کانگرس ناقابل اعتبار ہیں۔کئی ایسے لوگ بھی تھے جو پاکستان بننے کے حق میں نہ تھے اور کانگرس پر جنہیں اعتماد تھا' ان کی تقاریر سے ان کی سوچ بدلنے لگی تھی۔وہ صرف نو سال کا تھا لیکن اس کا حافظہ غضب کا تھا اس نے ابھی ابھی اپنا حفظ مکمل کر لیا تھا نو سال کی عمر میں اس کی تجوید اس کا تلفظ سب بہت اچھا تھا اور ہر بات پوری جزئیات کے ساتھ اس کے ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھی۔

''برطانیہ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھ سکے گا۔'' کوئی کہتا۔

''جرمنی کو شکست ہوگی صاف پتا چل رہا ہے۔'' مولوی عبدالحق کا خیال تھا۔

''لیکن جنگ کے خاتمے کے بعد انگریز کو ہمیں آزادی دینا ہوگی۔''

''ایسا آسانی سے تو نہیں ہوگا۔''

''نہرو کانگریس اندر سے مسلمانوں کے پکی دشمن ہے اور ہم مسلمان ہندوؤں کی غلامی کو انگریزوں کی غلامی سے بدتر سمجھتے ہیں۔الگ وطن ہی اس کا حل ہے۔''

وہ ایک کونے میں بیٹھا ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔نو سال کی عمر میں اس نے پرائمری کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا۔مولوی عبدالحق قرآن کے سبق کے بعد اسے خود پڑھاتے تھے۔اس کا حساب بہت اچھا تھا اور جس انگریز انسپکٹر اسکول نے اس کا وظیفے کا امتحان لیا تھا۔اس نے بہت تعریف کی تھی۔مولوی صاحب اسے خود امتحان دلوانے کے لیے لے کر گئے تھے اور اسے اپنے بھائی عبدالرزاق کے حوالے کیا تھا۔جو اسی سکول میں رہتا تھا۔اس نے نہ صرف امتحان پاس کیا تھا بلکہ اس کا وظیفہ بھی جاری

ہو گیا تھا اور مولوی عبدالحق نے اپنے بھائی کے مشورے پر اسے ایک اچھے اسکول کی چھٹی جماعت میں داخلہ دلوانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ صبح فجر کی نماز کے بعد وہ کچھ دیر قرآن کا سبق دہراتا تھا اور پھر سارا دن فارغ رہتا تھا۔ مارواڑی ہوٹل کے باہر اب بھی فقیروں کا جمگھٹا رہتا تھا اور وہ کبھی کبھی سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر یا کسی دکان کے تھڑے پر بیٹھ کر انہیں دیکھا کرتا تھا اور کبھی چپکے سے کسی لفافے میں دو مٹھی ابلے چاول گھر سے لے آتا اور کسی بچے کو پکڑا دیتا۔ اگرچہ ان مٹھی بھر چاولوں سے اس کا پیٹ تو نہیں بھرتا ہوگا، لیکن وہ اکثر ایسا کرنے لگا تھا۔ ایک بار مولوی عبدالحق نے اسے بتایا کہ "قحط نے لوگوں کو درختوں کی چھال اور پتے تک کھانے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔"

اس لیے ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتا رہتا تھا جلد ہی نئے اسکول میں اسے داخلہ مل گیا۔ یہاں ہندو اور مسلمان لڑکے اکھٹے پڑھتے تھے۔ جب کہ مدرسہ میں جو مسجد کے ساتھ ہی تھا صرف مسلمان لڑکے ہوتے۔ یہاں اساتذہ بھی ہندو مسلم ملے جلے تھے۔ بلکہ مسلمان استاد تو صرف دو ہی تھے باقی سب ہندو تھے۔ وہ پڑھائی میں بہت تیز تھا۔ بہت جلد انگلش میں بھی رواں ہو گیا تھا۔ حساب تو اس کا پہلے ہی اچھا تھا' اب بھی رات کو فارغ ہو کر مولوی عبدالحق صاحب اسے خود پڑھاتے تھے' اس لیے اسکول میں اس کی کئی لڑکوں سے دوستی ہو گئی تھی۔ لیکن موہن لال اس کا گہرا دوست بن گیا تھا وہ موہن لال کو حساب کے سوال حل کر دیتا۔

انگریزی کا ہوم ورک نقل کرواتا۔ اگرچہ موہن لال اس سے عمر میں دو سال بڑا تھا وہ پڑھائی میں بہت تیز نہ تھا۔ وہ اس کی پوری پوری مدد کرتا تھا اور اظہار تشکر کے طور پر موہن لال اسے کبھی میٹھا سوڈا پلواتا اور کبھی چھوڑا اور کبھی جھالا' چنے خوب مرچیں اور لیموں ڈال کر دیتا۔ کبھی دونوں اسکول کے باہر سے بھیل پوری اور گول گپے کھاتے۔ یا چنا چور گرم لیتے۔ موہن لال کو اس کے پتا ہر روز خرچے کے لیے ایک اٹھنی

دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنی ماتا جی سے بھی اٹھنی لے لیتا تو خوب عیش ہوتا۔ اسے تو مہینے دو مہینے بعد اماں ایک یا دو پیسے دیا کرتی تھیں۔ وہ بھی اس اسکول میں داخل ہونے کے بعد ورنہ پہلے تو کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا تھا کہ اماں پیسے دو پیسے کی کوئی چیز منگوا دیتی تھیں دھیلے دھیلے کی بھی ایک بچے کے حصے میں نہیں آتی تھی۔ اس کا چار روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہوا تھا کہ یہ وظیفہ تین سال تک اسے ملے گا۔ وہ چار روپے اسی طرح لا کر مولوی عبدالحق کو دے دیتا تھا' اس سے اس کے تعلیمی اخراجات پورے ہوتے تھے۔

یہ اسکول اچھا تھا اور یہاں کی فیس بھی باقی اسکولوں کے مقابلے میں زیادہ تھی عام اسکولوں میں تو آٹھ آنے یا چار آنے فیس تھی لیکن پیٹر صاحب نے جو انسپکٹر سکولز تھے اور جنہوں نے اس کا پانچویں کا وظیفے کا امتحان لیا تھا' انہوں نے مولوی عبدالحق کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بچے کو اس اسکول میں داخل کروائیں۔ اس نے شروع شروع میں موہن لال کی کوئی چیز بھی کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس کی پڑھائی میں مدد دوستی کے ناتے کرتا تھا۔ بدلے کے لیے نہیں لیکن موہن لال اس سے ناراض ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم میری خریدی ہوئی چیز نہیں کھاؤ گے تو میں بھی تفریح کے وقت کچھ نہیں کھاؤں گا۔" تب وہ مجبور ہو گیا تھا۔

"ہم دوست ہیں۔" موہن لال نے کہا۔

"اور دوستوں میں تیرا میرا نہیں ہوتا۔"

جس روز وہ پیسے لاتا تو ایک پیسے کی میٹھی اور ایک پیسے کی نمکین پھلوریاں خریدتا۔ (بھنے ہوئے نمکین اور میٹھے چاول) اور دونوں مل کر کھاتے' کبھی آلو والی روٹی یا مولی والی روٹی ناشتے میں پکتی تو اپنے حصے کی روٹی وہ دستر خوان میں لپیٹ کر اپنے بستے میں رکھ لیتا اور ماں سے کہتا اسکول جا کر کھائے گا۔ وہ صرف چائے پی کر اٹھ جاتا

اسکول میں موہن لال کے ساتھ مل کر کھاتے ہوئے اس کا یہ احساس کہ موہن لال اسے اپنی خرچے میں سے کھلاتا پلاتا ہے۔ کچھ کم ہو جاتا۔ موہن لال کے ساتھ اس کی دوستی اتنی گہری ہو چکی تھی کہ وہ اس سے اپنی ہر بات شیئر کرنے لگا تھا۔ اس نے کالج، سدید بابو اور عبدالرب کے متعلق بھی اسے بتایا تھا اور اپنے گھر کے ہر فرد کے متعلق بھی اسے بتا رکھا تھا اور مارواڑی ہوٹل کے باہر بیٹھنے والے فقیروں کے متعلق بھی اپنے احساسات اسے بتائے تھے۔

"دراصل یہ سب قحط کی وجہ سے ہے۔" اس نے موہن لال کی معلومات میں اضافہ کیا تو اس نے بھی اپنی معلومات کا رعب جمایا۔

"قحط صرف مسلمانوں کے گھر آتا ہے، ہندو اور انگریز کے گھر نہیں آتا۔"

"ہاں جب سر پیٹر امتحان لینے آئے تھے تو کتنی شاندار بڑی ساری گاڑی میں آئے تھے اور پھر امتحان کے بعد اسکول والوں نے ان کے لیے کتنا اچھا کھانے کا انتظام کیا تھا۔ یہاں سے وہاں تک میز کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ برتن کتنے خوبصورت تھے، نازک جب بیرا برتن لگا رہا تھا تو اس نے دیکھا تھا پلیٹ کے نیچے کراؤن بنا تھا اور Great Britian لکھا ہوا تھا۔ اس کے گھر میں تو ایک ایسا برتن نہیں تھا، شاید پیٹر صاحب کے لیے برتن بھی انگلستان سے آتے تھے۔"

وہ اسکول کے ہال میں جہاں کھانا لگایا جا رہا تھا پیٹر صاحب کا انتظار کر رہا تھا انہوں نے وہاں آنے کو کہا تھا اور پھر وہاں انہوں نے اس سے پوچھا تھا، کہ وہ کون ہے اور اس کی تعریف کی تھی اور مولوی عبدالحق کو اسکول میں داخل کروانے کا مشورہ دیا تھا۔

اس رات مولوی صاحب سے پڑھتے ہوئے پوچھا

"کیا قحط صرف مسلمانوں کے گھروں میں آتا ہے؟"

مولوی عبدالحق صاحب نے اسے بتایا تھا کہ

''ایسا نہیں ہے۔قحط جس علاقے میں آتا ہے' وہاں رہنے والے لوگ چاہے وہ ہندو ہوں' چاہے انگریز اور مسلم سب متاثر ہوتے ہیں۔''

یہ روڑ پر بیٹھنے والے بھکاری بھی سب مسلمان نہیں ہیں۔یہ بنگالی ہندو بھی ہیں اور مسلم بھی۔لیکن اپنی ساڑھے نو سال زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اسے مولوی عبدالحق کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

''موہن لال صحیح کہتا ہے۔وہ ہر روز خرچ کے لیے اٹھنی لاتا ہے اور میں ایک دھیلا بھی روز خرچ نہیں کر سکتا اور اس کے کپڑے بھی کتنے قیمتی ہوتے ہیں اور اس کے پاس کتنا اچھا انگریزی بستہ ہے جب کہ میرا بستہ اماں کی پرانی چادر پھاڑ کر آپا نے بنایا ہے۔

بے شک ہمیں کھانے کو روز بھات مل جاتا ہے۔ناشتے پر چائے اور روٹی بھی لیکن کچھ نہ کچھ تو ہمارے گھر بھی ہے۔''

اس نے اپنے سارے واقف کار مسلمان گھرانوں کے متعلق سوچ لیا اور پھر اس رات اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگا اور وہ سر درد کا بہانہ کر کے اٹھ گیا اور وقار النساء کے پاس آکر بیٹھ گیا۔جو کروشیا سے ٹرے پوش بنا رہی تھی۔

''کیا بات ہے آج تمہیں اپنا سبق یاد نہیں کرنا؟'' اس نے محبت سے پوچھا۔

''آپا! ابا کہتے ہیں بہت جلد پاکستان بن جائے گا۔کیا انگریز قائداعظم کی بات مان لیں گے؟''

''ہاں۔۔۔!'' وقار النساء کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''تو کیا پاکستان میں سب کے پاس بہت سارا پیسہ ہوگا۔کیا وہاں سب امیر ہوں گے؟''

''نہیں سب تو نہیں۔'' اس نے کچھ سوچا۔

''لیکن میرا خیال ہے شروع میں تو بہت مشکل ہو گی' بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

اس نے مایوس ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

وقارالنساء اس کا سر دباتی رہی اور نہ جانے کب وقارالنساء کے گھٹنے پر سر رکھے وہ سو گیا۔ جہاں خوابوں کی وادی میں اس کی جیب اٹھنیوں' چونیوں اور دونیوں سے بھری ہوئی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔ خوش ہو رہا تھا۔

اور ایسے خواب تو وہ بچپن سے دیکھتا آیا تھا۔ کبھی راہ چلتے' کسی نالی میں اسے ڈھیروں چاندی کے روپے نظر آ جاتے۔ کبھی اچانک گھر کی چھت سے چھن چھن کر کے روپے گرنے لگتے۔ کبھی زمین کھودتا تو خزانہ نکل آتا۔ اور اب بھی اس کی جیب اٹھنیوں' چونیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سوتے میں اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تو وقارالنساء پیار سے اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

''مسلم طرز تعمیر'' پر عبدالمنان کا تھیس تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ وہ ابھی ابھی کلاس روم سے نکل کر گارڈن میں آیا تھا۔ جہاں ایک طرف گھاس پر نورالعین' فاطمہ اور عالیہ بیٹھی پیپسی پی رہی تھیں' کچھ فاصلے پر دو ڈھی' فرینک اور بوب بیٹھے تھے فرینک نے دوسری صبح معافی مانگ لی تھی۔

''دراصل میں کچھ نشے میں تھا' میرا مقصد ہرگز تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔''

''اٹس او کے۔'' عبدالمنان نے خوش دلی سے کہا۔

''ہم چاہے کتنے بھی برے مسلمان اور دین سے دور ہوں' لیکن ہم اپنے دین پر حملہ برداشت نہیں کر سکتے اور کوئی ہمارے پیغمبر کے متعلق (نعوذ باللہ) غلط بات کہے تو ہمارا خون کھول اٹھتا ہے اور ہم مرنے مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔''

''آئی نو۔۔۔'' فرینک ہنس دیا۔

وہ فطرتاً برا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی مسلمانوں سے کوئی دشمنی تھی۔ جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تھا تو حملے کے خلاف ریلی نکالنے کی تجویز سب سے پہلے اس نے ہی پیش کی تھی۔ ان دنوں وہ امریکہ میں ہی تھا۔ اس نے دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر جلوس نکالے تھے اور جنگ کے خلاف نعرے لگائے تھے مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے لوگوں کے مقابلے میں وہ بہتر اور اپنے سے قریب سمجھا تھا لیکن پچھلے دو سالوں سے یہودی اور امریکی میڈیا نے جس طرح مسلمانوں کا کردار پیش کیا تھا اس سے اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے نفرت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ کئی دوسرے امریکیوں کی طرح وہ بھی سمجھنے لگا تھا کہ مسلمان ایک دہشت گرد قوم ہیں۔ ظالم ہیں اور یہ سب یہودی پروپیگنڈا تھا انہوں نے باقاعدہ کچھ ویب سائٹ قائم کر رکھی تھی جو مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کر رہی تھیں۔

''اسلام محبت اور برداشت کا مذہب ہے۔ یہ مساوات اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔'' احمد نے صبح اس سے کہا تھا۔

''اور جو تم سمجھتے ہو وہ سب مسلمانوں کے خلاف سازش اور جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔''

اس نے احمد کی بات پر یقین کیا تھا یا نہیں لیکن عبدالمنان سے معذرت ضرور کر لی تھی۔

☆......☆......☆

''عبدالمنان۔'' عالیہ وغیرہ کے پاس رکا۔

''اسلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' تینوں نے جواب دیا۔ اور عالیہ نے ہاتھ میں پکڑا فرنچ فرائیز کا پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''ہاں مجھے بھوک بہت لگتی ہے۔ خاص طور پر جب میں پریشان ہوتی ہوں یا

مجھے گھر والے یاد آتے ہیں تو پھر میں کھاتی چلی جاتی ہوں۔‘‘

’’بائے داوئے‘ اس وقت تم پریشان ہو یا تمہیں گھر والے یاد آ رہے ہیں؟‘‘ عبدالمنان بھی گھاس پر بیٹھ گیا۔

’’اس وقت مجھے گھر والے یاد آ رہے ہیں۔ ماما اور پاپا بھی یاد آ رہے ہیں۔‘‘

’’ہے۔۔۔‘‘ اس وقت فرینک نے عبدالمنان کو آواز دی۔

’’ہنری اور سوزن کہاں ہیں؟‘‘

’’لیکچر ہال میں پروفیسر فریڈرک کا لیکچر اٹینڈ کر رہے ہیں۔‘‘ عبدالمنان نے مڑ کر اسد کی طرف دیکھا۔

’’تم دونوں نے لیکچر اٹینڈ نہیں کرنا؟‘‘

’’موڈ نہیں ہے۔‘‘ فرینک نے جواب دیا اور اٹھ کر ان کے قریب آ گیا اور عبدالمنان کے قریب بیٹھ گیا۔

’’تم نے سیسل کو دیکھا ہے کہیں؟‘‘

’’ہاں‘ مجھے سوزن نے بتایا ہے کہ اسے ایک پاکستانی سے محبت ہو گئی ہے جو اس کے ساتھ اسٹور پر کام کرتا ہے۔ میں پوچھنا چاہتا تھا کیا یہ سچ ہے؟‘‘

سوزن ہفتے میں تین دن اسٹور میں کام کر کے اپنے اخراجات پورے کر رہی تھی۔

’’تمہیں اتنی بے چینی کیوں ہے۔‘‘ بوب نے وہیں بیٹھے بیٹھے مسکرا کر پوچھا۔

تو فرینک نے جز بز ہو کر اسے دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں سیسل کو پسند کرتا تھا بلکہ اس کی اچھی خاصی فرینڈ شپ تھی سیسل سے۔

’’تم اب اس کا خیال دل سے نکال دو۔‘‘ ڈورتھی بھی اٹھ کر ان کے قریب

آ گئی۔

''ویسے تم میرے متعلق بھی سوچ سکتے ہو۔'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔لیکن فرینک نے اس کی شرارت کو بالکل انجوائے نہیں کیا وہ اس پاکستانی لڑکے کے متعلق متجسس ہو رہا تھا۔

''تم نے دیکھا ہے اس لڑکے کو؟''

''ہاں' لیکن میں کچھ زیادہ نہیں جانتی اس کے متعلق۔'' ڈورتھی بیٹھ گئی۔

''اس کا نام قاسم ہے اور سیسل اس کی محبت میں دیوانی ہو رہی ہے وہ اس کے ساتھ شادی کر کے گھر بنانا چاہتی ہے۔''

''لیکن کیا وہ نہیں جانتی کہ مسلمان کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں اور اپنی عورتوں کے ساتھ ان کا سلوک کتنا خراب ہوتا ہے۔انہیں گھروں میں بند رکھتے ہیں اور ان پر تشدد کرتے ہیں۔وہ اپنی مرضی سے جی نہیں سکتی۔''

''نہیں فرینک ایسا نہیں۔'' نور العین بے اختیار بول اٹھی۔

''ہمارے ہاں عورت بہت قابل احترام ہے چاہے وہ کسی روپ میں ہو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''عورتیں آبگینے ہیں۔''

تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے کہ عورت پر تشدد کیا جاتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جی نہیں سکتی۔''

''یہ جو میڈیا مختاراں مائی کے متعلق کہانیاں بتا رہا ہے۔کیا یہ جھوٹ ہے۔''

''اس میں حقیقت ہو گی فرینک! لیکن جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔وہ غلط ہے۔میں نہیں جانتی کہ این جی اوز' اس سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ایسے واقعات کہیں بھی ہو جاتے ہیں۔کاری کرنا' قرآن سے شادی کرنا وغیرہ جیسی رسوم

بعض قبائل اور علاقوں میں ہیں۔اس کی وجہ صرف جہالت ہے اور اسلام سے دوری ہے اسے اسلام اور مسلمانوں سے منتھی کرنا غلط ہے۔اسلام نے عورت کو جو عزت واحترام اور مقام دیا ہے دنیا کا کوئی مذہب عورت کو وہ مقام نہیں دیتا۔آج بھی پاکستان میں عورت جتنی محفوظ اور محترم ہے کہیں بھی نہیں۔"

"یار! آج پتہ چلا کہ تم تو بہت اچھا بول سکتی ہو۔" عالیہ مسکرائی۔

فرینک نے اس کی ساری باتیں دھیان سے سنی تھیں لیکن اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ سیسل کو دیکھ رہا تھا جو ابھی ابھی آئی تھی اور خاموشی سے ڈورتھی کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"سیسل! ڈورتھی کہہ رہی ہے کہ تم ایک مسلم لڑکے سے شادی کر رہی ہو کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں۔۔۔" اس نے سر ہلایا۔

"میں نے بھی تو تمہیں چند ماہ پہلے آفر کی تھی۔ کہ اگر تم چاہو تو ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں' الگ اپارٹمنٹ لے لیتا ہوں۔"

"کب تک؟" سیسل نے پلکیں اٹھائیں۔

"جب تک تم چاہو۔" فرینک کا چہرہ چمک اٹھا۔

"اور اگر میرے چاہنے سے پہلے ہی تمہارا دل بھر جائے تو مجھے اپارٹمنٹ سے نکال کر کسی اور کے ساتھ اپنا اپارٹمنٹ شیئر کر لو گے۔" اس نے فرینک کی طرف دیکھا۔

"نہیں' میں اس طرح نہیں رہنا چاہتی' میں شادی کر کے گھر بسانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے بچے ویلفیئر ہومز میں نہ پلیں۔ میرے پیرنٹس نے چھ سال تک ایک اپارٹمنٹ شیئر کیا' پھر دونوں الگ ہو گئے۔ میں کچھ عرصہ ماں کے پاس رہی۔ وہ حکومت سے پیسہ لے کر میری دیکھ بھال کرتی تھی اس میں محبت شامل نہیں تھی

ایک دو فیملیز تو ایسی تھیں یہاں میں نے بہت مشکل وقت گزارا۔ اٹھارہ سال تک میں نے یونہی زندگی گزار دی۔ مجھے ایک مکمل گھر کی حسرت ہے جہاں میں تمام رشتوں کو ان کے حقیقی رنگ میں انجوائے کر سکوں ایک بار جس فیملی کے ساتھ میں رہی تھی ان کے گھر کے بالکل سامنے ایک انڈین خاندان رہتا تھا۔ دادا' دادی ماں باپ بہن بھائی چچا پھپھو ان سارے رشتوں کی پہچان مجھے وہاں ہوئی تھی اس فیملی کی ایک لڑکی میرے ہی اسکول میں پڑھتی تھی اور وہیں سے یہ حسرت میرے دل میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی ایک مکمل گھر تمام رشتوں کے ساتھ۔"

"اور کیا وہ لڑکا تم سے شادی کر لے گا؟" فرینک نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں۔"

اس کی آنکھیں یکدم لو دینے لگیں۔ گہری سبز آنکھوں میں عجیب سی چمک اتر آئی تھی۔

"اس نے اپنے گھر والوں کو بتا دیا میں اپنا سمسٹر مکمل کرنے کے بعد اس کے ساتھ پاکستان جاؤں گی اور پھر وہاں ہماری شادی ہوگی۔"

"اور اگر شادی سے پہلے اس نے تمہیں مذہب بدلنے کو کہا تو۔۔۔؟" فرینک کی آواز میں ہلکی امید تھی۔

"اس نے ایسا نہیں کہا لیکن اگر ایسا کہا بھی تو میں ایک مکمل گھر کی حسرت میں ایسا کر لوں گا۔" فرینک کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"تم مجھ سے کہتیں تو سیسل کہ تم شادی کرنا چاہتی ہو تو۔۔۔ تو۔۔۔" فرینک نے سر جھکا لیا۔

نور العین جو اس دوران عبدالمنان کے پیپرز کی ورق گردانی کر رہی تھی سر اٹھا کر عبدالمنان کی طرف دیکھا۔

"تم کبھی مغربی پاکستان گئے ہو عبدالمنان؟"

''نہیں۔'' اس کی آنکھوں سے حسرت جھلکنے لگی۔

''لیکن مجھے بچپن سے یہ چاہ تھی کہ کبھی میں مغربی پاکستان جاؤں۔ ویسے تم نے یہ کیوں پوچھا؟''

''اس لیے کہ تم نے مغل طرز تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے شاہی قلعہ لاہور' مقبرہ جہانگیر اور شالامار باغ کا بھی ذکر کیا ہے۔''

''ہاں۔۔۔ میں نے وڈیو فلمیں منگوا کر دیکھی ہیں لیکن اگر نہ بھی دیکھتا تو مغل فن تعمیر میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد ہو یا لاہور کا لال قلعہ ہو یا شاہی قلعہ سب کے فن تعمیر میں مطابقت تو ہے۔ میں آگرہ اور دہلی وغیرہ دیکھ چکا ہوں۔''

''اچھا تم اور خدیجہ کبھی ہمارے گھر آنا۔ پاکستان میں تمہیں شاہی قلعہ اور دوسری عمارات دکھاؤں گی۔'' نورالعین نے بہت خلوص سے دعوت دی۔

''شکریہ سسٹر!'' عبدالمنان کی آنکھوں سے تشکر جھانکنے لگا۔

''ہم کبھی نہ کبھی ضرور آئیں گے آپ سے ملنے۔''

''ایک بات بتاؤ گے عبدالمنان! تم لوگوں نے بنگلہ دیش بنالیا تم آزاد ہونا چاہتے تھے کیا تم اس آزادی سے خوش ہو؟'' احمد نے پوچھا تو عبدالمنان بے چین سا ہو گیا۔

''یار احمد! یہ میری دکھتی رگ ہے تم اس پر ہاتھ مت رکھا کرو۔''

''سوری۔'' احمد نے فوراً معذرت کی۔

''دراصل ایک بار میں نے ایک پاکستانی دوست کے پاس ایک وڈیو فلم دیکھی تھی' جس میں مکتی باہنی والوں کو مظالم کرتے دکھایا گیا تھا۔ میں سوچتا ہوں اتنا خون بہانے اور قتل و غارت کرنے کے بعد کیا تم نے وہ سب کچھ پالیا جو تم لوگ چاہتے ہو''

''ہم نہیں۔۔۔ ہمارا خاندان پاکستان کا حامی خاندان تھا۔ گو میں اس وقت

تین چار ماہ کا تھا لیکن میں نے اپنے بابا سے بہت کچھ سنا ہے۔اماں نے بھی بتایا ہے' ہمارے گھر میں بھی پاکستان کا ذکر ہوتا ہے۔جن لوگوں نے بنگلہ دیش بنایا شاید انہوں نے وہ سب پالیا ہو جس کی انہیں چاہ تھی ۔میں تمہیں کیا بتا سکتا ہوں' جب کہ میرے خاندان والوں کو اس کی چاہ نہیں تھی۔'' عبدالمنان یکدم اداس ہو گیا۔

''آخر کیا وجہ تھی اس علیحدگی کی؟''

''کوئی ایک نہیں بے شمار عوامل تھے احمد! میرے ابا جان کہتے ہیں غلط فہمیاں اور غلطیاں دونوں طرف سے ہوئیں ۔وہ کہا کرتے تھے بنیادوں میں پانی تو بہت عرصے پہلے پڑنا شروع ہو گیا تھا' تب ہی تو ایک طوفان نے عمارت ڈھادی ۔ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔عوام سے زیادہ سیاست دان قصوروار تھے۔''

''اور اب ۔۔۔اب نہ جانے مزید کیا ہونا ہے۔''نورالعین نے دل گرفتگی سے سوچا۔

پاکستان سے کوئی اچھی خبریں نہیں آ رہیں تھیں ۔یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو۔وہ جب بھی ویک اینڈ پر برمنگھم جاتی پاکستان کے بارے میں نئی نئی خبریں سننے کو ملتیں ۔بلوچستان میں یہ ہو رہا ہے ۔ساؤتھ وزیرستان اور وانا میں جھڑپیں جاری ہیں ۔اتنے بندے مارے گئے ۔آج ملک خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔وہ پریشان ہو جاتی تھی۔

''بھائی! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''دراصل ہمارے سیاست دانوں نے اور ہمارے جو کرتا دھرتا ہیں انہوں نے پاکستان کو بیچ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے اور وہ اپنی کرسی قائم رکھنے کے لیے وہی کچھ کر رہے ہیں' جو بڑی طاقتیں چاہتی ہیں۔'' بھائی کی ملکی اور غیر ملکی سیاست پر گہری نظر تھی۔

''میرے والد کٹر پاکستانی ہیں اور میں پاکستان سے اتنی ہی محبت کرتا

ہوں جتنا کہ کوئی بھی پاکستانی کرتا ہے۔''عبدالمنان احمد کو بتا رہا تھا نورالعین نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہیلو ایوری باڈی! سوزن نے قریب آ کر کہا اس کے ساتھ ہنری بھی تھا۔نورالعین نے برا سامنہ بنایا اور نگاہیں جھکا کر عبدالمنان کی فائل کی ورق گردانی کرنے لگی۔اسے ہنری سے الجھن ہوتی تھی۔اگرچہ اس نے کبھی بھی اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا تھا لیکن وہ اس کے دیکھنے کے انداز سے جزبز ہوتی تھی۔ایک ٹک دیکھے چلا جاتا۔

''ہنری کے ڈیڈ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔کچھ دیر پہلے فون آیا تھا وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو گئے ہیں۔میں ہنری کو ائیر پورٹ ڈراپ کرنے جا رہی ہوں۔اتفاق سے ایک گھنٹے کی فلائیٹ مل گئی ہے۔''

''ہم سب تمہارے ڈیڈی کے لیے دعا کریں گے۔''عالیہ نے بہت خلوص سے کہا۔

''تھینکس ---''ہنری نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک اچٹتی سی نظر نورالعین کی طرف دیکھا۔

''اوکے'ہم چلتے ہیں۔''سوزن اور ہنری واپس مڑ گئے۔

''ہنری کے ڈیڈ تہتر سال کے ہیں لیکن بہت ایکٹو ہیں۔میں لاسٹ ایئر ان سے ملی تھی۔''ڈورتھی نے بتایا۔

''ہنری نے گھر میں کرسمس پارٹی ارینج کی تھی تو میں گئی تھی اتنا بڑا محل نما گھر ہے۔دو تین ملازم ہیں گھر کی دیکھ بھال کے لیے ہنری بہت لکی ہے۔یسوع مسیح ان پر رحم کرے۔ہم سب ان کے لیے دعا کریں گے۔''احمد اور عبدالمنان اٹھ کر چلے گئے۔

''ہم لائبریری جا رہے ہیں نورالعین! تم چلو گی؟''عالیہ اور فاطمہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔'' نورالعین نے انکار کر دیا۔

''تم جانتی ہو' نور آن! ہنری تم سے محبت کرتا ہے۔'' عالیہ اور فاطمہ کے جانے کے بعد ڈورتھی نے کہا۔

''واٹ ربش۔۔۔'' نورالعین کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی۔

''اٹس آ فیکٹ نور آن! وہ تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔''

''کیا اس نے خود تم سے کہا؟'' نورالعین نے اسی لہجے میں پوچھا۔

''نہیں میرا اندازہ ہے۔'' ڈورتھی نے جواب دیا۔

''وہ اندازہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے؟'' اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔

''نہیں میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔'' ڈورتھی کے لہجے میں یقین تھا۔

''ویسے وہ اچھا لڑکا ہے۔ اگر وہ مجھے پسند کرتا تو میں خود کو خوش قسمت سمجھتی۔''

''یو نو ڈورتھی! میں مسلم ہوں پھر بھی۔''

''ہاں' پھر سیسل تو قاسم سے محبت کرنے لگی ہے اور وہ بھی مسلم ہے۔'' ڈورتھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''رائٹ لیکن میرا اور مسئلہ ہے۔ میرا نکاح ہو چکا میں تو پہلے ہی میرڈ ہوں 'تم ہنری کو بتا دینا۔'' اس نے اپنی اور فہد کے نکاح کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''رائٹ نور آن! کیا تم اپنے والدین کے پسند کیے ہوئے لڑکے سے خوش رہو گی؟''

''وائے ناٹ' مجھے اپنے والدین کی پسند پر اعتماد ہے۔''

''تم مشرقی بہت عجیب ہوتے ہو؟'' ڈورتھی کھڑی ہو گئی۔ مجھے سیسل کے ساتھ اس کے اسٹور پر جانا ہے۔ کچھ شاپنگ کرنی ہے تم چلو گی۔''

''نہیں۔'' نورالعین نے نفی میں سر ہلا دیا اور غیر ارادی طور پر فہد کے مطلق

سوچنے لگی۔

☆......☆......☆

یہ 1945ء تھا قائداعظم ویول پلان کی سخت مخالفت کر رہے تھے۔

پاکستان اور صرف پاکستان ۔۔۔ان کا مطالبہ تھا' ہندو اور مسلم فسادات شروع ہو چکے تھے' کہیں کوئی اکیلا ہندو نظر آتا' تو مسلمانوں کے محلے میں تو اس کا بچنا مشکل ہو جاتا۔اس طرح اکیلا مسلمان دیکھ کر ہندو اسے مار ڈالتے ۔ایسے اکا دکا واقعات ہو رہے تھے ۔بعض اوقات زیادہ لوگ بھی بعض جگہوں پر مارے جا رہے تھے۔مولوی عبدالحق کچھ پریشان تھے۔مسجد میں ان کی تقاریر کی وجہ سے کافی ہندو اور کچھ ایسے مسلمان تھے جو پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ایک دو بار انہیں دھمکیاں بھی مل چکی تھیں کہ وہ پاکستان کی حمایت میں تقاریر کرنا چھوڑ دیں ورنہ۔۔۔ان حالات میں انہوں نے بچوں کا باہر نکلنا بند کر رکھا تھا مگر وہ خود پاکستان کی حمایت سے باز نہیں آئے تھے۔وہ نہرو' گاندھی جی اور کانگرس کے خلاف کھل کر بولتے تھے جو بہر حال کئی لوگوں کو پسند نہ تھا۔اس لیے اچانک ہی انہیں آرڈر آ گیا کہ کہیں اور چلے جائیں۔وہ وہاں نہیں جانا چاہتے تھے' ایک تو وہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی دوسرے وہ جگہ بھی بہت دور تھی۔اس لیے انہوں نے واپس سانتاہار جانے کا سوچا لیکن پھر بھی وہ کم از کم اس وقت تک کلکتہ ہی رہنا چاہتے تھے جب تک اس کا آٹھویں کا امتحان نہ ہو جاتا جو آج کل میں ہی ہونے والا تھا' مسجد میں نئے خطیب آ گئے تھے اور انہوں نے مسجد کا انتظام ان ہی مولوی صاحب کے سپرد کر دیا تھا۔البتہ خود نئی جگہ جانے سے معذرت کر لی تھی اور اس سلسلے میں انگریزی سرکار کی طرف خط بھجوا دیا تھا۔سدید بابو نے انہیں بہت پہلے خط میں سورج مل کے جانے کو لکھا تھا کہ وہ ڈھاکا چلا گیا ہے۔وہ چاہیں تو آ جائیں لیکن انہیں سعید کی پڑھائی کا خیال تھا۔وہ نہ صرف اچھے اسکول میں پڑھ رہا تھا بلکہ اسے وظیفہ بھی مل رہا تھا مگر اب انہوں

نے سدید بابو کو خط لکھ دیا تھا کہ وہ سعید کے امتحان کے بعد واپس آ رہے ہیں جس پر سدید بابو نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔محمد سعید کو انہوں نے سختی سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اسکول سے سیدھا گھر آئے سڑک پار ہندوؤں کا محلّہ تھا۔فسادات سے پہلے تو وہ ہندوؤں کے محلے سے ہوتا بڑی مسجد کے پاس سے گزر کر اپنے سکول جاتا تھا لیکن اب مولوی عبدالحق صاحب نے اسے دوسرے قدرے طویل راستے سے جانے کا کہا تھا۔کیونکہ اس راستے سے جاتے ہوئے ہندوؤں کے محلے سے نہیں گزرنا پڑتا تھا۔مسجد سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے آس پاس کے چند مسلمانوں کے گھروں میں جا کر قرآن پڑھانا شروع کر دیا تھا' اس طرح دال بھات کا خرچ نکل رہا تھا۔سعید اب بہت حد تک پاکستان کا مفہوم سمجھنے لگا تھا' اور اکثر محلے کے بچوں کے ساتھ مل کر نعرے لگاتا پھرتا تھا کہ

لے کے رہیں گے پاکستان
بن کے رہے گا پاکستان

اس کی جماعت میں صرف سات لڑکے مسلمان تھے اور ہندو لڑکے کہتے تھے کہ پاکستان کبھی نہیں بنے گا۔انگریزوں کے جانے کے بعد ان کی حکومت ہوگی موہن لال بھی کہتا تھا کہ اس کے پتا کہتے ہیں کہ انگریزوں کے جانے کے بعد ان کی حکومت بنے گی اور مسلمان ان کے غلام ہوں گے۔لیکن مولوی عبدالحق نے اسے بتایا تھا کہ یہ ہندوؤں کی خوش فہمی ہے پاکستان ضرور بنے گا۔اس روز چھٹی کے بعد اس کے اور موہن لال کے درمیان یہی بحث چل نکلی تھی' موہن لال کہتا تھا اس کے پتا صحیح کہتے ہیں اور وہ کانگریس کے اجلاسوں میں جاتے رہتے ہیں' جبکہ اس کا اسرار تھا کہ اس کے ابا صحیح کہتے ہیں۔

''تمہارے ابا کو بھلا کیا پتا' ایک چھوٹی سی مسجد کے معمولی سے مُلا۔۔۔''

موہن لال کے لہجے میں نفرت تھی۔اس کا دل یکدم بجھ گیا۔اس نے موہن

لال کو کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن اسے موہن لال کی بات سے دکھ پہنچا تھا۔اس لیے کچھ دیر وہ یونہی اسکول کے باہر درخت تلے بنے بینچ پر بیٹھا رہا۔ پھر یکدم اسے خیال آیا کہ اسے دیر ہو چکی ہے۔اماں ابا پریشان ہوں گے۔تب گھر جلدی پہنچنے کے خیال سے لمبے راستے سے گھر جانے کی بجائے بڑی مسجد کے پاس سے گزرتا ہوا ہندوؤں کے محلے میں پہنچ گیا۔پوری گلی سنسان پڑی تھی وہ تیز تیز چل رہا تھا کہ اچانک ایک ہندو ایک طرف سے چھرا لہراتا ہوا نکلا اور اس نے چھوٹی گلی سے نکلتے ہوئے شخص کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا اور وہ سہم کر دیوار کے پاس پڑے ڈرم کی اوٹ چھپ گیا۔وہ شخص تیورا کر گر پڑا تھا' ہندو جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس گلی میں غائب ہو گیا۔وہ اس شخص کو جانتا تھا جو گلی کے بیچوں بیچ اوندھا پڑا تھا اور گلی میں خون پھیلتا جا رہا تھا۔یہ شخص گھوم پھر کر کیوڑے کے پھول ڈنٹھل بیچتا تھا اس کے پاس کیوڑے کی شیشیاں بھی ہوتی تھیں گرمیوں میں لوگ ایک پیسے کے کیوڑے کے ڈنٹھل لے کر' گھروں میں ڈال دیتے تھے جس سے پانی میں بہت پیاری خوشبو آتی تھی۔خود اس نے بھی ایک دو بار پانی کی صراحی میں اس سے کیوڑے کے پھول کا یہ نچلا حصہ لے کر ڈالا تھا۔کتنے ہی دن تک صراحی کے پانی سے خوشبو آتی رہی تھی اور اب وہ شخص مرا پڑا تھا۔

''اور پتا نہیں اس کے گھر میں کون کون ہے اور پتا نہیں انہیں پتا بھی چلے گا یا نہیں یہ مر چکا ہے شاید وہ اک عمر اس کا انتظار کرتے رہیں۔'' وہ ڈرم کے پیچھے سے ذرا سا سر نکال کر گلی میں پڑی لاش کو دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں پھر وہ ہولے ہولے زمین پر بیٹھتا چلا گیا اسے لگا جیسے اس کی ٹانگوں میں جان نہیں ہے۔اس کے سارے حواس خوف سے سن ہو گئے تھے۔اسے لگ رہا تھا جسے ابھی کسی طرف سے کوئی ہندو نکل کر آئے گا' اور اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ دے گا۔اس کے پیچھے گلی بند تھی اور سامنے تین پانی سے بھرے ڈرم پڑے تھے۔وہ ڈرموں کے پیچھے دبکا بیٹھا

تھااور کبھی کبھی دوڈرموں کی درمیانی خالی جگہ سے سامنے سڑک پر بھی جھانک کر دیکھ لیتا تھا۔اب گلی اور سڑک پھر سنسان پڑی تھی یہ ایسا وقت تھا جب مرد کام پر گئے ہوتے ہیں عورتیں اور بچے گھروں میں آرام کررہے ہوتے ہیں۔دو تین بار اس نے کوشش کی کہ وہ اٹھے اور بھاگ کر گلی اور پھر سڑک کراس کرتا ہوا گھر پہنچ جائے لیکن وہ کھڑا نہ ہو سکا۔ٹانگوں میں جیسے جان ہی نہیں تھی۔وہ یونہی ڈرموں کے پیچھے سے گلی میں دیکھ رہا تھا کہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔سڑک پار کر کے گھوڑا گاڑی گلی میں داخل ہو چکی تھی۔یکا یک پھر گلی کے کسی کونے سے تین چار ہندو چھرا لہراتے ہوئے نکلے اور پیچھے کی طرف بیٹھے ہوئے شخص کو نیچے کھینچ لیا۔کچھ دیر بعد اس کی لاش سڑک پر پڑی تھی کوچوان نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی لیکن وہ نعرہ لگاتے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے شاید کہیں آگے چل کر انہوں نے اسے گھیر لیا تھا کہ ایک چیخ سنائی دی تھی اور پھر وہ نعرے لگاتے اسی طرح واپس گلی میں غائب ہو گئے تھے اب سامنے دولاشیں پڑی تھیں۔اسنے خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔یونہی بیٹھے بیٹھے مغرب ہوگئی۔مغرب کے بعد اس علاقے میں کئی دوسرے علاقوں کی طرح کرفیو لگا دیا جاتا تھا۔جوں ہی کرفیو کا سائرن بجا وہ اٹھ کھڑا ہوا اتنی دیر تک ایک ہی کیفیت میں بیٹھے رہنے سے ٹانگیں سن ہو گئی تھیں۔وہ انہیں حرکت دے رہا تھا کہ اچانک سڑک پر ایک ٹرک آ کر رکا اور ان میں سے رضا کار کود کر نیچے اترے اور گلی میں آ گئے۔وہ لاشیں اٹھا رہے تھے ایک رضا کار ڈرموں کے پیچھے دیکھنے کے لیے آیا تو اسے کھڑا دیکھ کر چونک پڑا۔

''کون ہو تم اور اس وقت باہر کیوں نکلے ہوئے ہو کیا تمہیں نہیں پتہ اس وقت کرفیو لگ چکا ہے۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ ہلائے لیکن حلق میں کانٹے اگ آئے تھے آواز ہی نہ نکلی۔تب ہی دوسرا رضا کار بھی آ گیا۔

''ارے یہ تو مولوی عبدالحق صاحب کا بیٹا ہے۔''اس نے اسے پہچان لیا

تھا۔تب اس نے ساری بات بتادی اور وہ لوگ اسے گھر چھوڑ گئے۔گھر میں ماتم سا پپا تھا۔گھر والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی ہندو کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔

''میرا خیال ہے مولوی صاحب جب تک حالات کچھ بہتر نہیں ہو جاتے آپ بچے کو اسکول نہ بھیجا کریں۔'' رضا کار نے مولوی صاحب کو مشورہ دیا تو انہوں نے اگلے ہی دن سانتاہار جانے کی تیاری شروع کر دی وہ تو صرف اس کی پڑھائی کے خیال سے ٹھہرے ہوئے تھے ورنہ مسجد کی نوکری چلے جانے سے حالات کافی خراب ہو چکے تھے اور ان کے لیے فلیٹ کا کرایہ دینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

''اور میری پڑھائی ؟ کیا وہاں جا کر میں آٹھویں کا امتحان دے سکوں گا؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں شاید۔۔۔'' وہ کچھ متذبذب سے تھے۔لیکن انہوں نے رخت سفر باندھ لیا ایک بار وہ سانتاہار سے کلکتہ آئے تھے اور اب کلکتہ سے واپس سانتاہار جا رہے تھے۔وہ جانے سے پہلے موہن لال سے بھی نہیں مل سکا تھا۔اسے سانتاہار جانے کی خوشی بھی تھی اور موہن لال سے بچھڑنے اور پڑھائی نامکمل رہ جانے کا دکھ بھی تھا لیکن مدت بعد اپنے گھر واپس آنا اسے اچھا لگا تھا۔سدید بابو نے ان کے چھوٹے سے گھر کو تو بالکل ٹھیک رکھا ہوا تھا' سیلاب اور بارشوں سے ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی وہ مرمت کرتے تھے۔جہاں عبدالرب سے مل کر وہ بے حد خوش ہوا تھا وہاں کاجل کی موت کا جان کر وہ بہت اداس ہو گیا تھا۔کاجل اگرچہ لڑکی تھی لیکن وہ ہمیشہ عبدالرب اور اس کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔اس نے ایک بار اسے کچھ سیپیاں بھی دی تھیں جو ابھی تک اس کے پاس تھیں ایک بار جب وہ بیمار تھا تو وہ اس کے لیے گھر سے ناریل کی کھیر لے کر آئی تھی۔اپنے حصے کی کھیر اس نے اسے دے دی تھی۔

عبدالرب اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہتا تو اسے کاجل یاد آ جاتی' وہ جلد ہی گھر آ جاتا۔عبدالحق یہاں آ تو گئے تھے انہیں اپنی دکان بھی مناسب رقم میں مل گئی تھی' لیکن

ابھی تک وہ دوکان میں کوئی مال نہیں ڈال سکے تھے۔ مسجد میں بھی امام موجود تھا۔ مکتب کب کا ختم ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی پڑھائی کا انہوں نے ذکر تک نہ کیا تھا۔ ابھی تو انہیں روزی روٹی کی فکر تھی کہ کیسے وہ گھر والوں کے لیے دو وقت کی بھات کا انتظام کر سکیں۔

ایک روز عبدالرب اسے بلانے آیا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا' دھان کے کھیتوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کاجل کیسے مری تھی کیا اسے تپ چڑھا تھا؟''

''نہیں وہ مری نہیں۔'' عبدالرب نے سرگوشی کی۔

''لیکن دیکھو تم کسی کو نہ بتانا' ابا نے منع کر رکھا ہے' ہم سب بھوکے مر رہے ہیں۔ زمیندار ہفتے میں صرف ایک کلو دھان دیتا ہے حالانکہ باپو کے ساتھ میں اور اماں بھی مزدوری کرنے جاتے تھے۔ لیکن زمیندار کہتا تھا قحط کی وجہ سے وہ اس سے زیادہ دھان نہیں دے سکتا، کسی کا پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ پھر اماں بیمار ہو گئیں بہت زیادہ اور کاجل کو انہوں نے بیچ دیا پانچ سو ٹکا میں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔

''اور سب کہتے تھے سدید باپو خوش قسمت ہے کہ اسے کاجل کے پانچ سو ٹکا مل گئے تھے ورنہ تو کوئی سو دو ٹکے سے زیادہ نہیں دیتا تھا، لیکن کاجل کو ایک بائی نے خریدا تھا اس لیے زیادہ رقم ملی۔''

''وہ بائی کیا کاجل کو بیٹی بنا لے گی؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں شاید وہ اسے نوکرانی بنائے گی اور اس سے سارے کام کروائے گی برتن، کپڑے دھونا۔ کھانا پکانا اور شاید کچھ اور بھی۔'' عبدالرب نے جواب دیا۔

''لیکن کاجل کیسے یہ کام کرے گی' وہ تو اتنی چھوٹی ہے۔''

''ہاں پتہ نہیں۔'' عبدالرب کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''چلو کاجل سے ملنے چلتے ہیں۔ وہ بائی جی کہاں رہتی ہیں؟'' اس نے

پوچھا۔

''وہ تو کلکتہ سے آئی تھیں۔ واپس چلی گئیں۔'' عبدالرب کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

وہ اسے چپ چاپ روتے دیکھتا رہا۔ وہ خود بھی رونا چاہتا تھا لیکن آنسو جیسے خشک ہو گئے تھے مارواڑی ہوٹل کے باہر بیٹھے بھکاری ہاتھوں کی اوک میں چاولوں کی گرم بیچ لیتے۔ کچرے کے ڈھیر سے سبزیوں کے چھلکے کھاتے بچے اور کسی بائی کے گھر سے ننھے ننھے ہاتھوں سے کام کرتی کاجل۔

وہ ایکدم اٹھا اور تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف چل پڑا۔

''سعید! محمد سعید رکو۔''

عبدالرب نے آنسو پونچھتے ہوئے اسے پکارا مگر وہ رکا نہیں اور تقریباً بھاگتا ہوا عبدالرب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆......☆......☆

''ڈیڈ۔۔۔'' ہنری نے جان رابرٹ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اب آپ کو اتنی زیادہ محنت نہیں کرنا چاہیے۔''

''میرے خیال سے کوئی زیادہ محنت تو نہیں کرتا۔'' وہ مسکرائے۔

''پھر اچانک کیا ہوا تھا۔ آپ تو بالکل فٹ تھے جب میں یہاں سے گیا تھا۔

''ہاں لیکن کبھی کبھی بے چارا دل بھی تھک جاتا ہے نا۔''

''مگر ڈیڈ! میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں۔'' وہ صرف مسکرا دیئے۔

''ویسے ڈیڈ کوئی تو وجہ ہو گی نا اچانک اس اٹیک کی؟'' اس نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ کا کولیسٹرول' آپ بی پی سب کچھ نارمل ہے۔ آپ کبھی بیمار نہیں

پڑے؟''

''لیکن انسان ڈیئر! کبھی تو اعضاء جواب دے ہی جاتے ہیں۔''

وہ اب بھی مسکرا رہے تھے ان کی نظریں سر جیمز رابرٹ کی تصویر پر ذرا دیر کو ٹھہری تھیں۔ ماضی ان دنوں کس قدر جزئیات کے ساتھ انہیں یاد آتا تھا۔ جیسے وہ سارے منظر حافظے کی اسکرین پر زندہ ہوں۔

''بہرحال اپنا بہت خیال رکھیے گا۔''

''ہاں میں تو خیال رکھوں گا ہی پھر ڈیوڈ اور مسز پیٹر ہیں میرے پاس' لیکن تم سناؤ تمہاری کیا پروگریس ہے۔ میں گرینڈ پا بنے بغیر مرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

''یعنی ہنوز دلی دور است۔'' ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''واٹ؟'' ہنری نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''ڈیڈی۔۔۔ میرا خیال ہے یہ فارسی ہے' آپ نے اسی زبان میں کچھ کہا ہے نا۔ آپ کو فارسی آتی ہے۔''

''ہاں تھوڑی بہت' میرا ایک دوست ایرانی تھا اس سے سیکھی تھی تھوڑی بہت۔''

''وہ احمد ہے نا میرا یونیورسٹی فیلو' وہ ایرانی ہے کبھی کبھی فارسی میں لمبی لمبی نظمیں پڑھتا ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا لیکن مجھے ان کی لے اور ٹیون اچھی لگتی ہے۔''

''فارسی بہت میٹھی زبان ہے۔'' جان رابرٹ کہیں کھو سے گئے تھے۔

''میں احمد کو بتاؤں گا کہ میرے ڈیڈ کو بھی فارسی آتی ہے۔ ویسے اس کا مطلب کیا تھا۔''

''یہی کہ ابھی منزل دور ہے۔'' انہوں نے ہنری کو دیکھا' جس کے چہرے پر بچوں جیسی خوشی تھی۔

''منزل دور بھی ہے اور شاید ناممکن بھی ہے اس کو پہنچنا۔''

''وہ کیوں؟ تم اتنے سمارٹ ہو' ذہین اور خوبصورت ہو۔'' ہنری خاموش ہی رہا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے انوائیٹ کرو کرسمس پر۔ سب دوستوں کو انوائیٹ کرو' میں تمہارے لیے اس سے بات کروں گا۔'' وہ پوری طرح ہنری کی طرف متوجہ تھے۔

''میں کہوں گا اس سے کہ پیاری لڑکی میرا بیٹا' تم سے بہت محبت کرنے لگا ہے۔ اس لیے تم اسے تنگ نہ کرو ٹھیک ہے ناتم انوائیٹ کر رہے ہو نا کرسمس پر؟''

''وہ شاید نہ آئے۔''

''کیوں۔۔۔؟'' جان رابرٹ کو حیرت ہوئی۔

''کیا وہ کوئی پرنسز ہے؟''

''وہ ہمارے کسی بھی پروگرام میں شریک نہیں ہوتی بلکہ ویک اینڈ پر اپنے بھائی یا آنٹی کے پاس چلی جاتی ہے اور ''کرسمس'' ڈیڈ! وہ مسلم ہے۔''

''کیا؟'' جان رابرٹ جو صوفے پر نیم دراز تھے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''یس ڈیڈ! وہ مسلم ہے۔'' وہ کچھ دیر افسردہ ہنری کی طرف دیکھتے رہے پھر آہستگی سے بولے۔

''ہنری تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم اسے بھول جاؤ۔ تمہاری اس سے شادی نہیں ہو سکتی۔''

''مگر کیوں ڈیڈ! اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ مسلم ہے اور میں کریسچن ہوں آپ تو بڑے لبرل ہے پھر۔۔۔''

''مجھے تمہاری کہیں بھی' کسی بھی جگہ شادی پر اعتراض نہیں ہے ڈیئر لیکن ایک مسلمان لڑکی کی اس کے مذہب کی رو سے ایک کریسچن لڑکے سے شادی نہیں ہو سکتی

اگر وہ تم سے شادی پر راضی ہو تب بھی نہیں۔"

"لیکن کرسچن لڑکیوں کی شادیاں تو مسلم لڑکوں سے ہوتی رہتی ہیں۔ وہ سیسل ہے نا میری کلاس فیلو وہ بھی تو ایک مسلم لڑکے سے شادی کرنے والی ہے۔"

"ہاں کوئی بھی مسلمان لڑکا کسی اہل کتاب لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ یہ جائز ہے لیکن کوئی مسلمان لڑکی کسی غیر مذہب کے لڑکے سے چاہے وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو' شادی نہیں کر سکتی مذہب کی رو سے یہ گناہ ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ لڑکی کو کیوں اجازت نہیں ہے؟" ہنری نے جھنجلایا۔

"یہ مذہب کا حکم ہے اور مذہب میں کیوں' کیا نہیں ہوتا۔ اس حکم سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔"

"لیکن آپ کو کیا پتا مذہب اسلام کے احکامات کا؟"

"مجھے علم ہے۔" جان رابرٹ کا لہجہ نرم اور گداز تھا۔

"تم اس لڑکی کا خیال دل سے نکال دو۔"

"ناممکن' اب اس کا خیال دل سے نہیں نکل سکتا۔ بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا خیال میرے لہو میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں اسی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ چاہے وہ شادی کرے یا بغیر شادی کے میرے ساتھ رہے مجھے ہر طرح منظور ہے۔"

"ان کے ہاں بغیر شادی کے اکٹھا رہنے کا تصور نہیں ہے۔"

"تو پھر شادی۔۔۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے ڈیڈ! کہ میں واپس جا کر اسے پرپوز کر دوں گا۔"

"اور اگر اس نے انکار کر دیا تو؟" جان رابرٹ اسے تشویش سے دیکھ رہے تھے۔

"تو۔۔۔" ہنری کے چہرے پر اضطراب پھیل گیا' وہ کھڑا ہو گیا۔

''تو پتا نہیں کیا۔ لیکن میں ایک بار اس سے اپنا حال دل ضرور بیان کروں گا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اب تک جو میں نے کسی کو اپنا ہم سفر نہیں بنایا تو مجھے اسی کا انتظار تھا شاید اسے ہی میرے دل کی ملکہ بننا تھا۔ مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کر سکتی کوئی بھی لڑکی ایسی سچی محبت کو انکار نہیں کر سکتی پھر میں نے کبھی کوئی ناپسندیدہ حرکت نہیں کی۔ فرینک کی طرح میں نے کبھی ان لوگوں کی کسی پارٹی میں ڈرنک نہیں کی' کبھی ان کے مذہب کا مذاق نہیں اڑایا۔'' یکا یک وہ پراعتماد نظر آنے لگا تھا۔

اس کے اعتماد نے انہیں چونکایا تو کیا واقعی وہ لڑکی ہنری سے شادی پر تیار ہو جائے گی۔ اپنے مذہبی احکام کے خلاف' انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ انہوں نے دل ہی دل میں کہا ہاں اگر ہنری مذہب تبدیل کر لے تو۔۔۔

''ہنری اگر اس نے تم سے کہا کہ تم مذہب تبدیل کر لو مسلمان ہو جاؤ تب میں تم سے شادی کروں گی تو کیا کرو گے؟''

''اوہ نو ڈیڈ! بھلا مذہب بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے وہ تو پیدائش کے ساتھ ہمارے خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ مسلمان کا بچہ مسلمان اور کرسچن کا بچہ کرسچن ہی ہوتا ہے۔ یہ تو خیر نہیں ہوگا نا ڈیڈ! کہ میں محض اس سے شادی کی خاطر مذہب بدل لوں اور اگر بظاہر بدل بھی لوں تو اندر سے تو میں خود کو نہیں بدل سکوں گا۔''

''تم بہت مضبوط ہو ہنری! اور مجھے تم پر فخر ہے ورنہ میں نے لوگوں کو محض چھوٹی سی خواہش کے لیے مذہب بدلتے دیکھا ہے۔'' انہوں نے رشک سے ہنری کو دیکھا۔

''لیکن محض اپنی کسی خواہش کی تکمیل کے لیے مذہب بدلنا تو غلط بات ہے ہاں آپ کسی وجہ سے انسپائر ہو جائیں' آپ کو لگے کہ آپ کا مذہب صحیح نہیں ہے تب مذہب بدلنا غلط نہیں ہے۔''

''ہاں۔'' وہ کچھ بے چین سے ہو گئے۔

''تم ٹھیک کہتے ہو کبھی کبھی بعض خواہشات کچھ اس طرح انسان پر حاوی ہو جاتی ہیں کہ وہ سب کچھ چھوڑ دینے کو تیار ہو جاتا ہے، بہن بھائی ماں باپ حتیٰ کہ مذہب بھی۔''

''لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہے ڈیڈی! میں کسی بھی شے کو خود پر حاوی نہیں کرتا۔ اگر ہم اپنے اپنے مذہب پر رہتے ہوئے زندگی گزار سکے تو ٹھیک ہے' ورنہ شاید مجھے دکھ ہو' شاید زندگی میں سے سارے رنگ ختم ہو جائیں۔ شاید میں اسے کبھی نہ بھول سکوں' خیر۔۔۔'' وہ مسکرایا۔

''آپ میرے لیے دعا کرنا ڈیڈ! کہ وہ مان جائے۔''

''دعا۔'' ان کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

وہ ایک ایسی دعا کیسے مانگ سکتے ہیں جو گناہ ہے' اس کے مذہب کی رو سے لیکن کیا وہ ہنری کی ناکامی برداشت کر سکیں گے۔ کیا وہ اسے دکھی دیکھ سکیں گے۔ ان کے پاس کل زندگی کا حاصل جمع یہی تو تھا۔ ہنری رابرٹ ان کا اکلوتا بیٹا۔ انہوں نے تو ہمیشہ اس کی خوشیوں کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ پھر اب کیوں نہیں۔ ان کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہو گئے۔ ہنری ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے ڈیڈ! آپ کی طبیعت اب کافی ٹھیک ہے میں کل واپس چلا جاؤں گا۔ مجھے کل کے لیے کسی بھی فلائیٹ سے سیٹ بک کروا لینا چاہیے' ان دنوں سر فریڈرک بہت اہم لیکچر دے رہے ہیں۔'' وہ ان کی طرف دیکھے بغیر فون اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔

''ہنری!'' انہوں نے بمشکل اسے آواز دی۔

وہ تیزی سے پلٹا۔ ''کیا ہوا ڈیڈ؟''

''ہنری۔۔۔!'' انہوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔'' ہنری گھبرایا۔

''انہیں میری میڈیسن دے دو صرف۔'' کہہ کر انہوں نے پھر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

☆......☆......☆

یہ 1946ء تھا انگریز ہندوستان چھوڑنے کی تیاریوں میں تھا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاباب میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے بعد مسلمانانِ ہند نے یوم فتح منایا اور مرکزی قانون ساز اسمبلی میں قائد اعظم کو منتخب کر لیا گیا تھا۔ جہاں مسلمان بہت خوش تھے وہاں ہندو تلملا رہے تھے۔ فسادات کا سلسلہ جاری تھا اکا دکا واقعات سننے میں آتے رہتے تھے۔ لیکن سانتاہار میں صورت حال بہت بہتر تھی۔ یہاں صرف چھ سات ہی ہندو گھرانے تھے جو کابینہ مشن کے نکات سامنے آنے کے بعد سانتاہار سے جا چکے تھے۔ بنگال مسلم اکثریت کے علاقوں میں آتا تھا۔

مولوی عبدالحق نے تھوڑا بہت سامان دکان میں ڈال لیا تھا۔ لیکن پھر بھی گزارا مشکل سے ہو رہا تھا وہ چاہ رہے تھے کہ کسی مدرسے میں انہیں نوکری مل جائے تو لگی بندھی تنخواہ مل جائے گی۔ دو تین جگہ انہوں نے درخواستیں دے رکھی تھیں پتا چلا کہ وہاں عربی اور حساب کے استاد کی جگہ خالی ہے لیکن ابھی تک کہیں سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ دراصل انگریزوں کو اب ہندستانی عوام سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا۔ وہ برصغیر سے جانے کی تیاریوں میں تھے۔ ایسے میں کسی نئی نوکری پر تقرر خاصا مشکل تھا۔ ان حالات میں جب بمشکل دو وقت کے لیے دال بھات کا انتظام ہو سکتا تھا محمد سعید کی تعلیم جاری رکھنا خاصا مشکل تھا۔ سانتاہار میں جو مدرسہ مسجد سے منسلک تھا وہاں صرف پرائمری تک کی تعلیم دی جاتی تھی وہ بھی ان دنوں کوئی خاص نہیں چل رہا تھا مسجد کے مولوی صاحب جو اس کے نگران تھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے اور ضروری تھا کہ وہ محمد سعید کو ڈھاکہ میں کسی بورڈنگ اسکول میں داخل کروا دیتے جہاں وہ فائنل کا امتحان دے سکتا لیکن اس کے لیے رقم کی ضرورت تھی جو فی الحال

مولوی عبدالحق کے پاس نہیں تھی اور کہیں شنوائی نہیں ہو رہی تھی۔ سعید کا دل نہ قرآن پڑھنے میں لگتا نہ کھیل کود میں۔ آٹھویں کا امتحان نہ دے سکنے کا دکھ اندر ہی اندر اسے کاٹ رہا تھا۔ وہ اکثر صبح کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتا تو اس چھوٹی سی پلیا پر جا کر بیٹھ جاتا جو جمال پور جانے والے رستے میں ایک چھوٹے سے نالے پر بنی ہوئی تھی وہاں پاؤں لٹکائے بیٹھا وہ دیر تک سامنے پگڈنڈی سے ادھر بنے گرجا گھر کو دیکھتا رہتا۔ اس گرجا گھر کے ساتھ ہی ایک مشنری اسکول اور ہاسپٹل تھا۔ یہ دراصل گرجے کے احاطے کے اندر ہی تھے اور اس کے کلکتہ جانے کے بعد ہی قائم ہوئے تھے۔ پہلے یہاں صرف ایک چھوٹا سا گرجا ہوتا تھا۔ جہاں صرف ایک بوڑھا پادری تھا لیکن اب تو گرجا بہت وسیع ہو گیا تھا۔ عبدالرب نے اسے بتایا تھا کہ یہاں اس گرجا گھر میں بہت سے مشنری آئے تھے' پھر انہوں نے پہلے ہسپتال بنایا اور اسکول بھی بنالیا۔ یہ مفت علاج کرتے ہیں۔ سدید بابو کا بیٹا بیمار ہو گیا تھا پہلے اس کے جسم پر سفید داغ پڑ گئے پھر زخم ہو گئے تو سدید بابو نے اسے یہاں جمع کروادیا۔ لیکن پھر وہ مر گیا۔ سدید بابو کہتے ہیں (وہ اپنے باپ کو اکثر سدید بابو ہی کہتا تھا) کہ یہ لوگ زبردستی عیسائی بنا لیتے ہیں۔ یا پھر پیسے دے کر ادھر قحط کے دنوں میں بہت لوگ نے اپنا مذہب چھوڑ دیا تھا۔ ادھر علاج بھی مفت ہوتا ہے اور کھانا بھی ملتا ہے۔ بس پھر جب لوگ مجبور ہو جاتے ہیں تو اپنے مریض لے جاتے ہیں ادھر۔

وہ پلیا پر پاؤں لٹکائے بیٹھا رہتا۔ کبھی کبھی لمبے لمبے چغوں والے پادری پگڈنڈی پر نظر آجاتے یا گرجے کے احاطے میں چلتے دکھائی دیتے۔ ادھر دیکھتے دیکھتے تھک جاتا تو کنکر اٹھا کر پانی میں پھینکنے لگتا۔ پانی میں ارتعاش پیدا ہوتا بھنور سا بنتا اور پھر پتھر نیچے پانی کی گہرائی میں گم ہو جاتا پھر جب سورج اونچا ہو جاتا اور اس کی کرنیں آنکھوں میں چبھنے لگتی تو وہ اٹھ کر گھر کی طرف چل دیتا۔

مولوی عبدالحق ابھی مسجد میں ہی ہوتے وہ عموماً اشراق کی نماز پڑھ کر ہی مسجد

سے نکلتے تھے' پھر گھر آ کر ہی ناشتہ کرتے۔ چاولوں کی موٹی روٹی کے ساتھ تھوڑے سے دودھ والی چائے پی کر وہ دوکان پر چلے جاتے تھے اور وہ گھر میں ہی بیٹھا رہتا چھوٹے بھائی کو جو بمشکل تین برس کا تھا لے کر گھر کے باہر بیٹھ جاتا اور یوں ہی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتا رہتا۔ جب وہ یہاں سے گئے تھے تو وہ صرف ایک ماہ کا تھا اور اب تین سال کا تھا۔ وہ زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزارتا تھا۔ عبدالرب اگر کبھی اسے بلانے بھی آتا تو انکار کر دیتا۔ اسے عبدالرب کو دیکھ کر کاجل یاد آ جاتی تھی۔ کاجل جو نہ جانے کہاں تھی۔ کیسے رہتی تھی سب کے بغیر' اس روز بھی وہ پلیا پر بیٹھا پانی میں پتھر پھینک رہا تھا کہ کوئی اس کے قریب آ کر رک گیا اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر یکدم کھڑا ہو گیا۔

''گڈ مارننگ سر!''

''گڈ مارننگ!'' اجنبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں نے اکثر تمہیں یہاں بیٹھے دیکھا ہے۔ تم اپنے آپ میں اتنے گم ہوتے ہو کہ بعض اوقات تمہیں پتا بھی نہیں چلتا کہ تمہارے پاس سے کون گزر گیا ہے میں وہاں اس اسکول کا ہیڈ ہوں۔''

اس نے پگڈنڈی کے دوسری طرف گرجے کی طرف اشارہ کیا اور ادھر کیلے کے درختوں کے جھنڈ کے پیچھے میرا گھر ہے۔''

''وہ گھر۔۔۔؟''

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اگرچہ یہاں سے وہ گھر نظر نہیں آتا تھا لیکن ایک دفعہ عبدالرب کے ساتھ وہ اس کے گھر کے پاس سے گزرا تھا۔ چھوٹا سا یہ سفید گھر اسے بہت خوبصورت لگا تھا۔ عبدالرب نے اسے بتایا تھا کہ یہاں ایک انگریز رہتا ہے۔ جو اس گرجے میں ہی کام کرتا ہے۔

''وہ گھر بہت خوبصورت ہے۔''

اس نے آہستگی سے انگلش میں کہا اجنبی کے چہرے پر لمحہ بھر کو حیرت سی نمودار ہوئی پھر وہی شفیق مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تم اتنی سی عمر میں کیا سوچتے رہتے ہو پیارے لڑکے!'' وہ بہت روانی سے جملہ بول رہا تھا۔

''میں اپنے ورنیکلر فائنل کے امتحان کے متعلق سوچتا رہتا ہوں جو نہیں دے سکا تھا۔''

''اوہ۔۔۔!'' اجنبی کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

''تم یہ امتحان کیوں نہیں دے سکے؟''

''میں۔۔۔ مجھے اچانک کلکتہ سے یہاں آنا پڑا'' اس نے تفصیل بتائی۔

''سر پیٹر نے کہا تھا میں ایک روز بڑا آدمی بنوں گا۔کوئی مشہور ڈاکٹر، سائنسدان یا انجینئر لیکن شاید میں اب بھی کچھ نہ بن سکوں، سر پیٹر نے ابا سے کہا تھا۔تمہارا بیٹا بہت ذہین ہے۔سالوں بعد اتنے ذہین بچے پیدا ہوتے ہیں۔لیکن میں شاید اب کچھ بھی نہیں بن سکوں گا۔'' اس نے اپنا دل ایک اجنبی کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔

اتنے سارے دنوں سے وہ اپنا دکھ اندر ہی اندر پال رہا تھا۔اس نے آج تک کسی سے وہ باتیں نہیں کی تھیں جو اس اجنبی سے کر رہا تھا۔بھائی چھوٹے تھے، بڑی بہنوں سے بے تکلف نہ تھا۔مولوی عبدالحق پیٹ بھرنے کی تگ و دو میں مصروف تھے لیکن یہ اجنبی جو آنکھوں میں چمک لیے اسے تک رہا تھا' اس کا کچھ بھی نہیں لگتا تھا پھر بھی اس نے اس سے یہ کچھ کہہ دیا تھا۔

''تم اب بھی بڑے آدمی بن سکتے ہو۔سر پیٹر نے تمہارے متعلق صحیح کہا تھا کہ تم بہت ذہین ہو۔تم امتحان دے سکتے ہو۔پڑھ سکتے ہو جتنا چاہو ڈاکٹر، سائنس دان جو کچھ بننا چاہو۔اس پر جتنا بھی خرچ ہوگا ہم دیں گے لیکن اس کے لیے تمہیں مذہب

بدلنا ہوگا۔اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرنا ہوگی۔"

"عیسائیت۔۔۔" اسے کرنٹ سا لگا۔وہ یکدم ایک قدم پیچھے ہٹ گیا عبدالرب نے سچ کہا تھا' یہ لوگ مسلمانوں کو عیسائی بنا رہے ہیں۔زبردستی پیسے اور علاج کا لالچ دے کر۔چند لمحے اس کی آنکھوں میں جو چمک آئی تھی معدوم ہوگئی۔

"نہیں۔" اس نے کہا۔اور پھر اپنی جگہ پر واپس جا کر بیٹھ گیا۔

"کیوں نہیں؟" اس آدمی کے ہونٹوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔وہ تھری پیس سوٹ میں بہت شاندار لگ رہا تھا۔

"عیسائیت اور اسلام ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں تمہاری مقدس کتاب کا نام قرآن ہے اور ہماری مقدس کتاب انجیل ہے۔دونوں کتابیں آسمانی ہیں۔"

"ہاں یہ تو مجھے پتا ہے کہ انجیل بھی آسمانی کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام پر اتری تھی۔"

"تم حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے متعلق کیا جانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"یہی کے وہ اللہ کے نبی ہیں۔"

"پھر اللہ کے نبی کی تعلیمات غلط تو نہیں ہو سکتیں نا۔بس تھوڑا سا فرق ہے' پھر تم سوچو' اس سے تم اپنی خواہش پوری کر سکو گے۔" وہ متذبذب سا بیٹھا رہا۔

"اگر کوئی فرق نہیں ہے تو ہم مسلمان اور یہ عیسائی کیوں کہلاتے ہیں۔ہم مسجد میں عبادت کرتے ہیں اور یہ چرچ جاتے ہیں۔" انہوں نے سوچا۔

"میں جیمز رابرٹ ہوں۔" اسے خاموش دیکھ کر اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"تم سوچنا اس پر۔پھر کسی روز یہاں سے گزرا تو تم سے پوچھوں گا۔تم مجھے اپنے بیٹے کی طرح لگے ہو۔وہ بھی تمہارے جیسا ہے' ایسے ہی سنہری بال ہیں اس کے اور وہ بھی تمہاری طرح پڑھ کر بڑا آدمی بننا چاہتا ہے۔"

وہ چلے گئے' لیکن وہ بیٹھا رہا۔ خالی ذہن سا' یہاں تک کہ سورج بالکل اس کے سر پر آ گیا تو وہ اٹھا۔ مولوی عبدالحق ناشتہ کر کے دکان پر جا چکے تھے' وہ ٹھنڈی چائے ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتار کر چپ چاپ چارپائی پر لیٹ گیا۔ آج اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ اس کے ساتھ باہر گیا تھا۔ حالانکہ کتنی ہی بار اپنی توتلی زبان میں اس نے باہر جانے کو کہا تھا۔ رات کو کھانے کے بعد حسب معمول مولوی عبدالحق نے اسے آواز دی۔

''آؤ آ کر قرآن کا سبق دہرالو۔'' لیکن وہ یونہی کسل مندی سے لیٹا رہا تو وہ اٹھ کر اس کی چارپائی کے پاس آئے۔

''شاباش بچے اٹھو۔ قرآن پاک حفظ کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا اس حفظ کو سنبھالنا' جب تک ہر روز اس کو دہراؤ گے نہیں۔ زبان رواں نہیں ہو گی۔ جلدی بھول جاؤ گے۔''

وہ وضو کر کے ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ سبق دہرانے کے بعد اس نے پوچھا۔

''ابا جان! ہم انجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں پھر ہم عیسائیت کو غلط کیوں سمجھتے ہیں؟''

''سعید۔۔۔'' اماں نے اسے ٹوکا۔

''الٹے سیدھے سوال مت کیا کرو۔''

''نہیں ہاجرہ! اسے سوال کرنے دو۔ ایک عمر ہوتی ہے ایسی' جب ذہن میں بہت سارے کیوں پیدا ہو جاتے ہیں اور اگر ان ''کیوں'' کا تسلی بخش جواب نہ ملے تو ذہین آدمی کے بھٹکنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں جب تک حالات سازگار نہیں ہوتے' اسے ڈھاکہ میں مفتی عبداللہ صاحب کے پاس ترجمہ اور تفسیر کی تعلیم کے لیے چھوڑ آؤں۔'' اور پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جانتے ہو جب کوئی نیا قانون بنتا ہے تو پرانا کالعدم ہو جاتا ہے۔''

''جی۔۔۔''

''تو بیٹا! قرآن بھی آخری کتاب ہے۔اس سے پہلے کی جتنی کتابیں تھیں وہ پرانے قانون کی طرح ہو گئیں۔ہمیں نئے قانون کو ماننا ہے اور ہمارے نبی کریمؐ آخری نبی ہیں اور سارے نبیوں کے سردار۔اسلام سب سے پسندیدہ دین ہے۔ہم یہ مانتے ہیں کہ انجیل اور دوسری کتابیں اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل کیں' لیکن ہم آخری کتاب اور آخری قانون پر ایمان رکھتے ہیں۔''

اسے مولوی عبدالحق کی بات تو سمجھ میں آ گئی تھی لیکن ذہن پھر بھی الجھا ہوا تھا۔رات دیر تک اسے نیند نہیں آئی۔وقارالنساء نے اسے کروٹیں بدلتے دیکھ کر اسے پوچھا بھی تھا۔

''کیا بات ہے' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔۔۔''اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن کانوں میں سر جیمز رابرٹ کے لفظ گونج رہے تھے۔

''تم پڑھ سکتے ہو' بڑے آدمی بن سکتے ہو؟'' جانے کب وہ سویا۔

صبح حسب معمول مسجد سے سیدھا اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔آج وہ پانی میں کنکر پھینکنے کے بجائے سامنے پگڈنڈی کی طرف دیکھ رہا تھا۔بار بار بے چینی سے آخر کچھ دیر بعد اسے سر جیمز پگڈنڈی پر نظر آئے۔وہ اس کی طرف آنے کی بجائے گرجا گھر کی طرف جا رہے تھے۔وہ تقریباً دوڑتا ہوا ان تک پہنچا۔

''گڈ مارننگ سر!''

''گڈ مارننگ!''وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

''کیسے ہو؟''

''فائن سر!''

''پھر کچھ سوچا؟''

انہوں نے پوچھا تو وہ سٹپٹا گیا۔

''نہیں سر! وہ تو میرے ابا جان کہتے ہیں کہ اسلام اور عیسائیت میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ۔۔۔''

''دیکھو' کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ تم نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہے تو پھر مذہب کی قربانی تو دینی ہوگی۔''

وہ خاموش کھڑا پاؤں کے ناخن سے زمین کریدتا رہا۔ انہوں نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

''تم یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ابھی دس منٹ میں واپس آرہا ہوں۔ پھر میرے ساتھ میرے گھر چلنا' تمہیں جان سے ملواؤں گا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا' جان میرا بیٹا ہے۔ تم اس سے مل کر خوش ہوگے۔'' وہ کچھ دیر متذبذب سا کھڑا رہا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''او کے۔''

سر جیمز چلے گئے تو اس نے مڑ کر زمین پر پڑی اپنی چپل پہنی اور پھر پگڈنڈی کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ہی سر جیمز آگئے اور ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس خوبصورت سفید گھر میں داخل ہوگیا جسے اس نے باہر سے دیکھا تھا۔

ڈرائنگ روم میں ایک لیڈی اور ایک بچہ کیرم کھیل رہے تھے۔ بچہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دوڑ کر سر جیمز سے لپٹ گیا۔

''یہ جان رابرٹ ہے۔ میرا بیٹا۔'' لڑکے کی قدرے براؤن آنکھوں تھیں۔ اس کے سنہری بال بہت گلابی تھے اور اس نے بلیو نیکر اور ریڈ شرٹ پہن رکھی تھی۔ اسے وہ بہت خوبصورت لگا۔

''اور یہ۔۔۔'' سر جیمز خاموش ہوگئے۔

''مائی نیم از محمد سعید۔''

جان جو اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھا اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ”گلیڈ ٹو میٹ یو۔“

”می ٹو۔“

”یہ لڑکا۔“ لیڈی جیمز رابرٹ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”ادھر کا تو نہیں لگتا پھر یہ انگریزی بھی بول رہا ہے۔“

”یہ کلکتہ سے آیا ہے۔“

سر جیمز نے بتایا اور ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ لیڈی جیمز کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور چہرے پر نرم سا تاثر بکھر گیا۔ انہوں نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے اس کا رخسار چھوا۔

”بہت پیارا بچہ ہے۔“

”ہاں۔۔۔“ سر جیمز بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

”تم چاہو تو جان کے ساتھ اس کے روم میں جا سکتے ہو۔“

وہ کچھ جھجکتے ہوئے جان کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا رنگ بے حد گورا تھا۔ بال سنہری اور آنکھیں بھوری سی تھی۔ مولوی عبدالحق کا تعلق کشمیر سے تھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ اپنے والد کے ساتھ تبلیغ کے لیے بنگال آئے تھے اور یہاں ہی رہائش اختیار کر لی تھی اور یہاں ہی ایک بنگالی خاندان میں شادی کی تھی۔

سعد' وقار النساء اور نجم النساء نے رنگت مولوی عبدالحق کی لی تھی جبکہ دو بیٹے سانولے تھے ماں کی طرح' سب سے چھوٹا بیٹا تو سارے کا سارا مولوی عبدالحق پر تھا ویسی ہی سیاہ آنکھیں' گلابی رنگ۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ لیڈی جیمز اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔

جان کا کمرہ' اس کے کھلونے اور کتابیں دیکھ کر وہ حیران ہوتا رہا۔ جان کے ساتھ گفتگو میں اسے زیادہ مشکل پیش نہیں آتی تھی۔

کلکتہ میں ان کے انگریزی کے استاد مسٹر گوپال بہت سخت تھے‘ان کا آرڈر تھا کہ انگریزی کے پریڈ میں کوئی بچہ اردو یا ہندی میں بات نہیں کرے گا۔اس کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ وہ جان کی بات سمجھ بھی رہا تھا اور اپنی بات اسے سمجھا بھی سکتا تھا۔جان شملہ میں پڑھتا تھا لیکن طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ ان دنوں یہاں آیا ہوا تھا۔اسے جان کے ساتھ کھیلنا اور باتیں کرنا اچھا لگا تھا۔خوبصورت پیالیوں میں اس نے ابلے ہوئے انڈوں اور مزے دار کیک کے ساتھ چائے پی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا یادگار دن تھا۔

”تم جب چاہو جان کے ساتھ کھیلنے آ سکتے ہو۔ابھی یہ دس پندرہ دن یہاں ہی رہے گا۔“ جب وہ جا رہا تھا تو سر جیمز نے کہا تھا۔

”لیکن میں عیسائی نہیں بنوں گا۔“ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تو سر جیمز ہنس دیئے۔

”ٹھیک ہے‘لیکن تم جان کے دوست تو بن سکتے ہو یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔“

”ہاں۔۔۔“ اس نے سر ہلا دیا۔

”میں جان سے کھیلنے آؤں گا لیکن اسے کیا ہوا ہے؟“

”اسے بخار ہے سر جیمز نے بتایا؟“ اس نے تشویش سے جان کی طرف دیکھا۔کہ دیکھنے میں وہ بیمار نہیں لگتا تھا۔

”نہیں‘میں نے اسے ڈھاکہ میں بڑے ڈاکٹر کو دکھایا تھا اس نے کہا کہ بخار اپنی معیاد پوری کر کے ہی اترے گا۔“

”اسے معیادی بخار ہے؟“ وہ اس وقت بڑا مدبر لگ رہا تھا۔

”ایک بار میرے بھائی کو بھی ہو گیا تھا‘پورے اکیس دن بعد اترا تھا۔“

”ہاں‘ڈاکٹر نے ٹائیفائیڈ ہی تشخیص کیا ہے۔“

سر جیمز اس کی باتوں کا جواب سنجیدگی سے دے رہے تھے۔ پھر وہ اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا اور وعدے کے مطابق ناشتہ کر کے جان کے پاس آ گیا تھا۔ آج جان صرف لیٹا رہا تھا، لیکن اس کا آج کا یہ دن بھی بہت اچھا گزرا۔ لیڈی جیمز نے اسے دودھ میں ڈال کر گرم چاکلیٹ اور فروٹ کھانے کو دیا۔

پھر جتنے دن جان سانتا ہار میں رہا وہ سر جیمز کے بنگلے پر جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا بخار اتر گیا اور وہ شملہ چلا گیا۔ اس نے سعید کو بتایا تھا کہ وہ جلدی انگلینڈ چلا جائے گا اور باقی کی تعلیم وہاں ہی حاصل کرے گا اور ایک بڑا سیاست دان بنے گا۔

اس روز بہت اداس رہا اور سر جیمز کے گھر جانے کی بجائے ادھر ادھر کھیتوں میں گھومتا رہا۔ جان شملہ واپس جا چکا تھا' لیڈی جیمز اسے ساتھ چھوڑنے گئی تھیں لیڈی جیمز اسے اچھی لگنے لگی تھیں وہ اسے بہت اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیتی تھیں جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں کھائی تھیں انہوں نے اس سے کہا تھا۔

''بے شک جان چلا گیا ہے۔ لیکن تم کبھی کبھی آ جایا کرو۔ مجھے اچھا لگے گا۔''

لیکن آج کل تو وہ جان کے ساتھ گئی ہوئی تھیں۔ وہ کچھ دیر عبدالرب کے پاس بیٹھا تھا اور دونوں چپکے چپکے کچھ دیر کاجل کی باتیں کرتے رہے لیکن پھر وہ بیزار ہو گیا اور گھر آ کر اپنا بستہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ان کتابوں میں کچھ نیا نہ تھا۔ اسے سب ازبر تھا' رات جب وہ مولوی عبدالحق کو قرآن کا سبق سنا چکا تو بڑی آہستگی سے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''اگر میں عیسائی بن جاؤں تو میں پڑھ سکتا ہوں۔ یہ عیسائی بننے والے کو بہت پیسے دیتے ہیں اور جتنا وہ پڑھنا چاہیں پڑھاتے ہیں۔''

مولوی عبدالحق کا چہرہ یکدم سرخ ہو گیا اور انہوں نے ایک زوردار تھپڑ اس کے رخسار پر مارا۔ وہ گال پر ہاتھ رکھے حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے انہوں نے اسے انگلی تک نہیں لگائی تھی بلکہ بعض اوقات تو وہ اپنے سوالوں سے انہیں

زچ کر دیتا تھا لیکن وہ بڑے سکون سے اس کے سوالوں کے جواب دیتے رہتے یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو جاتا۔

''کیا تو گرجا جانے لگا ہے؟'' وہ غصے سے گھور رہے تھے۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر کون سکھاتا ہے تمہیں یہ؟ کہاں رہتے ہو سارا دن؟''

وہ سر جیمز کا نام لیتے لیتے رہ گیا اور اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ سر جیمز اور ان کی فیملی سے بہت متاثر ہو چکا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ مولوی عبدالحق ان سے جا کر جھگڑا کریں کہ وہ اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتے ہیں۔

''میں سچ مچ عیسائی تھوڑا ہی بنوں گا۔ بس جھوٹ موٹ عیسائی مذہب اختیار کر لوں گا۔ اندر سے تو مسلمان ہی رہوں گا' وہ تو صرف اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایسا کروں گا۔'' اپنے تئیں اس نے مولوی عبدالحق کو نرم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ تو اور بھڑک اٹھے تھے۔

''میں نے تجھے جھوٹ اور منافقت کی تعلیم کب دی تھی؟ نامنجار ابول کس نے تجھے یہ جھوٹ کا سبق پڑھایا۔'' انہوں نے ایک اور تھپڑ جڑ دیا۔

''کسی نے نہیں۔'' اب اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''لیکن میں پڑھنا چاہتا ہوں بہت زیادہ۔۔۔''

''اگر تیرے نصیب میں اللہ نے علم حاصل کرنا لکھا ہے تو کوئی نہ کوئی وسیلہ پیدا ہو جائے گا لیکن اگر نہیں تو عیسائی بن کر بھی کچھ نہیں پائے گا۔ مرتد ہو جائے گا۔ دین اسلام سے پھر جانے والے مرتد ہوتے ہیں اور مرتد کی سزا موت ہے آئندہ ایسی بکواس کی تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا اور خبردار جو اب گھر سے باہر نکلا۔ سدید بابو صحیح کہتے ہیں کہ یہ گرجے والے علاج کے پردے میں عیسائی بنا رہے ہیں سب کو اور اسکول کے بہانے۔۔۔''

''نہیں' وہ سب اچھے ہیں میں خود۔۔۔''

''کیا؟'' مولوی عبدالحق آپے سے باہر ہو گئے۔

''تو ان کے پاس جاتا ہے' ملتا ہے ان سے۔۔۔''

اب وہ اسے پیٹ رہے تھے لاتیں مکے گھونسے۔۔۔

''بس کریں۔ بس کریں مولوی جی! کیا لڑکے کو مار ڈالیں گے۔''

چھوٹے کو گود سے اتارتے ہوئے ہاجرہ بیگم نے انہیں روکا تو انہوں نے آخری تھپڑ لگاتے ہوئے بیگم ہاجرہ کی طرف دیکھا۔

''اب اگر یہ گھر سے باہر نکلا تو ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گا' سن لیا تم سب نے۔'' انہوں نے باری باری ہاجرہ' وقارالنساء اور نجم النساء کی طرف دیکھا جو محبت کرنے والے باپ کو پہلی بار غصے میں دیکھ کر سہم گئی تھیں۔

''اسی لیے میں کہہ رہا تھا ہاجرہ بی بی! کہ اسے ڈھاکہ مفتی صاحب کے مدرسے میں چھوڑ آؤں۔ خالی خولی قرآن کے لفظ رٹ لینے سے تو قرآن کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ رٹا لگا کر بس اور پتا ہی نہ چلے کہ اللہ نے اور قرآن نے کیا احکام دیئے ہیں۔ کیا کہا ہے لیکن تجھے ہی اس کی جدائی گوارا نہ تھی۔

وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی چارپائی پر لیٹ گئے تو وقارالنساء نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔ اس کا پورا جسم دکھ رہا تھا لیکن اس کے لبوں سے آہ تک نہ نکلی تھی۔

''تجھے درد ہو رہا ہے سعید! دودھ پڑا ہے تھوڑا سا' اس میں ہلدی ڈال کر گرم کر کے لا دوں؟'' وقارالنساء نے پوچھا۔

لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

پھر اگلے کئی دن تک وہ گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ مولوی عبدالحق کو قریب ہی ایک جگہ مدرسے میں عربی اور حساب پڑھانے کی نوکری مل گئی تھی وہ صبح سے نکلے' شام کو گھر آتے اور پھر دکان کھول کر بیٹھ جاتے۔ انہیں ڈھاکہ جانے کا وقت ہی نہیں مل رہا تھا۔ بڑے دنوں بعد وہ گھر سے نکل کر پلیا پر آ بیٹھا۔ وقار النساء نے اسے باہر جاتے دیکھا تھا لیکن منع نہیں کیا تھا۔ اتنے دنوں سے وہ بالکل چپ تھا اور کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ وقار النساء کا دل اس کے لیے گداز ہو رہا تھا۔

''جلدی آ جانا ابا جان کے آنے سے پہلے۔'' اس نے دروازے کے پاس جا کر اسے تاکید کی تھی لیکن وہ کوئی جواب دیئے بنا یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا اور کنکر اٹھا اٹھا کر نالے میں پھینک رہا تھا جب اس نے سر جیمز کو دیکھا۔

وہ سر جھکائے پگڈنڈی پر چل رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا لیکن سر جیمز نے اس کی طرف دیکھا نہیں۔ وہ سر جھکائے گرجے کی طرف جا رہے تھے۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا۔

''گڈ مارننگ!''

''گڈ مارننگ!'' وہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

''تم اتنے دنوں سے کہاں تھے؟ جان تمہیں یاد کر رہا تھا۔''

''جان۔۔۔''

''مگر وہ تو شملہ چلا گیا تھا پڑھنے۔۔۔؟''

''وہ واپس آ گیا ہے۔ اسے وہاں جانے کے چند دن بعد پھر بخار ہو گیا تھا۔'' سر جیمز اسے پریشان سے لگے۔

''کیا وہ زیادہ بیمار ہو گیا ہے؟''

''ہاں شاید۔ ہم کل کلکتہ جا رہے ہیں۔ میں اسے ڈاکٹر رندھاوا کو دکھاؤں گا۔''

''پھر کب واپس آئیں گے؟''

''شاید ہم واپس نہیں آئیں گے۔جان ٹھیک ہو گیا تو ہم وہاں سے ہی انگلینڈ چلے جائیں گے۔برصغیر کے حالات بدل رہے ہیں۔چند ماہ تک برصغیر کا اعلان ہو جائے شاید۔''

اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

''تم جان سے ملنا چاہتے ہو تو مل آؤ۔وہ تم سے مل کر خوش ہو گا۔میں بھی جارج پادری کے حوالے کر کے گھر آ رہا ہوں۔''

''سر! اگر میں عیسائی بننا چاہتا ہوں تو۔۔۔؟'' وہ ٹھٹک کر حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''تم گرجے میں آ جاؤ۔میں تمہیں پادری صاحب سے ملوا دیتا ہوں۔وہ تمہاری پڑھائی کا انتظام بھی کر دیں گے۔میں انہیں سمجھا دوں گا سب۔''

''لیکن عیسائی بننے کے بعد پھر میں گھر میں تو نہیں رہ سکتا۔ابا جان نے اس روز بھی مجھے بہت مارا ہے۔'' وہ انہیں ساری تفصیل بتانے لگا۔

''ٹھیک ہے میں گھر آ کر بات کرتا ہوں۔تم جاؤ جان تمہیں دیکھ کر خوش ہو گا۔''

جان اسے دیکھ کر واقعی خوش ہو گیا اگرچہ وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور ہو گیا تھا اور اس کی رنگت اتنی سرخ نہیں رہی تھی۔وہ جان کی کتابیں دیکھ رہا تھا۔جب سر جیمز واپس آ گئے اور تھکے تھکے سے کرسی پر گر گئے۔وہ پرسوچ انداز میں اسے جان کے ساتھ باتیں کرتے اور کھیلتے دیکھتے رہے۔کچھ دیر بعد جان تھک کر لیٹ گیا تو وہ اس کا سر دبانے لگا۔

''میں نے پادری صاحب سے بات کی ہے کہ وہ تمہیں گرجا میں رکھ لیں لیکن وہ کہتے ہیں۔تم ابھی نابالغ ہو اور تمہارے والدین تو تمہیں زبردستی وہاں سے

لے جاسکتے ہیں۔ہاں اگر تم بالغ ہوتے تو۔۔۔"
اس کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔
"تم سر دباؤ نا مجھے آرام مل رہا ہے۔تم بہت اچھے ہو" جان نے کہا۔
تو سر جیمز بات ادھوری چھوڑ کر میز پر رکھے کاغذات دیکھنے لگے تھے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"جان اس سے بہت محبت کرنے لگا ہے۔" انہوں نے سوچا۔
"ہاں ایک صورت ہے اگر تم میرے ساتھ کلکتہ چلے جاؤ تو وہاں میں تمہیں مشنری اسکول میں داخل کروا دوں گا۔وہاں تم ہمارے ساتھ رہنا جب تک ہم ہندوستان میں رہے۔جانے سے پہلے میں تمہارا سارا انتظام کردوں گا۔"
"سچ ڈیڈ!" جان نے اٹھ کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔

"ڈیڈ! ساعید (سعید) بہت اچھا ہے۔میرا سب سے اچھا دوست ہے۔"
"تمہیں سب کو چھوڑنا ہوگا۔ماں باپ بہن بھائی شاید پھر تم کبھی ان سے نہ مل سکو۔لیکن میں نے تمہیں بتایا تھا کہ کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ایک دن جب تم بڑے آدمی بن جاؤں گے۔بہت زیادہ پڑھ لکھ کر تو پھر تم اپنے ماں باپ سے ملنے آنا وہ خوش ہوں گے تمہاری کامیابی پر۔" اس نے سر ہلا دیا۔
"تم اچھی طرح سوچ لینا اور اگر جانا چاہو تو صبح سویرے آجانا۔ہم ناشتے کے بعد یہاں سے چلیں گے لیکن کسی کو بتانا مت ورنہ تمہیں کوئی آنے نہیں دے گا۔"

اب بھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔رات وہ بہت بے چین رہا تھا اسے بہت رونا آرہا تھا۔بار بار اس نے سوچا کہ وہ نہ جائے۔آخر اتنے بہت سارے لوگ تعلیم حاصل نہیں کرتے۔انہیں بھی پڑھنے کا شوق ہوتا ہے لیکن وہ اپنا مذہب نہیں چھوڑتے۔وقارالنساء نے اسے کروٹیں بدلتے دیکھا تو اپنی چارپائی سے اٹھ کر اس

کے قریب آ کر آہستہ سے آواز دی۔

''سعید! کیا تمہیں کہیں درد ہو رہا ہے۔ دبا دوں؟''

لیکن وہ یونہی کروٹ بدلے آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ اسے لگا تھا اگر اس نے مڑ کر وقار النساء کو دیکھا تو رو پڑے گا۔ وقار النساء کچھ دیر اندھیرے میں اس کی چارپائی کے پاس کھڑی رہی پھر واپس اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ گئی۔

اس کی بند آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکل کر اس کے رخساروں کو بھگونے لگے۔ وہ اپنے سب بہن بھائیوں سے بہت محبت کرتا تھا پھر بھی یہ کیسی خواہش تھی جو ہر جذبے پر حاوی ہو رہی تھی۔ پھر جانے کب وہ روتے روتے سو گیا۔ صبح مولوی عبدالحق نے اسے جگایا۔ تو اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

مولوی عبدالحق نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا جو تپ رہی تھی۔

''اوہ تمہیں تو بخار لگتا ہے' ٹھیک ہے گھر میں ہی نماز پڑھ لینا' میں واپسی پر تمہارے لیے حکیم صاحب سے دوا لیتا آؤں گا۔''

ان کے لہجے میں ہمیشہ جیسی شفقت، اور پیار تھا۔ اس کا جی چاہا وہ اٹھ کر باپ سے لپٹ جائے اور خوب اچھی طرح سے۔ گلے ملے لیکن اس نے آنکھیں بند کر لیں مولوی عبدالحق آہستہ سے دروازے کی کنڈی کھول کر باہر نکل گئے کچھ دیر بعد ہاجرہ اٹھیں اور باہر اینٹوں پر رکھے ڈرم کے پاس بیٹھ کر انہوں نے وضو کیا۔ وہ آنکھیں بند کیے ان کے چلنے کی آہٹ محسوس کر رہا تھا۔ پھر وہ کمرے میں آئیں۔ ساڑھی کے پلو سے منہ ہاتھ پونچھا اور دری کی جائے نماز اٹھا کر چھوٹے کمرے میں چلی گئیں۔ اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر خاموش طبع ماں کو دیکھا جو بہت کم بولتی تھیں بس خاموشی سے کام کرتی رہتی تھیں۔ آج تک انہوں نے کسی بچے کو نہ ڈانٹا تھا۔ ان کے جانے

کے بعد وہ اٹھا؟

ملگجے اندھیرے میں اس نے سوئے ہوئے بہن بھائی کو دیکھا۔ سب سے چھوٹے بھائی کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے کیا اور جھک کر اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ تھوڑا سا کسمسایا تو وہ گھبرا کر باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈرم کی ٹونٹی کھولے وضو کر رہا تھا۔ پھر وہیں باہر ہی اس نے چٹائی پر نماز پڑھی۔ شاید آخری بار اس کا دل بھر آیا۔ ہاجرہ نے نماز پڑھ لی تھی اور اندر سے اس کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ ایک لحہ صحن میں کھڑا رہا' دل چاہا ایک بار سب کو دیکھ لے اماں کو' بہنوں کو اور بھائیوں کو۔ لیکن ابھی سب جاگ جائیں گے اور پھر۔ وہ تیزی سے طاق کی طرف بڑھا۔ جہاں رات ہی اس نے اپنا بستہ رکھا تھا۔ اس میں اس کی کتابوں کے علاوہ ایک سیپی جو کاجل نے اسے دی تھی۔ اور ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کو پگھلا کر ایک بار اس نے اور عبدالرب نے ایک زنجیر بنائی تھی وہ تھی اور ایک جوڑا کپڑوں کا تھا اور ایک چھوٹا سا بٹوا جس میں اس نے مختلف اخباروں سے تصویریں کاٹ کاٹ کر جمع کی ہوئی تھیں۔ اس نے بستہ اٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

''ڈیڈ! آپ یہاں اچانک کیسے آ گئے؟''

ہنری نے اپنا ایک بازو ان کی کمر کے گرد حمائل کر کے اپنا رخسار ان کے رخسار سے مس کیا۔ وہ بہت حیران اور خوش نظر آ رہا تھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ فرینک کے روم کی طرف جا رہا تھا جب بوب نے اسے بتایا تھا۔

''ہنری تمہارے ڈیڈ آئے ہیں۔''

''نہیں تم مذاق کر رہے ہو؟'' اسے یقین نہیں آیا۔

''ابھی فرائیڈے کو تو میری بات ہوئی ہے ان سے۔ انہوں نے ایسا کوئی

ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔"

"ریلی ہنری! یہ مذاق نہیں ہے۔ میں ابھی وزیٹر روم میں ان سے مل کر آیا ہوں۔" تب وہ تقریباً بھاگتا ہوا وزیٹر روم میں آیا تھا۔

"آپ کیسے آ گئے اچانک؟ آپ نے بتایا تک نہیں۔"

"میں تمہیں بہت مس کر رہا تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"تم کرسمس پر بھی نہیں آئے۔ کیا تم اتنے بوڑھے باپ کو بھول ہو گئے ہو؟"

"اونو ڈیڈ!" اس نے سر جھکا لیا۔

اس کی انتیس سالہ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ کرسمس پر لانگ ایٹن نہیں گیا تھا۔ ورنہ وہ جہاں کہیں بھی ہوتا' کرسمس کا دن ان کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ وہ بے حد اداس تھا اور اپنی وجہ سے ان کو بھی اداس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کرسمس کا سارا دن اس نے اپنے کمرے میں لیٹ کر سگریٹ پیتے یا سوتے ہوئے گزارا تھا۔

"حالانکہ میں نے تم سے کہا تھا' اس کرسمس پر سب دوستوں کو اپنے ہاں انوائیٹ کرلو۔ میں سب کے ٹکٹ بھجوا دوں گا۔"

"آپ کو سکون کی ضرورت تھی ڈیڈ! اور اتنی گرینڈ پارٹی گھر پر ہونے سے آپ کی طبیعت خراب بھی ہو سکتی تھی اور پھر جس کے لیے آپ نے پارٹی ارینج کرنے کا کہا تھا' وہ تو کرسمس سے دو دن پہلے ہی اپنے بھائی کے ساتھ چلی گئی۔"

وہ بہت اداس اور دل شکستہ لگ رہا تھا۔ جان رابرٹ نے بغور اسے دیکھا۔

"کیا تم نے اس سے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو تم کہنا چاہتے تھے؟"

"نو۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ سوزن نے مجھے بتایا ہے کہ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ اپنے کزن سے جو امریکہ میں ہے۔ لیکن وہ ابھی اپنے کزن کے ساتھ گئی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں نکاح ہوتا ہے نا' وہ ہو گیا ہے۔"

اس کی آنکھوں کی اداسی گہری ہوگئی۔انہوں نے محسوس کیا کہ وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''ڈیڈ! اکثر مسلمانوں کے ہاں بھی تو شادیاں ختم ہو جاتی ہیں۔تو کیا نکاح نہیں ٹوٹ سکتا۔'' اس نے کسی امید کا سر تھامنا چاہا لیکن پھر اس کی آنکھوں میں مایوسی چھا گئی۔

''لیکن سوزن کہتی ہے یہ ناممکن ہے، یہ ممکن ہے مجھے اس سے بات نہیں کرنی چاہیے۔وہ میرے لیے، ایک غیر مذہب کے لڑکے کے لیے جس کے ساتھ اس کی کوئی کمٹمنٹ نہیں ہے۔ایسا ہرگز نہیں کرے گی اور خوامخواہ مجھے شرمندگی ہوگی۔''

''ہاں، سوزن صحیح کہتی ہے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''لیکن میرا دل ڈیڈ! اس کی خواہش سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہو رہا۔وہ کسی بھی طرح اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہیں کسی بھی خواہش کو خود پر حاوی نہیں کرنا چاہیے۔اس طرح آدمی اپنا بہت نقصان کر بیٹھتا ہے ہنری اور میں جانتا ہوں تم ایک مضبوط لڑکے ہو، اور تم ایسا کر سکتے ہو۔''

''پتا نہیں میں ایسا کر سکتا ہوں یا نہیں۔'' ہنری افسردہ سا تھا۔

''لیکن میں کوشش کر رہا ہوں کہ اسے دل سے نکال دوں لیکن وہ تو میری کوشش کیے بغیر ہی خود بخود میری سوچوں میں آ جاتی ہے ایسے میں، میں بے بس ہو جاتا ہوں۔حالانکہ اس روز کے بعد سے میں اس سے بچ رہا ہوں۔ہر اس جگہ جہاں اس کے ہونے کا امکان ہوتا ہے۔میں وہاں جانے سے گریز کرتا ہوں۔''

''وقت کے ساتھ ساتھ تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے ہنری مجھے امید ہے اور ہاں۔۔۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"تم نے اس بار کرسمس کا گفٹ تو لیا ہی نہیں۔ کیا چاہیے؟"

"کچھ بھی۔ ویسے میں ایک نئی گاڑی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"اور اگر گاڑی کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ بھی ہو جائے تو کیسا رہے مائی سن؟" وہ بدستور مسکرا رہے تھے۔

"میں نے تمہارے لیے ایک فرنشڈ اپارٹمنٹ خریدا ہے۔ یہ اپارٹمنٹ مع گاڑی کے تمہارا کرسمس گفٹ ہے۔"

"یو آر گریٹ ڈیڈ! میں خود ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ یہاں میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے آپ ہمیشہ میرے دل کی بات مان جاتے ہیں تھینکس۔"

"ویلکم مائی سن! ڈیوڈ نے کہا ہے وہ یہاں ولسن کو بھیج دے گا۔ اپارٹمنٹ کی دیکھ بھال کرنے کے لیے اور اگر ضرورت محسوس کرو تو مسز جانسن بھی۔"

"نو ڈیڈ! ولسن کافی ہے۔ ہاں ڈیوڈ آپ کی شکایت کر رہا تھا کہ آپ اپنا خیال نہیں رکھتے بالکل۔ ساری ساری رات جاگتے ہیں۔ ڈائیٹ بھی صحیح نہیں ہے آپ کی۔"

"پاگل ہے وہ۔"

"نہیں ڈیڈ! وہ پاگل نہیں ہے بہت مخلص ہے۔ آپ سے، مجھ سے۔ اسے آپ کی بہت فکر ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کی روٹین بہت بدل گئی ہے اور آپ۔"

"میری جان! عمر کا تقاضا ہے۔" وہ ہنسے۔

"اور تم اپنے اپارٹمنٹ میں کب منتقل ہو رہے ہو کیا ابھی سے؟"

"آج شام کو ہی ہو جاؤں گا لیکن ڈیڈ! یہ کیا بہت مہنگا گفٹ نہیں ہے۔"

"کیا آپ کے کزن وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ میں نے کبھی عزیز رشتے دار کو نہیں دیکھا۔"

''نہیں۔''

''گرینڈ پا اور گرینڈ ما کے بھی کوئی رشتہ دار نہیں تھے؟''

''شاید ہوں لیکن میں کسی کو نہیں جانتا نہ کبھی کوئی مجھ سے ملنے آیا۔'' انہوں نے ایک نظر ہنری پر ڈالی اور کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''اگر تم اجازت دو تو میں کچھ دن یہاں تمہارے اپارٹمنٹ میں رہ لوں ایکچوئلی میں وہاں بہت تنہائی محسوس کر رہا ہوں اور کچھ دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔''

''ڈیڈ! آپ کچھ دن نہیں بہت سارے دن یہاں رہیں میرے پاس۔ مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔ان دنوں میں جس کیفیت سے گزر رہا ہوں اس میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ مجھے خوف آتا ہے اپنے آپ سے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ پر رکھا اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے کندے تھپتھپائے۔

''بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا مائی سن! تم اس کے بغیر رہنا سیکھ جاؤ گے۔''

''کیا ہم اندر آسکتے ہیں ہنری۔۔۔؟''

''آؤ۔'' ہنری اٹھ کھڑا ہوا۔

فرینک کے پیچھے پیچھے راجر' سوزن' سیسل اور ڈورتھی بھی تھے' ان سب کو بوب نے ہنری کے ڈیڈی کے متعلق بتایا تھا اور وہ ان سے ملنے آئے تھے۔ڈاکٹر جان رابرٹ سب سے مل کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سیسل' ڈورتھی اور سوزن کے چہرے میں اسے تلاشا جس نے ان کے بیٹے کو اسیر کر رکھا تھا لیکن انہیں لگا جیسے وہ ان میں سے نہیں ہے۔ہنری جیسے جان گیا تھا کہ ان کی آنکھیں کسے تلاش رہی ہیں' اس لیے اس نے بوب سے پوچھا۔

''تم نے احمد اور ابو صالح کو ڈیڈ کا بتایا؟ انہیں بھی بہت اشتیاق تھا ڈیڈ سے ملنے کا۔''

''ہاں' وہ آرہے ہیں۔'' ہنری سب کا تعارف کروانے لگا تب ہی وہ بھی اجازت لے کر آ گئے تو ہنری نے ان کا بھی تعارف کروایا۔

''یہ ابو صالح ہے۔ فلسطین سے آیا ہے۔ حماس کا زبردست حامی ہے اور حماس کی کامیابی پر بہت خوش ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ اور یہ احمد ہے ایران سے تعلق ہے اس کا۔

''احمد! میرے ڈیڈ بھی فارسی جانتے ہیں۔''

''رئیلی۔'' احمد کو حیرت ہوئی۔

''ہاں' میں نے سعدی کی گلستان و بوستان پڑھی ہے۔''

''اور یہ عبدالمنان ہے۔ بنگلہ دیش کا باسی' اس کی وائف بھی اس کے ساتھ ہے۔ غالباً اس وقت کے لیے بھات اور مچھلی بنا رہی ہوگی۔''

''بنگلہ دیش میں کس جگہ سے تمہارا تعلق ہے؟'' انہوں نے عبدالمنان کے سانولے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

''میری پیدائش سانتاہار کی ہے لیکن آج کل ہم سلہٹ میں رہتے ہیں۔''

''سلہٹ میں جہاں شاہ جلال بابا کا مزار ہے؟'' کسی بھولی یاد نے دل کے دروازے پر دستک دی تھی۔

''آپ کو کیسے پتا؟'' عبدالمنان کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

''میں ایک بار بہت بچپن میں شاہ جلال بابا کے مزار پر گیا تھا۔''

''گرینڈ پا برصغیر کی تقسیم سے پہلے کچھ عرصہ بنگال میں رہے تھے۔'' ہنری نے اس کی حیرت دور کی۔ تب ڈیڈ بھی تھے ان دنوں چھوٹے سے۔''

''بنگال میں آپ کہاں رہے تھے' آپ کو یاد ہے؟'' عبدالمنان کی آنکھوں میں دلچسپی نظر آئی۔

''ہم 1946ء میں سانتاہار میں تھے۔'' دل کی دھڑکن یکدم تیز ہوگئی تھی۔

وہ بہت خوب صورت علاقہ تھا۔ مجھے سب یاد ہے' تب میری عمر بارہ تیرہ سال تھی اب کیسا ہے وہ؟ کیا اب بھی وہاں چاروں طرف دھان کے کھیت ہیں اور مشرق کی سمت چائے کے باغات۔'' عبدالمنان خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''تم نے اتنا خوب صورت علاقہ کیوں چھوڑا؟''

عبدالمنان کی دکھتی رگ پر ہاتھ آپڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب پھیل گیا۔

''میں تب چند ماہ کا ہی تھا جب میرے والد نے سانتاہار چھوڑا۔ انہوں نے بتایا تھا مجھے سانتاہار میں سوائے دو تین گھرانوں کے سب اردو دان تھے اور جب 23 مارچ 1947ء کے بعد ایک شب عوامی لیگ نے سانتاہار کے پورے شہر کو موت کی نیند سلا دیا۔ ایک گھرانا بھی نہیں بچا تھا سوائے تین بنگالی گھرانوں کے۔ سانتاہار ویران ہوا تو میرے والد نے سانتاہار چھوڑ دیا اور سلہٹ میں آباد ہو گئے۔

''اور ان گھرانوں میں سدید بابو کا گھرانہ بھی ہوگا۔'' ان کا دل چاہا وہ عبدالمنان سے پوچھیں۔ وہاں سانتاہار میں ایک مولوی عبدالحق بھی رہتے تھے۔ کیا وہ بھی مارے گئے۔ وہ تو بنگالی نہ تھے۔ وہ تو کشمیر سے آ کر وہاں آباد ہوئے تھے۔ کیا اس کے گھر کا بھی کوئی فرد نہیں بچا تھا۔ کیا پتا وہ لوگ وہاں سے کہیں اور چلے گئے ہوں پچیس برس کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا۔ لیکن پچیس برس پہلے تو مولوی عبدالحق کا گھرانہ وہاں ہی آباد تھا اور ان کے گھر کے بالکل ساتھ سدید بابو کا گھر تھا جو بنگالی تھے۔

''کیا کوئی ایک گھرانہ بھی نہیں بچا تھا۔۔۔؟'' ان کا دل جیسے ڈوبنے لگا تھا۔

''میرے ابا کہتے تھے' ایک بھی نہیں اور یہ صرف سانتاہار کی بات نہیں تھی جھم جھم پور' جمال پور' ستار پور' خالص پور' پاربتی پور' چاند پور' میمن سنگھ' کومیلا' ہر جگہ اردو بولنے والوں کی بستیاں جلا دی گئی تھیں۔'' عبدالمنان کی آنکھوں میں سرخی چھا گئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے انہوں نے ہنری سے کہا تھا ان کا کوئی نہیں ہے تو کیا وہ سچ تھا۔ کیا کوئی بھی نہیں رہا۔ اندر جیسے دل بین کرنے لگا۔

''نہیں کیا پتا وقار النساء نجم النساء کی شادیاں ہو گئیں ہوں کہیں دوسرے شہر میں۔۔۔عبدالرحمٰن' عبدالعزیز کہیں جا بسے ہوں اور چھوٹے عبدالعلی اور کیا پتا اس کے بعد کوئی اور بھی ہو۔'' انہوں نے روتے کرلاتے دل کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ برسوں بعد دل کے ٹانکے کھل گئے تھے۔لیکن یہ آج کی بات نہیں تھی۔یہ تو پچھلے چند ماہ سے ایسا ہی ہو رہا تھا۔سب بے تحاشا یاد آ رہے تھے۔ماضی دل پر چھ کے لگا رہا تھا۔پچھتاوے ناگ کی طرح دل سے لپٹے اسے ڈسے جا رہے تھے۔

ہنری سب کو اپارٹمنٹ اور گاڑی کے متعلق بتا رہا تھا۔وہ سب خوش ہو رہے تھے۔اسے مبارکباد دے رہے تھے۔اس پر رشک کر رہے تھے اور ان سے بالکل بے نیاز ڈاکٹر جان رابرٹ' عبدالمنان کو دیکھے جا رہے تھے۔اس سانولے موٹی موٹی آنکھوں والے لڑکے کو جو سانتا ہار کی ویرانی پر اداس ہو رہا تھا۔ان کا جی چاہ رہا تھا۔وہ اسے اپنے سینے سے کھینچ لیں اور شاید اس کے وجود میں اس کی مٹی کی خوشبو رچی ہو جہاں اس نے جنم لیا تھا اور جہاں کی زمین پر انہوں نے بھی پاؤں پاؤں چلنا سیکھا تھا۔

''اپارٹمنٹ کی خوشی میں ایک زبردست ٹریٹ ہونا چاہیے۔'' بوب نے رائے دی تو سب نے تائید کی۔

''یہ ٹریٹ تمہارے اپارٹمنٹ پر تم سے لی جائے گی۔'' سوزن نے کہا۔

''ڈیڈ! سنا آپ نے' یہ سب ٹریٹ مانگ رہے ہیں۔'' ہنری نے خوش دلی سے کہا تو انہوں نے بمشکل خود کو سنبھال کر ان سب کی طرف دیکھا۔

''کیوں نہیں' کل رات تم سب ہمارے ساتھ ڈنر کرو۔''

کل نہیں پرسوں۔'' احمد نے جواب دیا۔

''کل ہم شامل نہ ہو سکیں گے۔''

''کیوں۔۔۔؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کل ہمیں ایک جلوس نکالنا ہے ڈنمارک اور ناروے کے اخبار چلینڈر پوشن

کے خلاف۔" احمد نے وضاحت کی۔

"اوہ آئی سی تو پھر پرسوں سہی۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میرا خیال ہے' میں اب چلتا ہوں۔ صبح صبح آ کر میں نے سب کو ڈسٹرب کردیا۔"

"نہیں بالکل نہیں ۔ہم سب کو آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔" فرینک نے سب کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔

"اور سچ ہمیں ہنری پر بہت رشک آ رہا ہے کہ اس کے پاس اتنے اچھے ڈیڈی ہیں اور افسوس ہو رہا ہے اب تک آپ سے ملاقات کیوں نہیں کی۔" جان رابرٹ مسکرا دیئے۔

"ہنری! تم چلو گے میرے ساتھ۔ اپنا اپارٹمنٹ دیکھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔"

سب کو خدا حافظ کہہ کر وہ باہر آئے تو کوریڈور میں اسے عالیہ نظر آئی۔ اس کے ساتھ نور العین بھی تھی۔

"ہنری! تمہارے ڈیڈ آئے' مجھے ابھی پتہ چلا ہے۔ کیسے ہیں' وہ اب ٹھیک ہیں؟" عالیہ نے پوچھا۔

"یہ میرے ڈیڈ ہیں عالیہ اور ڈیڈ! یہ عالیہ اور نور العین ہیں۔" ان کی نظروں نے دونوں کا جائزہ لیا۔

اسکارف میں بالوں کو چھپائے یہ لڑکی انہیں بہت پیاری لگی ۔بے حد دلکش۔ سیاہ لمبی پلکوں والی دلکش آنکھیں؟

انہوں نے عالیہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد نور العین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہنری کی طرف دیکھا۔ مولوی عبدالحق اسی طرح وقار النساء اور نجم النساء کے سر پر ہاتھ رکھتے تھے۔ ہنری ان کی اس حرکت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور اگر ہنری

کا دل اس لڑکی کا اسیر ہوا تھا تو کچھ غلط تو نہ تھا۔ بڑا ملیح چہرہ تھا اور معصومیت کے رنگوں نے اس کی ملاحت میں اضافہ کر دیا تھا۔ ان کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔

''کاش!'' اندر بیٹھے پچھتاوے کے ناگ نے سر اٹھا کر ڈنگ مارا تو وہ تڑپ کر رہ گئے۔ انہیں اپنی طرف دیکھتے پا کر نور العین نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔ یکا یک ان کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ بائیں آنکھ کے کونے کے ساتھ ناک پر سیاہ تل اور یہ گھور اندھیاروں جیسی سیاہ آنکھیں۔ نجم النساء جیسے ان کی نگاہوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کیا کہیں اتنی مشابہت بھی ہو سکتی ہے؟ اللہ کی اس کائنات میں نہ جانے کہاں کہاں کس کس چہرے میں کس کس کی مشابہت ہوتی ہے۔''

''او کے گرلز۔'' انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

''تم سب آنا پارٹی میں۔''

''کیسی پارٹی؟'' عالیہ نے پوچھا تو ہنری تفصیل بتانے لگا۔ ان کی نگاہیں پھر بھٹک کر اس کے چہرے پر آ ٹھہریں۔ نور العین نے ہلکی سی ناگواری محسوس کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تو ان کی شفاف آنکھوں میں شفقت تھی محبت تھی اور نمی۔ یہ نگاہیں ہنری کی نگاہوں سے بالکل مختلف تھیں۔

''ڈیڈ! یہ تھی نور آن، کیسی لگی آپ کو؟''

''اگر اس لڑکی کا نکاح نہ ہو چکا ہوتا تو میں تم سے کہتا کہ اس کی خاطر بے شک مسلمان ہو جاؤ۔ اسلام ایک بہترین مذہب ہے۔'' بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

''اونو ڈیڈ۔۔۔!'' ہنری نے کس قدر حیرت سے انہیں دیکھا۔

وہ آج اسے کچھ بدلے بدلے اور مختلف لگ رہے تھے۔

"میرا مطلب ہے وہ بہت اچھی ہے لیکن افسوس۔"

ہنری کے دل کو بھی جیسے کوئی درد جھیلنے لگا وہ خاموشی سے مزید کچھ کہے بغیر ان کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ خود کچھ کھوئے ہوئے سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

عبدالمنان نے جن یادوں کے ٹانکے کھول دیئے تھے ان سے جیسے خون رسنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

محمد سعید، سر جیمز رابرٹ کے ساتھ کلکتہ آ گیا تھا۔ ڈاکٹر رندھاوا نے بتایا تھا کہ جان رابرٹ کی آنتوں میں زخم ہو گئے ہیں اس نے ٹائیفائیڈ کے بعد غالباً پرہیز نہیں کیا تھا۔ علاج شروع ہو گیا تھا لیکن ڈاکٹر رندھاوا نے کوئی امید نہیں دلائی تھی سر جیمز نے ڈاکٹر طھورترا، ڈاکٹر رچرڈ سے بھی رائے لی تھی۔ انہوں نے ڈاکٹر رندھاوا کے علاج کو تسلی بخش قرار دیا تھا لیکن جان رابرٹ تندرست نہ ہو سکا اور کلکتہ آنے کے دو ماہ بعد مر گیا۔ یہ دو ماہ بڑے پریشانی کے تھے مگر سر جیمز نے اسے ایک اسکول میں داخل کروا دیا تھا جو مشنری کے تحت کام کر رہا تھا۔ لیکن ابھی باقاعدہ چرچ میں جا کر اس نے عیسائیت قبول نہیں کی تھی۔ رات کو جب وہ بستر پر لیٹتا تو آیت الکرسی پڑھنا نہ بھولتا۔ صبح حسب عادت جلدی اٹھ کر بیٹھتا۔ وضو کرتا اور پھر پریشان سا ہو کر اپنے بستر پر آ کر بیٹھ جاتا۔ مرنے سے دو دن پہلے جان نے سر جیمز سے کہا تھا۔

"ڈیڈی! اگر میں مر جاؤں تو آپ ساعید (سعید) کو اپنے پاس رکھ لینا۔ اسے میرے سب کھلونے اور کتابیں بھی دے دینا۔"

"نہیں، تمہیں کچھ نہیں ہو گا ڈارلنگ! تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ہم انگلینڈ جا رہے ہیں۔ میں تمہیں وہاں بڑے بڑے ڈاکٹروں کو دکھاؤں گا۔"

"ڈیڈی۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"میں نے ڈاکٹر طہوترا اور ڈاکٹر رندھاوا کی گفتگو سنی ہے۔ مام میرے بغیر اداس ہو جائیں گی۔ میں انہیں یاد آؤں گا۔ ساعید ہو گا تو ان کا دل بہلا رہے گا۔ پرامس کریں ڈیڈ! آپ ساعید کو میرے بعد بورڈنگ میں نہیں بھجوائیں گے۔ مام کے پاس ہی رہنے دیں گے؟"

انہوں نے جان سے وعدہ کر لیا تھا اور جان نے اس سے بھی وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کے ڈیڈ اور مام کو چھوڑ کر نہیں جائے گا اور اسے کہاں جانا تھا' وہ اپنے پیچھے کشتیاں جلا آیا تھا۔ واپسی کے راستے بند تھے۔

لیڈی جیمز جان کے مرنے کے بعد کئی دن ہاسپٹل میں رہیں۔ وہ جان کو یاد کرتے ہوئے اتنا روتیں کہ ان کی حالت خراب ہو جاتی۔ پھر وہ ہاسپٹل سے گھر آئیں تو اسے جان کہہ کر بلانے لگیں۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ جان نہیں ہے لیکن اپنے آپ کو دھوکہ دیتیں اور بے اختیار اسے سینے سے لگا کر رونے لگتیں اور وہ خود بخود ہی محمد سعید سے جان رابرٹ بن گیا۔

1947ء کا آغاز تھا کلکتہ میں ایک بار پھر ہندو مسلمانوں کو اور مسلمان ہندوؤں کو مار رہے تھے۔ سر جیمز رابرٹ نے انگلینڈ واپس جانے کی تیاری کر لی۔ یوں بھی جان کے بعد ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

"تم ایک بار پھر سوچ لو۔" انہوں نے اس سے کہا۔

"یہ ہمارے ساتھ ہی جائے گا اگر نہیں جائے گا تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔" لیڈی جیمز رونے لگیں۔

انہوں نے اس کے وجود میں جان کو پانے کی کوشش کی تھی اور اس کے پاس سوچنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔ واپسی کے راستے تو اس نے خود ہی بند کر لئے تھے ہندوستان کی زمین چھوڑتے ہوئے اس کا دل بے طرح تڑپا۔ سب کے چہرے نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔ ایک بار تو جی چاہا کہ ساری خواہشات کی رسیاں توڑ

کر واپس سانتا ہار چلا جائے اور اباجی کے پاؤں میں گر کر معافی مانگ لے۔ توبہ کر لے۔ لیکن تقدیر لکھی جا چکی تھی۔ وہ سر جیمز اور لیڈی جیمز کے ساتھ انگلینڈ آ گیا۔

کوئی نہ جان سکا دس گیارہ سال پہلے سر جیمز کے ساتھ جانے والا دو سالہ جان رابرٹ وہیں ہندوستان کی سرزمین پر محو خواب ہے اور یہ جان رابرٹ کوئی اور ہے۔ اس کے بال سنہری تھے۔ آنکھیں بھوری بھوری سی اور رنگ سرخ و سفید۔ کسی کو کوئی فرق بھی محسوس ہوا تو اس نے یہی سوچا کہ بچے بڑے ہو کر بدل ہی جاتے ہیں یوں زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو گیا تھا۔ سر جیمز اور لیڈی جیمز نے اسے بہت محبت دی تھی۔ اسے بڑے اور اعلیٰ اسکولوں میں تعلیم دلوائی۔ وہ پوری زندگی میں سوائے دو تین بار کے چرچ نہیں گیا تھا۔ لیڈی جیمز کے ساتھ بچپن میں اور پھر اپنی شادی پر۔ اسے سکھایا گیا تھا کہ جب خوف محسوس ہو تو سینے پر صلیب بناؤ۔ لیکن اس کی انگلیاں سینے پر صلیب نہیں بناتی تھیں۔ اس کی بجائے اس کے لبوں پر آیت الکرسی کی آیات آتی تھیں۔ رات کو جب وہ اپنے بستر پر لیٹتا تو چاروں قل پڑھتا۔ آیت الکرسی پڑھ کر پھونکتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے بے چین دل کو قرار آ گیا تھا۔ لیکن وہ مکمل طور پر اس معاشرے میں رہنے کے باوجود پوری طرح اس میں رچا نہیں۔ اس نے کبھی شراب نہیں پی تھی۔ وہ کبھی نائٹ کلبوں پر نہیں گیا تھا۔ ایک بار کرسمس کی پارٹی میں جب وہ شمپین لینے کی بجائے اورنج جوس کا گلاس لیے ہلکی ہلکی چسکیاں لے رہا تھا تو سر جیمز اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر ہنسے تھے۔ ان کے ہاتھ میں شمپین تھی۔

''تمہارے اندر کا مسلمان ابھی زندہ ہے۔ مجھے لگتا ہے تم اندر سے اب بھی مسلمان ہو۔'' اور وہ گھبرا گیا تھا۔ ڈر گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی۔

''او نو ڈیڈ!'' اس نے گھبرا کر ان کے ہاتھ سے شمپین کا جام لے لیا تھا اور پھر ایک بار دو بار اس نے پینے کی کوشش کی تھی لیکن چند گھونٹوں کے سوا نہیں پی سکا تھا اور کون نہیں جانتا تھا کہ اس نے ساری زندگی شراب پی تھی۔ سور کا گوشت نہیں

کھایا تھا۔ جب کبھی جیمز برگر بناتیں تو وہ کھا نہ سکتا۔ اسے ابکائی آ جاتی تھی۔

یہ ہاٹ برگر جان تو شوق سے کھاتا تھا۔ لیکن وہ نہ کھا سکتا تھا۔ پھر بھی وہ جان رابرٹ تھا' محمد سعید نہ تھا۔ اسے وہاں ہی چھوڑ آیا تھا سانتا ہار میں۔ وہ لاکھ چاہتا تو محمد سعید نہیں بن سکتا تھا۔ وہ مرتد تھا' گناہگار تھا' قابل گردن زدنی تھا۔ اللہ نے اسے مولوی عبدالحق کے گھر پیدا کر کے بڑی نعمت سے نوازا تھا اور اس نے اس نعمت کو ٹھکرا دیا تھا۔ یہی نہیں اللہ نے اس کے سینے میں قرآن کی مقدس آیات کو محفوظ کیا تھا لیکن۔۔۔

''قرآن کا حفظ مشکل نہیں ہے، اس کا سنبھالنا مشکل ہے۔''

مولوی عبدالحق نے جیسے ان کے کانوں میں سرگوشی کی تھی اور انہوں نے قرآن کی آیات یاد کرنے کی کوشش کی۔ سورۃ رحمٰن' سورۃ یاسین' سورۃ مزمل لیکن ذہن سلیٹ کی طرح صاف تھا۔ حافظے سے سب کچھ مٹ گیا تھا۔ مدت ہوئی' انہوں نے رات کو آیت الکرسی پڑھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

وہ شاید اس دنیا کے سب سے بدقسمت' سب سے بدنصیب اور نامراد شخص تھے۔ اس دنیا میں ہی نہیں دوسری دنیا میں بھی ان کے لیے معافی یا بخشش نہیں ان کی آنکھیں جلنے لگیں اور دل میں چھریاں سی لگیں۔

''ڈیڈ۔۔۔'' ہنری نے انہیں پکارا تو وہ چونکے' ڈرائیور نے گاڑی ہنری کے اپارٹمنٹ کے سامنے روک دی تھی۔

''یہ اپارٹمنٹ بہت خوب صورت ہے۔ اس کا لان بہت اچھا ہے اور لوکیشن زبردست۔ تمہیں پسند آیا تو مجھے خوشی ہو گی۔'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے گاڑی سے اتر آئے۔ اور اب ہنری کو اپارٹمنٹ کی چابیاں دے رہے تھے۔ ہنری ان سے چابیاں لے کر لاک کھولنے لگا تو وہ مڑ کر لان کو دیکھنے لگے۔

☆......☆......☆

''تم سب ایسٹر کی چھٹیوں میں لانگ ایٹن ضرور آنا۔'' ڈاکٹر جان رابرٹ نے ہنری کے دوستوں کو رخصت کرتے ہوئے دعوت دی۔

''ہم ضرور آئیں گے۔'' انہوں نے وعدہ کر لیا۔ سوائے نورالعین کے وہ ایسٹر کی چھٹیوں میں پاکستان جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔

''ہم سب پاکستان کے لیے اور گھر کے لیے بہت اداس ہو گئے ہیں میرے بابا جان اور امی جان بھی ہم سب کے بغیر اداس ہیں' اس لیے بھائی نے کہا ہے کہ اپریل میں پاکستان جائیں گے۔'' اس نے ہنری کے ڈیڈ کو بتایا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔

''تم پھر کبھی آنا' مجھے خوشی ہو گی۔''

''مجھے لیگو لینڈ ونڈسر جانے کا بہت شوق ہے۔ وہاں کا پارک دیکھنے کا ہے جہاں ہر چیز لیگو سے بنی ہے۔'' سیسل نے کہا۔

''اور میں نے ایک دفعہ لندن جانے کا سوچ رکھا تھا۔''

''مجھے برٹش میوزیم بھی دیکھنا تھا۔''

''تو؟'' ڈاکٹر جان رابرٹ مسکرائے۔

''تم میرے پاس' ہمارے گھر صرف ایک دن کے لئے قیام تو نہیں کرو گے ساری چھٹیاں ہمارے ساتھ گزارنا پھر ہم لندن بھی جائیں گے اور سب وہ جگہیں دیکھیں گے جو دیکھنے کا تم سب کو شوق ہے۔''

''اوہ تھینکس ہنری! یو آر ریئلی ویری لکی۔'' ہنری نے فخر سے انہیں دیکھا۔

''میرے ڈیڈ شاید دنیا کے سب سے اچھے ڈیڈ ہیں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں۔''

فرینک نے تائید کی تھی ہنری کے اپارٹمنٹ پر یہ پارٹی بہت شاندار رہی تھی۔ سب نے انجوائے کیا تھا لیکن احمد ابو صالح اور عبدالمنان اداس اور خاموش تھے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ نورالعین بھی فاطمہ کے اصرار پر پارٹی میں شریک ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر ہنری کو حیرت بھری خوشی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں وہ اس کی بالکل بھی توقع نہیں کر رہا تھا۔ لیکن وہ آ گئی تھی اور اس کے اپارٹمنٹ کی قسمت جاگ اٹھی تھی۔

''اور کیا خبر کسی روز وہ ہمیشہ کے لیے اس اپارٹمنٹ میں آ جائے۔'' اس کے دل میں جھوٹی امید کا پودا اگ آیا اور اس نے تصور میں نورالعین کو اپنے اپارٹمنٹ میں چلتے پھرتے' کافی تیار کرتے دیکھا تو اس کے لبوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

عبدالمنان' احمد اور ابو صالح آہستہ آہستہ کل کے جلوس کی بات کر رہے تھے ان کی گفتگو کا موضوع ڈنمارک اور دوسرے یورپی ملکوں کے اخباروں کے خلاف ہونے والا ردعمل تھا۔

''مگر احمد! پریس تو آزاد ہوتا ہے۔ مجھے تمہارے لوگوں کا ردعمل سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر کیوں وہ اس قدر شدید ردعمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں پہلے بھی غالباً اسی چیلنڈر پوسٹن میں اس طرح۔۔۔''

''یہ آزادی رائے نہیں ہے۔'' عبدالمنان ایک دم بھڑک اٹھا۔

''یہ صحیح کہہ رہا ہے۔ فرینک! کسی بھی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے مذاہب کی برگزیدہ ہستیوں کے متعلق کوئی غلط بات کہے۔ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور کھلی شرپسندی ہے۔'' ڈاکٹر جان رابرٹ نے نرمی سے کہا تو ہنری کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ عبدالمنان نے ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

''سر! ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ ہماری برداشت سے باہر ہے یہ۔ کاش میں آپ کو اپنا دل چیر کے دکھا سکتا' وہاں کیسا الاؤ بھڑک رہا ہے۔ کیسی آگ لگی ہے۔ سر! میرے اختیار میں ہوتا تو میں ان کی گردنیں تن سے جدا کر دیتا تب شاید یہ بھڑکتی آگ مدھم ہو جاتی۔'' عبدالمنان کا سانولا رنگ حسب معمول سرخ ہو کر

سیاہ پڑ گیا۔

''صرف اتنی سی بات پر تم مسلمان اتنے جذباتی ہو رہے ہو۔'' فرینک کی آنکھوں میں اس کے لیے حقارت تھی۔

''اتنی سی بات۔۔۔؟'' عبدالمنان مزید بھڑکا' اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے تھے۔

''تمہارے لیے یہ اتنی سی بات ہوگی فرینک! تم تو خود پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کی فلمیں بناتے ہو۔ لیکن ہمارے لیے یہ اتنی سی بات نہیں ہے ہمارے ہاں پیغمبر کی بے ادبی کرنے والے کی سزا موت ہے۔''

''کول ڈاؤن عبدالمنان!'' احمد نے اس کے کندے پر ہاتھ رکھا۔

''ہم یہاں ہنری کی پارٹی میں آئے ہیں اور یہاں جتنے بھی لوگ ہیں وہ اس کے قصوروار نہیں ہیں۔''

''میں جانتا ہوں' میں صرف اپنا موقف واضح کر رہا ہوں۔'' عبدالمنان نے نگاہیں جھکالیں۔

ڈاکٹر جان رابرٹ خاموش بیٹھے تھے کوئی ان کے دل پر ضربیں لگا رہا تھا' ایک ضرب' دوسری ضرب تیسری ضرب۔

بھولی بسری سورۃ الاحزاب کی یہ آیت دل کی تختی پر یکدم نمودار ہوئی تھی۔

''بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

دل پر مسلسل ضربیں لگ رہی تھیں اور ہر ضرب سے پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے جسے دائیں ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے بایاں ہاتھ سینے پر عین دل کی جگہ رکھے وہ از حد بے چین سے بیٹھے تھے۔

جب مولوی عبدالحق انہیں سورۃ الاحزاب کا سبق دے رہے تھے تو انہوں نے اس آیت کا ترجمہ کیا تھا۔ ان کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا۔

''یہ 1929ء کی بات ہے۔ میں تب سترہ اٹھارہ سال کا تھا۔ 1923ء میں راج پال کی کتاب چھپا ہی چھپ چکی تھی۔ گھر میں اکثر اس کا ذکر ہوتا تھا۔ ملک میں جلسے جلوس نکلتے رہتے تھے۔ مسلمان غصے میں تھے اور میں چپکے سے گھر سے نکلا تھا میں نے سوچا تھا' میں راج پال کو قتل کر کے ہی آؤں گا۔ مجھ سے پہلے کئی لوگ کوشش کر چکے تھے لیکن جب میں لاہور پہنچا تو غازی علم دین نامی ایک لڑکا یہ کام سرانجام دے چکا تھا۔ میں اس سے ملنے جیل گیا اس کے ہاتھوں کو چوما' اسے مبارکباد دی۔ محمد سعید! یہ شمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے ہیں' ان کے لیے جنت میں محل ہیں اور صرف غازی علم دین کی بات نہیں ہے یہ سلسلہ تو زمانہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاری ہے۔ یہ ابورافع کے قتل سے شروع ہوتا ہے جسے عبداللہ بن عتیکؓ نے قلعہ خیبر میں مارا تھا۔

ابورافع اور کعب بن اشرف سے لے کر راج پال تک سب کے لیے دردناک عذاب ہے محمد سعید۔'' ان کے کانوں میں آواز گونج رہی تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ڈیڈ؟'' ہنری نے انہیں ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھا تو اٹھ کر قریب چلا آیا۔

''یس۔'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

دل پر مسلسل ضربیں لگ رہی تھیں۔ سر جھٹک کر انہوں نے عبدالمنان کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا اور اس کی آنکھوں میں ملال کے گہرے رنگ تھے وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے غیر ارادی طور پر بنگالی میں اسے تسلی دی تھی۔

''ایک ارب پینتالیس کروڑ مسلمانوں میں کوئی تو ہو گا غازی علم دین یا

غازی مرید حسین۔تم دل چھوٹا نہ کرو۔"عبدالمنان کا چہرہ چمکنے لگا۔اس کی آنکھوں واضح حیرت تھی۔

"آپ۔۔۔"

"ڈیڈ! آپ بنگالی زبان بھی بول سکتے ہیں۔"ہنری کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔۔۔

"ساٹھ سال پہلے جب میں سانتاہار میں تھا تو روانی سے بنگلہ بولتا تھا۔لیکن آج ساٹھ سال بعد میں سمجھتا تھا۔میں سب کچھ بھول گیا ہوں لیکن۔۔۔"

"مائی گاڈ ڈیڈ! آپ کو فارسی آتی ہے۔آپ کو بنگلہ آتی ہے۔اور کون کون سی زبانیں آتی ہیں۔آپ آج ایک ہی بار حیران کر دیں۔"

"مجھے عربی کی بھی سمجھ ہے لیکن زیادہ نہیں۔وہاں سانتاہار میں جس مدرسے میں کچھ عرصہ پڑھا' وہاں عربی بھی پڑھائی جاتی تھی۔"

"آپ کا مطلب ہے۔آپ نے مسلمانوں کے مدرسے میں پڑھا۔کیا وہاں کوئی انگریزی سکول نہیں تھا۔

"تب نہیں تھا پہلے لیکن جب بنا تو میں پھر اس مشنری اسکول میں چلا گیا تھا۔"ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں دل پر مسلسل ضربیں پڑ رہی تھیں۔

وہ چند سال کی باتیں بھول جاتے تھے لیکن چار سال کی عمر سے تیرہ سال تک محیط زندگی کا ایک ایک لمحہ دل پر نقش تھا۔کچھ بھی نہیں بھولے تھے۔ہاں اس پر گرد پڑی ہوئی تھی۔اب یہ گرد ہٹ رہی تھی۔تو سب یادیں زندہ ہو رہی تھیں۔

"تب ہی آپ کو مسلمانوں سے ہمدردی ہے۔"فرینک کی آنکھوں میں تمسخر سا جھلکا لیکن انہوں نے تحمل سے کہا۔

"یہ حقیقت ہے۔ہمیں کسی بھی مذہب کا احترام کرنا چاہیے۔سب کو اپنا مذہب بہت عزیز ہے' چاہے وہ غلط ہو یا صحیح۔"

پھر موضوع بدل گیا تھا۔ نورالعین کبھی کبھی سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ لیتی تھی یہ ہنری کے ڈیڈ شاید اس لیے ہنری سے مختلف ہیں کہ انہوں نے کچھ عرصہ مسلمانوں کے ساتھ گزارا ہے۔ پھر ڈائننگ روم میں جاتے ہوئے وہ غیر ارادی طور پر اس کے قریب چلے آئے تھے۔

''تم پاکستان کے کس شہر سے تعلق رکھتی ہو؟''

''لاہور۔''

''تمہارے والد کا کیا نام ہے'' ان کی نظروں نے اس کے سراپے کا جائزہ لیا تھا۔ کوئی چھم سے پھر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''عبدالوحید۔''

''اور والدہ کا نام۔'' امید نے پھر سہارا دیا تھا۔

''عطیہ بانو۔''

''اوہ!'' ایک گہری سانس لے کر وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ سب حیرانی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ دادا اور دادی کے نام پوچھتے پوچھتے رہ گئے تھے۔

''کیا سوچے گی یہ کہ میں اتنا متجسس کیوں ہو رہا ہوں۔ پھر عبدالسنان نے بتایا تو ہے کہ سانتا ہار میں کوئی بھی نہیں بچا تھا۔''

وہ اپنی پلیٹ لیے عبدالسنان کے پاس چلے گئے تھے۔ ان کا دل چاہ رہا تھا وہ عبدالسنان سے سانتا ہار کی باتیں کریں کہ وہ انہیں اپنے والد سے پوچھ کر بتائے کہ سانتا ہار میں مولوی عبدالحق کا گھرانا بھی تھا جن کے تین بیٹے تھے۔ عبدالعزیز عبدالرحمٰن اور عبدالعلی۔ سنہرے بالوں اور گلابی رنگت والا عبدالعلی۔ جو بھائی کر کے ان کے پیچھے بھاگتا تھا اور جب وہ گھر پر انہیں نہ دیکھتا تو اماں بتاتی تھیں کہ وہ ادھر ادھر ہر جگہ انہیں تلاش کرتا پھرتا اور انہیں نہ پا کر رونے لگتا تھا۔ وہ رویا تو بہت ہوگا اس نے انہیں ڈھونڈا تو ہوگا پھر۔۔۔ اور وقارالنساء آپا، نجم النساء وہ بھی چپکے چپکے روتی

ہوں گی۔ان کی نظریں نورالعین کے چہرے پر جا ٹکیں۔بائیں آنکھ کے کونے پر سیاہ تل' ایک دم سیاہ آنکھیں' نجم النساء نے رنگت تو مولوی عبدالحق کی لی تھی لیکن آنکھیں بالکل ہاجرہ کی چرائی تھیں۔بنگال کا سارا حسن ان کی آنکھوں میں آسمایا تھا۔نجم النساء' وقارالنساء کی نسبت ان سے زیادہ قریب تھی دو سال ہی تو بڑی تھی وہ ان سے اب اگر ہوئی تو اس کی عمر پچھتر سال ہو گی۔بہت بوڑھی ہو گئی ہو گی اور شاید اس کے پوتے پوتیوں کی بھی شادی ہو گئی ہو۔مولوی عبدالحق تو ان دنوں ہی ان دونوں کی شادی کے لیے پریشان ہو رہے تھے حالانکہ وہ دونوں اس وقت سترہ اور پندرہ سال کی تھیں یقیناً کم عمری میں ان کی شادیاں ہو گئی ہوں گی اور ہو سکتا ہے' یہ لڑکی نجم النساء کی پوتی یا نواسی ہو۔مجھے اس سے اس کے دادا دادی اور نانا نانی کا بھی نام پوچھنا چاہیے۔

لیکن وہ نہ اس سے مزید کوئی بات کر سکے' نہ عبدالمنان سے کوئی درخواست کر سکے کہ وہ اپنے والد سے پوچھ کر انہیں بتائے کہ کیا سانتاہار میں کوئی مولوی عبدالحق بھی تھے۔کیا ان کے خاندان کے افراد۔۔۔

''ڈیڈ! آپ نے عبدالمنان کی بالکل غلط حمایت کی تھی۔'' سب کو رخصت کر کے ہنری لاؤنج میں آیا تو اس نے ناراضی سے کہا۔

''فرینک صحیح کہہ رہا تھا آزادی رائے سب کا حق ہے۔''

''کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا آزادی رائے میں نہیں آتا۔یہ اخلاقاً اور قانوناً جرم کے زمرے میں آتا ہے اور اس کے لیے قانون ہونا چاہئے ایسے شخص کو سزا ملنی چاہئے جو کسی مذہب پر کیچڑ اچھالتا ہے۔''

''ڈیڈ! آپ بہت عجیب ہیں۔'' ہنری صوفے پر بیٹھ گیا۔

''مجھے لگتا ہے آپ اسلام سے امپریس ہو رہے ہیں لیکن ڈیڈ! یہ مسلم سب کے سب رجعت پسند' دہشت گرد اور بنیاد پرست ہوتے ہیں۔''

''نہیں ایسا تو نہیں۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

"یہ سب پروپیگنڈہ ہے اسلام کے دشمنوں کا۔"

"ڈیڈ! کیا آپ کسی مسلم سینٹر میں تو نہیں جانے لگے آج کل۔" وہ از حد حیران ہو رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ انہوں نے کمپیوٹر دراز سے ایک فائل نکالی۔

"میں آج کل ویب سائٹ دیکھ رہا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قابل احترام ہستی کے متعلق کچھ غلط کہنا گناہ ہے۔ ایک ناقابل معافی گناہ۔۔۔"

"ڈیڈی! وہ صرف مسلمانوں کے لیے محترم ہوں گے ان کے لیے گناہ ہوگا لیکن ایک کریسچن کے لیے تو وہ محترم نہیں ہیں اس لیے اگر وہ ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے تو وہ قابل سزا ہرگز نہیں ہوسکتا۔"

"ہنری!" ان کی پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں۔ دل پر پھر سے ضربیں لگنے لگیں تھیں۔

"تم کچھ نہیں جانتے نہ اپنے مذہب کے متعلق نہ دوسروں کے متعلق تمہارا ایمان انجیل پر ہے اور عیسائیوں کے نزدیک چاروں انجیلوں میں سے سب سے معتبر برناباس ہے۔ جانتے ہو نا؟"

ہنری نے سر ہلا دیا۔

"برناباس میں آپ ﷺ کی رسالت صداقت حقانیت اور رحمت العالمین ہونے کا تفصیلی تذکرہ ہے۔" انہوں نے فائل کھول کر کچھ اوراق الٹے۔

"انجیل برناباس کے باب نمبر 17 میں لکھا ہے۔"

"تمام انبیاء جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈالے گا کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

اور باب نمبر تین میں لکھا ہے "وہ جب آئے گا' خدا اس کے ہاتھ میں گویا اپنی مہر۔۔۔ دے گا یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس تعلیمات کو مانیں گی نجات اور رحمت پہنچا دے گا۔ وہ بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا۔"

اور مائی ڈیرسن ہنری! یہ باب نمبر 97ء میں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔

"وہ آنے والا نبی ان لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں گے۔"

سردار کاسن نے پوچھا۔ "وہ کس نام سے پکارا جائے گا؟"

یسوع نے جواب دیا۔ "اس کا نام قابل تعریف ہوگا۔"

"تو کیا تم انجیل برناباس کی بات کو رد کر سکتے ہو؟"

"ڈیڈ!" ہنری کھڑا ہو گیا اور الجھن سے انہیں دیکھنے لگا۔

"میں آپ کی کوئی بات نہیں سمجھ رہا۔ آپ بہت عجیب ہو رہے ہیں' میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ آپ عنقریب اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ آپ کا رویہ' آپ کی گفتگو سب کچھ عجیب ہے۔"

اور پھر وہ گڈ نائٹ کہہ کر سونے کے لیے چلا گیا۔ وہ کچھ دیر یونہی بیٹھے رہے دل پر پڑنے والی ضربوں کی شدت بڑھ گئی تھی۔

دھم دھم کوئی ضربیں لگا رہا تھا۔ ہر ضرب پر وہ پوری جان سے لرز اٹھتے تھے پھر وہ اٹھے۔ فائل دراز میں رکھی اور اپنے بیڈروم میں آ گئے۔ کل وہ واپس جا رہے تھے گو ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا وہ ہنری کے پاس' اس کے قریب رہنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے محسوس کیا تھا وہ ہنری کو ڈسٹرب کر رہے تھے۔ کبھی کبھی اپنی کیفیات میں وہ یوں گم ہو جاتے کہ ارد گرد کے ماحول سے بے خبر ہو کر ماضی میں پہنچ جاتے۔

ماضی۔۔۔ جو سانتا ہار میں گزرا تھا جو کلکتہ کی اسلامیہ بلڈنگ کے ایک فلیٹ

میں بیتا تھا۔

ماضی ۔۔۔ جس میں مولوی عبدالحق تھے' قرآن کا سبق دیتے ہوئے۔

ماضی ۔۔۔ جس میں ماسٹر اللہ دتہ تھے فارسی کی گلستان بوستان پڑھاتے ہوئے۔

ماضی ۔۔۔ جس میں سانتا ہار کا وہ مدرسہ تھا جو مسجد سے منسلک تھا۔

ماضی ۔۔۔ جس میں صبح صبح وہ صحن میں رکھے پانی کے ڈرم سے (جسے اینٹوں پر رکھ کر ایک ٹونٹی لگا دی گئی تھی) وضو کر کے یونہی ہاتھ منہ پونچھے بغیر پانی ٹپکاتے مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔

ماضی ۔۔۔ وہ جس میں رحل پر قرآن رکھے وہ ہل ہل کر قرآن پڑھتے تھے

ماضی ۔۔۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنتے ہی ان پر درود بھیجتے تھے۔

اور پھر اندر ہی اندر ایک سزا کا' ایک پچھتاوے کا عمل شروع ہو جاتا۔ اس سزا کے وہ تنہا حق دار تھے اس میں ہنری کا کوئی قصور نہ تھا۔ انہیں اسے ڈسٹرب کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے واپس لانگ ایٹن جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ سزا انہیں خود ہی جھیلنا تھی تنہا۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسایا۔ دل پر پھر ضرب پڑی تھی۔

''اور کیا میرے جیسے راندہ درگاہ کے لیے کوئی توبہ کا در کھل سکے گا کبھی؟'' اندر کہیں ٹیس سی اٹھی تھی پھر شاید ٹیسیں بڑھتی گئیں ۔۔۔ انہوں نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کر تکلیف کو برداشت کرنا چاہا لیکن آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''یہ دولت' یہ آسائش' یہ مقام کیا صرف اس سب کے لیے میں نے منہ موڑ لیا جس سے مجھے اس پیارے رب نے نوازا تھا۔''

''یاارحم الراحمین! مجھے بخش دے' مجھے معاف کر دے۔ میں جانتا ہوں میں بخشش کے لائق نہیں۔ میں توبہ کے بھی قابل نہیں لیکن اے رب العالمین! پھر بھی پھر بھی تجھ سے توبہ کا طالب ہوں۔ بخشش کا خواستگار ہوں۔''

آنسوان کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ وہ اٹھے اور واش روم سے وضو کر کے باہر آئے۔ انہوں نے بیڈ سے چادر کھینچی اور کارپٹ پر بچھا کر کعبہ رخ کھڑے ہو گئے۔ ساٹھ سال بعد وہ یوں کھڑے ہوئے تھے۔ ساٹھ سال بعد انہوں نے نیت کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے۔

پہلے دو نفل نماز توبہ۔۔۔ مولوی عبدالحق تہجد کے لیے اٹھتے تو وضو کے دو نفل پڑھ کر تہجد کے نفل پڑھتے اور پھر دو نفل نماز توبہ کے۔۔۔

''انسان بڑا بے عقل' جاہل اور بیوقوف ہے۔ جانے دن میں کتنی غلطیاں کرتا ہے اور یہ وقت توبہ کے لیے بہترین ہے۔ اس وقت خدا اپنے بندے کے قریب ہوتا ہے۔''

نیت کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے ان کی نظریں کلاک پر پڑی تھیں۔ رات کے اڑھائی بج رہے تھے۔

اور پھر جیسے وقت' فاصلے سب سمٹ گئے تھے۔ انہیں لگا' وہ سانتاہار کے اس چھوٹے سے گھر کے چھوٹے سے صحن میں نماز کی نیت کیے کھڑے ہیں۔ بھولے بسرے لفظ ان کے ہونٹوں پر یوں رواں تھے جیسے وہ کبھی بھولے ہی نہ تھے۔

جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ وہ نفل پر نفل پڑھتے چلے گئے۔ پھر وہ سجدے میں گرے تو ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''تو جانتا ہے خدا پاک! میں نے کبھی شرک نہیں کیا۔ میں نے کبھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ میں نے ہمیشہ تیری واحدانیت پر ایمان رکھا۔ تیرے بیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیرا آخری نبی مانا۔ میں نے اپنی طرف سے وہ

سب کبھی کرنے کی کوشش نہیں کی جس کی تو نے ممانعت کر رکھی تھی۔لیکن میں پھر بھی گناہ گار ہوں میں نے جھوٹ بولا۔میں نے منافقت کی۔میں نے ساٹھ سال جھوٹ کی زندگی گزار دی۔میں نے اپنی شناخت بدل دی۔میں نے اپنا نام بدل دیا۔میں قابل نفرت ہوں۔میرا جرم نا قابل معافی ہے۔میں پھر بھی تیرے آگے جھکا ہوا ہوں۔میری توبہ قبول کر لے۔مجھے بخش دے یا ارحم الراحمین! یارب العالمین! تو بڑا رحیم ہے۔تو اپنے بندوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے میرے گناہ بھی معاف کر دے۔"

وہ رو رہے تھے۔تڑپ رہے تھے۔ہچکیاں لے رہے تھے۔پوری رات انہوں نے ایسے ہی گزار دی تھی۔صبح کے وقت جب ہنری نے ان کے دروازے پر دستک دی تو وہ اس وقت بھی خدا کے حضور جھکے ہوئے تھے۔سجدے سے سر اٹھا کر انہوں نے بیڈ کی چادر زمین سے اٹھائی۔

"ڈیڈ! ولسن نے ناشتہ لگا دیا ہے۔" ہنری نے باہر سے آواز دی۔

"میں آ رہا ہوں، تم چلو۔" اور وہ جب منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی ٹیبل پر آئے تو ہنری نے ان کی سوجھی ہوئی آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"رات آپ جاگتے رہے؟"

"ہاں، کچھ طبیعت ٹھیک نہ تھی۔"

"تو پھر آج واپس نہ جائیں۔میں سیٹ کینسل کروا دیتا ہوں۔کل چلے جایئے گا۔"

"تم میری وجہ سے ڈسٹرب ہو رہے ہو ہنری۔۔۔؟"

"نہیں ڈیڈ! مجھے آپ کا یہاں رہنا اچھا لگ رہا ہے۔بہت اچھا۔لیکن آپ کا رویہ، آپ کی گفتگو سب مجھے الجھا دیتی ہیں۔میں آج کی سیٹ کینسل کروا دیتا ہوں۔رات کی پارٹی سے آپ تھک گئے ہیں دو دن ریسٹ کر کے چلے جایئے

گا۔"

وہ خاموش ہو گئے۔ وہ خود بہت مضطرب تھے۔ عمر بھر کا حاصل ۔۔۔ صرف ہنری اور شاید وہ ہنری سے بھی بچھڑنے والے تھے اندر کوئی خوف سا چٹکی لیتا تھا رہ رہ کر وہ بے چین ہو جاتے تھے اور یہی بے چینی تو انہیں یہاں لائی تھی۔ جب وہ خود کو ماضی کے آئینے میں کھڑا کر کے دیکھتے تو ہنری انہیں اپنے سے بہت فاصلے پر نظر آتا ایک نقطے کی طرح۔ آنے والے لمحوں میں وہ کہاں ہوں گے۔ وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

انہوں نے صرف کافی پی۔ کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' دو دن بعد چلا جاؤں گا۔"

"آپ آج سارا دن ریسٹ کریں گے۔ نو کمپیوٹر نو کتاب۔۔۔" ہنری نے ہاتھ اٹھا کر حکم جاری کیا۔

"اور ولسن! کچھ دیر بعد ڈیڈ کو ایپل جوس دے دینا اور ساتھ میں بریڈ یا جو بھی لینا چاہیں۔" میز پر آملیٹ رکھتے ہوئے ولسن نے سر ہلا دیا۔

"ڈیڈ! کیا آپ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں؟"

"نو، وہ کافی کا کپ لے کر لاؤنج میں چلے گئے اور ٹی وی آن کر دیا۔ وہ اپنا ذہن بٹانا چاہتے تھے۔ ٹی وی پر نیوز آ رہی تھی۔

ہر جگہ مظاہرے ہو رہے تھے۔ ڈنمارک کے سفارت خانے پر دو ممالک میں حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو ناکام بنا دی گئی تھی۔

"اور آپ کہتے ہیں' مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں۔"

ہنری بھی اپنا کپ اٹھائے وہاں آ کھڑا ہوا تھا اور نفرت سے ہونٹ سکیڑے نیوز دیکھ رہا تھا۔

"پوری دنیا میں دہشت گردی پھیلا رکھی ہے انہوں نے۔" ڈاکٹر رابرٹ

نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان کی نظروں میں شکایت تھی لیکن انہوں نے ہنری کی بات پر تبصرہ نہیں کیا۔

''سوری ڈیڈ! آپ کچھ نہیں جانتے ان کے متعلق۔ آپ نے اپنی زندگی مریضوں اور اپنے پیشے سے محبت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ آپ کو دنیا کا کچھ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔''

پچھلے چند سالوں تک واقعی ایسا ہی تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ ان کے پاس رملک کا پورا بائیو ڈیٹا موجود تھا۔ جو انہوں نے مختلف میگزینوں اور ویب سائیٹس سے اکٹھا کیا تھا اور یہ بڑی افسوسناک بات ان کے سامنے آئی تھی کہ ساری یورپی دنیا مسلمانوں کے درپے تھی۔ لیکن انہوں نے اس بار بھی ہنری کی تردید نہیں کی تھی۔

''او کے ڈیڈ! میں چلتا ہوں۔'' اس نے خالی کپ میز پر رکھا۔

''او کے بائے۔''

''آپ رات سوئے نہیں۔ اب آرام کر لیں۔''

وہ انہیں آرام کی تاکید کرتے ہوئے چلا گیا تو وہ ٹی وی آف کر کے پھر ماضی کی گلیوں میں کھو گئے تھے اور ماضی کو سوچتے ہوئے وہ وہیں صوفے پر ٹیک لگائے سو گئے۔

رات بھر جاگے تھے اس لیے بہت دیر تک سوتے رہے ولسن نے بھی انہیں ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ جب جاگے تو دو بج رہے تھے۔

ولسن نے انہیں بتایا کہ ہنری صاحب لنچ پر اور ڈنر پر نہیں ہوں گے ان کا فون آیا تھا وہ فرینک اور بوب کے ساتھ کسی ڈانس پارٹی پر جا رہے ہیں اور ہو سکتا ہے انہیں دیر ہو جائے۔ وہ سر ہلا کر کھڑے ہو گئے۔ ابھی بھی سستی سی محسوس ہو رہی تھی ہاتھ لے کر وہ جھجکتے ہوئے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

''یہ ظہر کا وقت ہے۔'' انہوں نے سوچا۔

''اور ظہر کی کتنی رکعات ہوتی ہیں۔'' کئی بار انہوں نے نیت کر کے ہاتھ اٹھائے پھر نیچے گرا دیے پتا نہیں۔ پتا نہیں اللہ ان کی نماز قبول بھی کرے گا یا نہیں۔ ساٹھ سال پہلے آخری بار انہوں نے سانتا ہار کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی تھی۔ چار سنت' چار فرض' دو سنت دو نفل انہوں نے زیر لب کہا اور ایک بار پھر نیت کرنے لگے۔

رات کی نسبت اس وقت وہ پرسکون تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد انہوں نے مختصر دعا کی اور پھر ہلکا پھلکا سا لنچ لے کر ولسن کو بتا کر باہر نکل آئے۔

ہنری اپنی گاڑی لے گیا تھا۔ انہوں نے ٹیکسی کے لیے فون کیا اور بغیر سوچے اسے ایڈنبرا یونیورسٹی کے ہوسٹل چلنے کو کہا۔ وہ عبدالمنان سے ملنا چاہتے تھے۔ وہ اس سے درخواست کرنا چاہتے تھے کہ وہ اپنے والد کو فون کر کے پوچھے کیا وہ مولوی عبدالحق کے خاندان کو جانتے ہیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ عبدالمنان چاہے جو بھی سمجھے لیکن وہ اس اضطراب اور بے چینی کے ساتھ لانگ ایلٹن واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ عبدالمنان انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا عبدالمنان!'' وہ بے حد سنجیدہ تھے۔ لیکن ان کے ہولے ہولے لرزتی انگلیاں ان کے اندرونی اضطراب کا پتا دے رہی تھیں۔

''کس کے متعلق؟'' عبدالمنان کی سوالیہ نظریں ان کے چہرے پر تھیں۔ وہ اس وقت اپنے روم کے باہر کھڑا تھا اور ابھی ابھی یونیورسٹی سے لوٹا تھا۔

''سانتا ہار کے متعلق۔ تمہارے فادر کے متعلق۔'' عبدالمنان کی آنکھوں میں وہی کرب تھا۔

''کیا سانتا ہار میں کوئی نہیں بچا تھا۔ تمہیں یقین ہے؟''

''آپ کس کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں؟'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''مولوی عبدالحق کے متعلق۔ عبدالعزیز' عبدالرحمٰن اور عبدالعلی کے

متعلق۔'' ان کی آواز سرگوشی جیسی تھی اور اس طرف آتی نور العین ٹھٹک کر رہ گئی۔

''میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ نام جانے پہچانے لگ رہے ہیں' شاید ابا نے کبھی ان کا ذکر کیا ہو۔''

''کیا یہ سب لوگ بھی۔۔۔ ساٹھ سال پہلے یہ سب سانتاہار میں رہتے تھے لیکن جب بنگلہ دیش بنا تو کیا یہ سب مارے گئے؟'' ان کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

''میں ابا سے پوچھ کر بتا سکتا ہوں۔ میں تو تب صرف چند ماہ کا تھا' میں نے آپ کو بتایا تھا نا۔ میرے ابا سانتاہار ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ بنگلہ دیش بننے تک وہ وہیں رہے۔ ہم آٹھوں بہن بھائی بھی وہاں ہی پیدا ہوئے تھے۔ میں سب سے چھوٹا تھا۔''

تمہارے ابا کا نام!''

''میرے ابا کا نام عبدالرب ہے۔''

''عبدالرب اور والد کا نام؟'' وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہے تھے۔

''سدید بابو۔۔۔ میرے دادا کا نام سدید بابو تھا لیکن وہ میری پیدائش سے بہت وفات پا چکے تھے۔ نے انہیں نہیں دیکھا۔''

''سدید بابو' عبدالرب۔۔۔'' انہوں نے مضطرب ہو کر دونوں بازوؤں کو پکڑتے ہوئے جھنجوڑا۔

''سدید بابو! ان کے گھر کے ساتھ ہی تو بالکل جڑا ہوا گھر مولوی عبدالحق کا تھا۔ سدید بابو اور مولوی عبدالحق بالکل بھائیوں جیسے تھے۔ عبدالعزیز' عبدالرحمٰن اور عبدالعلی مولوی عبدالحق کے بیٹے تھے۔ دو بیٹیاں بھی تھیں ان کی آواز میں دبا دبا سا جوش تھا۔''

''وقار النساء نجم النساء۔''

''لیکن آپ ان سب کو کیسے جانتے ہیں؟'' عبدالمنان نے پوچھا تو انہوں

نے اپنے ہاتھ اس کے بازو سے ہٹا لیے اور اپنی بے قراری چھپانے کی کوشش کی۔

''میں نے وہاں بہت سارے سال گزارے ہیں۔ جب میں نے سانتاہار چھوڑا تو میں تیرہ سال کا تھا تب۔ بس میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ۔۔۔ کیا وہ لوگ بھی مارے گئے تھے؟'' ان کے لہجے سے پھر بے قراری جھلکنے لگی تھی۔ وہ بھول گئے تھے کہ وہ اس وقت کہاں کھڑے ہیں اور کس حیثیت سے۔

''عبدالرب میرا دوست تھا۔ شاید سانتاہار میں اور بھی کئی اس نام کے لڑکے ہوں گے لیکن عبدالرب سدید بابو کا بیٹا تھا۔ چوڑیوں کو پگھلا کر زنجیر بناتے تھے ہم۔'' دفعتاً وہ بولتے بولتے رک گئے۔

''تم پلیز' کیا اپنے فادر سے پوچھ کر بتا سکتے ہو۔ ابھی اسی وقت کہ مولوی عبدالحق۔۔۔ مجھے یقین ہے یہ وہی عبدالرب ہے۔ اسے ضرور پتہ ہوگا۔''

عبدالمنان ابھی تک حیرت میں تھا۔ وہ ڈاکٹر جان رابرٹ کی بات صحیح طرح سے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ ایک مشہور ڈاکٹر۔۔۔ ایک اعلیٰ خاندان کا فرد۔ بھلا اس کی ابا سے کیسی دوستی ہو سکتی ہے۔

''میں کوشش کرتا ہوں!'' اس نے موبائل نکال کر ڈائل کیا۔

''لائن نہیں مل رہی۔'' ان کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

''میں بہت جلد پتہ کر کے آپ کو فون کر دوں گا۔ آپ ابھی یہیں ہیں نا۔ ہنری کے پاس؟''

''ہاں کل تک۔'' انہوں نے آہستگی سے کہا۔

وہ ابھی تک عبدالمنان کے کمرے کے سامنے کھڑے تھے۔

''پلیز آیئے نا۔ آپ کو خدیجہ سے ملواؤں اور کافی کا ایک کپ۔''

''نہیں پھر کبھی سہی۔'' وہ دل شکستہ سے سر جھکا کر واپس مڑے اور ابھی کوریڈور کے سرے تک پہنچے تھے کہ تیز تیز قدموں سے چلتی نورالعین ان کے قریب

آ کر رک گئی۔اس نے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کی پوری بات سنی تھی۔

''سر! سر! پلیز رکیے میری بات سنئے۔'' وہ رک گئے انہوں نے مڑ کر نورالعین کی طرف دیکھا اور ایک خالی خالی سی نظر اس پر ڈالی۔یہ نورالعین تھی جس سے ہنری محبت کرتا تھا۔جس کے بغیر اسے زندگی بے رنگ لگتی تھی اور اگر ہنری۔۔۔

''آپ مولوی عبدالحق کے متعلق کیوں جاننا چاہتے تھے؟ وہ مولوی عبدالحق جو بہت پہلے سانتاہار میں رہتے تھے جن کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام آپ نے لیے ہیں۔''

''بس یونہی۔'' انہوں نے نظریں اس سے ہٹا لیں۔

''میں بچپن میں سانتاہار کے جن خاندانوں کو جانتا تھا۔ان میں سے ایک مولوی عبدالحق کا خاندان بھی تھا۔عبدالمنان کہتا ہے سانتاہار کے سب گھرانوں کو عوامی لیگ نے ختم کر دیا' بس میں جاننا چاہتا تھا کہ کیا مولوی عبدالحق کا گھرانا بھی۔۔۔'' باوجود کوشش کے ان کی آواز بھر آئی۔

''نہیں۔'' نورالعین نے بڑے اطمینان سے کہا۔

''مولوی عبدالحق کی فیملی بہت پہلے بنگلہ دیش بننے سے دس سال پہلے مغربی پاکستان میں آ گئی تھی۔''

''میں نے اپنے ابا اور تایا سے سنا ہے کہ بیوی کی وفات کے بعد مولوی عبدالحق کا دل وہاں سے اچاٹ ہو گیا تھا اور وہ مغربی پاکستان آ گئے تب بنگلہ دیش مشرقی پاکستان کہلاتا تھا۔'' اس نے ایک نظر جان رابرٹ پر ڈالی۔

''میری دادی کا نام ہاجرہ تھا۔''

میں مولوی عبدالحق کے سب سے چھوٹے بیٹے عبدالوحید کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں۔''

''عبدالوحید۔۔۔لیکن مولوی عبدالحق صاحب کے کسی بیٹے کا نام عبدالوحید

نہیں تھا۔شاید یہ کوئی اور۔۔۔"

"آپ کس سن میں سانتا ہار گئے تھے؟"

"1946ء میں سر جیمز' آئی مین میرے ڈیڈ نے سانتا ہار چھوڑا تھا۔"

"اور میرے والد پاکستان بننے کے بعد 1950ء میں پیدا ہوئے تھے۔"

"اوہ' تب میں تو۔۔۔" انہوں نے زیرلب کہا۔ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔ان کا دل چاہ رہا تھا۔وہ اس لڑکی کو جوان کے سامنے کھڑی کچھ عجیب مشکوک سی نظروں سے انہیں دیکھ رہی ہے' گلے سے لگالیں' اسے پیار کریں۔اس کے وجود سے آتی' خوشبو کو اپنے اندر جذب کرلیں۔اس سے کہیں سنو لڑکی! میں تمہارے باپ کا سگا بھائی ہوں۔" لیکن ضبط کیے کھڑے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ سب اب کہاں ہیں؟" ان کے لبوں سے سرسراتی آواز نکلی۔

"کچھ لاہور میں کچھ کراچی میں۔" نورالعین بغور انہیں دیکھ رہی تھی کچھ تھا جو اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔کوئی خیال بار بار دل میں آ کر گم ہو جاتا کیا۔۔۔؟ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

"بڑے تایا عبدالرحمٰن اور بڑی پھپھو وقارالنساء کا چند سال بیشتر انتقال ہو چکا ہے دونوں ایک ہی سال میں فوت ہو گئے آگے پیچھے' چند ماہ کے وقفے سے۔" وہ ان کے بغیر پوچھے بتائے جا رہی تھی۔

"عبدالرحمٰن چچا بہت مشہور سرجن تھے۔پاکستان میں ان کا بڑا نام تھا۔عبدالعزیز چچا ایک بینک میں زونل منیجر ہیں اور عبدالعلی چچا بھی ایک بڑی کپڑے کی مل میں جی ایم ہیں۔سب کے بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔میرے بابا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔"

اور مولوی عبدالحق پھر ان کی آنکھوں کے سامنے آ گئے ناراضگی سے تکتے

ہوئے۔

"محمد سعید! جو تیرے نصیب میں لکھا ہے۔ وہ تجھے ضرور ملے گا اور جو تیرے نصیب میں نہیں ہے وہ تو چاہے کہیں بھی چلا جائے نہیں پا سکے گا۔"

اور وہ اس وقت سوچتا تھا' وہ ساری زندگی سانتاہار میں گھر اور مسجد تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ زمیندار کے کھیتوں میں کام کرے گا یا بہت ہوا تو کوئی چھوٹی سی دکان بنا لے گا اور مسجد میں شبینہ ہوا تو ساری رات جاگ کر قرآن پڑھے گا اور بس کولہو کے بیل کی طرح زندگی ایک ہی دائرے میں چکر لگاتے گزر جائے گی۔

نورالعین کو وہ بات یاد نہیں آ رہی تھی۔ کیا بات تھی بھلا۔ اس نے پیشانی پر انگلی ماری۔ کہ اسپتال میں اپنی وفات سے چند دن پہلے وقارالنساء نے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئی نجم النساء سے کہا تھا۔

"نجو! آج میں نے خواب میں محمد سعید کو دیکھا۔" وہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑی ان کے لیے پھل کاٹ رہی تھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ اپنے بابا کے ساتھ ان کی مزاج پرستی کے لیے آئی تھی۔

"وہ بہت دور کھڑا تھا۔ پھر اچانک اس نے مجھے دیکھ لیا اور وہیں سے آوازیں دینے لگا۔ پھر وہ ہاتھ پھیلائے میری طرف بڑھا لیکن جیسے زمین نے اس کے قدم پکڑ لیے جیسے اس کے پاؤں میں زنجیریں تھیں۔ پھر وہ رونے لگا اور میری آنکھ کھل گئی۔"

"آپ کو سعید سے پیار بھی تو بہت تھا۔"

"کیا تمہیں سعید سے پیار نہیں تھا؟ وہ تو سب کو ہی پیارا تھا۔ پتہ نہیں آج کل اتنی شدت سے کیوں یاد آتا ہے۔" وقارالنساء خاموش ہو گئی تھی۔

"یہ سعید کون ہے؟" اس نے سوچا تھا۔

آج سے پہلے اس نے یہ نام گھر میں کبھی نہیں سنا تھا۔ کیا وہ پھپھو کا بیٹا

تھا۔وہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ کون تھا کہ بابا کے ساتھ اس کے کزن اور گھر کے دوسرے افراد اندر آ گئے۔ پھر ذہن سے نکل گیا۔ بہت سارے دن بعد اسے یاد بھی نہیں رہا۔ وقارالنساء کی وفات کے ایک ماہ بعد جب وہ نجم النساء کے گھر آئی ہوئی تھی تو اچانک اسے یاد آیا۔

''پھپھو! یہ سعید کون تھا؟ جس کا ذکر اس روز بڑی پھپھو کر رہی تھیں۔'' نجم النساء چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ بڑی دیر بعد انہوں نے بتایا تھا۔

''سعید ہمارا بھائی تھا۔ بچپن میں کہیں کھو گیا تھا۔''

''لیکن کبھی کسی نے ذکر نہیں کیا۔''

''جو یادیں تکلیف دہ ہوں انہیں دہراتے نہیں۔ وہ کھو گیا ملا نہیں پھر۔''

''سعید'' وہ یہی یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جان رابرٹ اسی پوزیشن میں کھڑے کسی خیال میں گم تھے۔

''سعید'' اس نے قدرے اونچی آواز میں دہرایا اور انکو بغور دیکھا۔ کشادہ پیشانی اور آنکھوں کے دیکھنے کا انداز بالکل عبدالعلی تایا کی طرح تھا اور وہ وضاحت نہیں کر سکتی تھی لیکن یہ شخص ڈاکٹر جان رابرٹ جو ہنری کا باپ تھا۔ اس میں کہیں نہ کہیں عبدالعلی تایا کی مشابہت تھی۔

''آپ سعید ہیں؟'' بالکل غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔۔۔ یہ نام تو ساٹھ سال پہلے انہوں نے خود سے الگ کر دیا تھا پھر یہ لڑکی۔ وہ تو سمجھتے تھے کہ مولوی عبدالحق کے گھر میں پھر کبھی کسی نے ان کا نام بھی نہیں لیا ہوگا۔

بھلا ایک مرتد سے' دین سے پھر جانے والے شخص سے ان کا کیا رشتہ تھا؟ لیکن یہ لڑکی ان کا نام لے رہی تھی تو یقیناً یہ نام اچھے معنوں میں نہیں لیا جاتا ہوگا وہ تو لعنتی تھا۔

وہ نہ تو اقرار کر سکے نہ انکار۔ پسینہ ان کے جسم سے پانی کی طرح بہنے لگا۔ شرمندگی اور ندامت سے ان کی نظریں جھک گئیں۔

''اگر یہ جان لے کہ میں وہی ہوں تو یہ کیا سوچے گی۔ گر جاؤں گا اس کی نظروں میں۔''

''بتایئے نا؟'' لڑکی پر شوق نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔

''کیا تم نہیں جانتی کہ میں ڈاکٹر جان رابرٹ ہوں۔ ہنری کا ڈیڈ۔''

وہ دانتوں پر دانتوں کو سختی سے جمائے یکدم تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

نور العین کچھ دیر وہاں ہی کھڑی رہی۔

''یہ ضرور ساٹھ سال پہلے کھو جانے والے سعید تایا ہیں۔'' پتہ نہیں کیوں دل میں خیال آیا تھا۔

''لیکن یہ مکر کیوں رہے ہیں اور اگر یہ سعید تایا نہیں ہیں تو پھر مولوی عبدالحق اور ان کے خاندان کے افراد کے لیے متجسس کیوں ہو رہے تھے اور صرف نجم پھپھو ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔''

اس نے سوچا اور کچھ دیر بعد وہ نجم النساء کے گھر کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ فون ثنا نے اٹینڈ کیا تھا۔ جوان کی پوتی تھی۔

''ثناء! مجھے پھپھو سے بات کرنا ہے۔ ہو سکتی ہے؟''

''میں کارڈلیس ان کے کمرے میں لے جاتی ہوں۔'' ثناء نے کہا اور کچھ دیر بعد ان کی آواز ایئر پیس میں آئی۔

''کیسی ہو نور العین؟''

''پھپھو!'' اس نے دبے دبے جوش سے فوراً ہی بغیر کسی تمہید کے کہنا شروع

کر دیا۔

''میں نے یہاں ایک شخص کو دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے وہ آپ کے گمشدہ بھائی سعید ہیں۔''

دوسری طرف کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''پھپھو!'' اس نے پھر کہا۔

''آپ سن رہی ہیں نا۔ پھپھو وہ شخص۔۔۔''

''نورالعین! یہ کیا تم فضول بات کر رہی ہو۔'' نجم النساء کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''پھپھو! میرا دل کہتا ہے۔ اگر عبدالعلی تایا تھوڑے سے بوڑھے ہو جائیں اور اگر وہ اس شخص کی طرح کلین شیو ہوں تو وہ بالکل ایسے ہی لگنے لگیں۔'' اس کی آواز میں جوش تھا۔

''ایسے دنیا میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں پاگل' جن کی کسی نہ کسی سے مشابہت ہوتی ہے۔'' انہوں نے کسی قدر اطمینان سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''لیکن پھپھو! کسی کو سانتاہار کے مولوی عبدالحق اور اس کے خاندان سے دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ شخص میرے ایک کولیگ سے جو بنگلہ دیش سے آیا ہے اور جس کے والد سانتاہار میں رہتے تھے ان سے سب کا پوچھ رہا تھا' بہت بے قراری سے۔ اس نے سب کے نام لیے عبدالعزیز، تایا عبدالرحمٰن اور عبدالعلی تایا کے۔ اس نے آپ کا اور بڑی پھپھو کا بھی نام لیا تھا۔''

دوسری طرف خاموشی کا وقفہ طویل ہو گیا۔

''پھپھو!'' اس نے پکارا تو دوسری طرف سے دھیمی آواز میں نجم النساء نے پوچھا۔

''کیا اس نے اپنا نام سعید بتایا ہے تجھے؟''

ایک لمحہ کے لیے نورالعین چپ ہوگئی کہ اگر اس نے بتادیا کہ اس کا نام تو جان رابرٹ ہے تو ان کو دکھ ہوگا۔ بھلا وہ کیسے برداشت کریں گی کہ ان کا گم شدہ بھائی مولوی عبدالحق جیسے نیک شخص کا بیٹا عیسائی۔۔۔

''نہیں پھپھو! میں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔ لیکن ہاں پھپھو اس کے کان کی لو پر ایک بڑا سا سیاہ تل ہے کیا سعید تایا کے۔۔۔؟''

''نورالعین!'' نجم النساء کی آواز میں لرزش تھی۔

''تجھے وہ پھر ملے تو اس کا نام پوچھنا۔ اگر اس کا نام سعید ہوا تو پھر۔۔۔ پھر مجھے فون کرنا۔ اس سے پوچھنا کہ کیا وہ مولوی عبدالحق کا بیٹا ہے۔ لیکن اگر اس کا نام کچھ اور ہوا تو پھر مت بتانا کچھ مجھے۔'' اب آواز کی لرزش میں آنسوؤں کی نمی شامل ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی فون بند ہوگیا۔

''نورالعین ٹیلی فون بوتھ سے باہر نکلی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''ہو نہ ہو یہ سعید تایا ہی ہیں لیکن سعید سے جان رابرٹ بننے تک کی کہانی کیا ہے؟''

وہ واپس کمرے میں آئی تو اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگا۔ اس راز کا بوجھ جیسے اس سے سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔

''کیا میں ہنری سے بات کروں؟''

''نہیں، مجھے جان رابرٹ سے بات کرنی چاہیے۔''

اس کا تھیسز مکمل ہو چکا تھا۔ چند دن بعد اس نے سب مٹ کرانا تھا اور پھر شاید چند ماہ تک وہ واپس پاکستان چلی جائے اور پھر کس سے کہے یہ سب؟ بھائی یا بھابی سے، نہیں بھتیجی سے بات کرے جو بھتیجی کم دوست تھی۔ وہ اسے اچھا مشورہ دے سکتی ہے۔ وہ پھر اٹھی اور اسے فون کرنے باہر آئی۔ لیکن اس کے پرس میں سکے نہیں ملے تو اس نے سوچا دو دن بعد اسے ویک اینڈ پر جانا تو ہے ہی، یہ فون پر کرنے کی بات

نہیں ہے۔ وہیں جا کر بات کرے گی۔ وہیں فون بوتھ کے باہر کھڑے کھڑے اس کا ارادہ شاپنگ کا بن گیا۔ وہ اکیلی کبھی شاپنگ کے لیے نہیں گئی تھی۔ ہمیشہ فاطمہ یا عالیہ اس کے ساتھ ہوتیں۔ بھائی نے بھی سختی سے منع کیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد وہ گھر سے نہ نکلا کرے‘ اکیلے دیکھ کر یہاں کالے اکثر پرس چھین لیتے ہیں۔ پھر کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن آج وہ جیسے ہر احتیاط بھول کر مارکیٹ میں آ گئی تھی پھر شاپنگ کرتے ہوئے اسے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔ کرسمس سے پہلے لگنے والی سیل ابھی بھی لگی ہوئی تھی اور یہاں انگلینڈ میں سیل کا مطلب سیل ہی تھا۔ اس نے سب کزنز کے لیے سوئیٹر خریدے اور کچھ جوتے لیے۔ جب وہ روڈ پر آئی تو اسے احساس ہوا کہ دیر ہوچکی ہے۔ باہر نیون سائن جل رہے تھے۔ نیوڈ گرلز کے نیون سائن دیکھ کر اس نے برا سا منہ بنایا۔

”یہ لوگ مسلمان عورت کو آزادی دلانے کا نعرہ لگاتے ہیں اور خود ان کے ہاں عورت جتنی بے وقعت اور غیر محفوظ ہے کہیں اور نہیں۔ اس سے زیادہ عورت کی اور کیا بے حرمتی کیا ہوگی۔“ اس نے سوچا اور سڑک پر کسی ٹیکسی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

”ہنری! تم نے پہلے تو اس طرح نہیں پی؟“ بوب نے ہنری کو پانچواں پیگ لیتے دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں! لیکن آج میں پینا چاہتا ہوں اتنی کہ سب کچھ بھول جاؤں۔ تم نے سنا تھا نا‘ وہ لڑکی ڈانس پارٹی میں کیا کہہ رہی تھی کہ وہ اتنا پیتی ہے اتنا۔۔۔ کہ پھر کچھ یاد نہیں رہتا۔ ایسے ہی میں بھی کچھ یاد نہیں رکھنا چاہتا۔“

بوب حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ فرینک آہستہ آہستہ اپنے جام سے چسکیاں لے رہا تھا۔ جب وہ اس ڈانس پارٹی سے بور ہو کر آئے تو فرینک نے ہی

ایک پیگ پینے کی فرمائش کی تھی۔

''خاصی سردی ہے' تھوڑا گرم ہو جائیں گے اور نیند بہت مزے سے آئے گی۔'' لیکن ہنری نے مخالفت کی تھی۔

''ڈیڈ! انتظار کر رہے ہوں گے فرینک! تم ایسا کرو' بار سے اپنے لیے خرید لو اور اپنے روم میں جا کر پی لینا۔''

''تم!'' فرینک نے اس پر طنز کیا تھا۔

''تم اور تمہارے ڈیڈ لگتا ہے' کسی مسلمان کی اولاد ہیں۔''

ہنری خاموش رہا تھا۔ اس نے خلاف معمول فرینک کے طنز کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خود کل کے ڈیڈ کے رویے پر حیران تھا۔

''کم آن ہنری۔'' بوب کا بھی جی گرم ہونے کو چاہتا تھا' تب وہ خاموشی سے ان کے ساتھ اندر آیا تھا لیکن اب اندر آ کر مسلسل پیے جا رہا تھا۔

نور العین کا ذکر پہلے فرینک نے ہی کیا تھا۔

''مجھے ڈورتھی نے بتایا ہے کہ تم نور العین سے محبت کرنے لگے ہو؟''

''ہاں تو پھر؟'' ہنری نے اسے گھور کر دیکھا۔ حالانکہ ابھی اس نے صرف ایک پیگ لیا تھا۔

''اور یہ ڈورتھی کی بچی سب میں ڈھنڈورا پیٹتی پھر رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں اسے اپنی فیانسی بنا لوں لیکن۔۔۔'' وہ زور سے ہنسا۔

اور اس نے اپنے لیے ایک اور پیگ بنا لیا۔

پتا نہیں شراب ہی تیز تھی یا وہ یونہی بہک رہا تھا۔ صبح ڈورتھی نے ہی اسے بتایا تھا کہ جب نور العین ایسٹر کی چھٹیوں میں پاکستان جائے گی تو اس کی شادی ہو جائے گی پھر وہ یہاں سے اپنی ڈگری لے کر سیدھے اپنے شوہر کے پاس امریکہ چلی جائے گی۔

''تو مجھے کیا؟'' اس نے ڈور تھی سے تو یہی کہا تھا لیکن تب سے اب تک اس کے دماغ میں یہ بات چپک گئی تھی۔

وہ چلی جائے گی' اس کی شادی ہو جائے گی پھر وہ اسے کبھی نہیں دیکھ پائے گا۔ کبھی نہیں۔ عمر بھر نہیں۔ پوری زندگی میں بھی نہیں۔ اس کا ڈانس پارٹی میں جانے کا ارادہ بالکل نہیں تھا۔ اس کا دعوتی کارڈ اسے کئی دن پہلے سے ملا ہوا تھا۔ تب سے ہی اس کا ارادہ نہیں تھا۔

یہ مسز اسمتھ اور ان کی ڈانس پارٹیاں فضول بے ہنگم اچھل کود اور بیکار لوگ۔۔۔ لیکن پھر جب فرینک نے پوچھا تو وہ جانے کو تیار ہو گیا کہ وہ اس ملے گلے میں شریک ہو کر شاید نور العین کا خیال ذہن سے نکال سکے۔ جو ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ وہ سارا دن اسے نظر نہیں آئی تھی شاید وہ یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ لیکن حسب معمول وہ جلد ہی بور ہو گیا۔ ولگر سے ڈریسز میں ملبوس میک اپ سے لتھڑے چہرے والی لڑکیاں شراب کے نشے میں چور۔۔۔۔۔۔

اس کی آنکھوں کے سامنے پھر نور العین آ گئی تھی۔ ڈھکی چھپی' آنکھوں میں ایسی حیا اور چہرے پر وہ پاکیزگی اور معصومیت جو کسی چہرے پر اسے نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے کتنی ہی لڑکیوں کے ساتھ ڈانس کیا تھا۔ کئی ایک کو آئی لو یو بھی کہا تھا لیکن پھر خود دل ہی دل میں ہنس دیا تھا۔

''ہنری رابرٹ! یہ جو لفظ تم اس لڑکی سے کہہ رہے تھے تم جانتے ہو ان میں کچھ حقیقت نہیں۔ رتی بھر نہیں۔ تم یہ لفظ نور آن سے نہیں کہہ سکے۔ تو کسی اور کے لیے بھی یہ لفظ نہیں ہیں تمہارے پاس۔ تم جو بول رہے ہو یہ مردہ لفظ ہیں۔ ان میں زندگی نہیں' حرارت نہیں۔ پھر اس نے جلد ہی ان دونوں کو بھی وہاں اٹھنے سے مجبور کر دیا تھا اور اب فرینک کے مجبور کرنے پر وہ صرف ایک پیگ پینے کے لیے یہاں آیا تھا۔ اس نے سوچا تھا۔ یہ جو خیال ذہن سے چپک گیا۔ شاید وہ ذہن سے ہٹ جائے لیکن اب

تو نورالعین اور بھی یاد آ رہی تھی۔آج تک اس نے فرینک یا بوب سے نورالعین کے متعلق اپنے خیالات شیئر نہیں کیے تھے۔ڈورتھی بھی خود ہی اندازے لگاتی رہتی تھی لیکن اس نے تائید یا تردید کبھی نہیں کی تھی لیکن آج وہ گھونٹ گھونٹ وہسکی حلق سے نیچے اتارتے کہہ رہا تھا۔

''ہاں !میں اس سے محبت کرتا ہوں ۔وہ اسی لائق ہے۔محبت کرنے کے لائق ۔سب سے مختلف ہے وہ۔ڈیڈ کہتے ہیں ایک مسلم لڑکی کرسچن مرد سے شادی نہیں کرسکتی لیکن ایک کرسچن ایک مسلم لڑکی سے محبت تو کرسکتا ہے نا۔بولو بوب کرسکتا ہے نا؟''بوب خاموشی سے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

''لیکن اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔اس کا خیال خود یسوع مسیح نے میرے دل میں ڈالا ہے لیکن پھر اسے مسلم بنا دیا اس کی شادی بھی کروادی۔اب وہ چلی جائے گی اپنے ہسبنڈ کے پاس اور ہنری رابرٹ کا دل خالی ہو جائے گا۔میرا بھلا کیا قصور بوب !وہ مسلم لڑکی یہاں کیوں آئی ؟

اسے کسی نے منع کیوں نہیں کیا کہ وہ حسن کے اتنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر غریب ہنری کے سامنے مت جائے۔''اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تمہیں !اس میں ایسا کیا نظر آیا ہے ہنری ! وہ تو بہت عام سی لڑکی ہے۔''فرینک نے کہا۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں پتا لیکن وہ مجھے عام نہیں لگتی فرینک !وہ مجھے بہت خاص لگتی ہے۔''اس نے پھر ایک جام تیار کیا۔

''اب مزید نہ پیو۔تم سے برداشت نہیں ہوگی۔''بوب نے اسے روکا۔

''چلو واپس چلیں۔''

''نہیں تم جاؤ میں ابھی پیوں گا۔اتنا کہ اسے اور اس کا غم بھول جاؤں۔''

''یہ گیا کام سے۔''فرینک ہنسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

انہیں آج ضروری اسائنمنٹ تیار کرنا تھی ۔ورنہ سر جوزف کا موڈ آف ہو جاتا تھا اور کئی دن تک آف رہتا تھا۔

''سنو وہ لڑکی کچھ بھی نہیں ہے۔'' فرینک نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''ایک قابل نفرت مذہب کی قابل نفرت لڑکی۔ جب سے اسامہ بن لادن نے ورلڈ سنٹر پر جہاز گرائے ہیں۔ مجھے اس قوم سے نفرت ہوگئی ہے۔تم کہو تو کسی روز بازو سے پکڑ کر اسے تمہارے بیڈروم میں چھوڑ آؤں؟'' اسے بھی سرور آ رہا تھا۔

''شٹ اپ۔'' ہنری نے اسے جھڑک دیا۔

بوب نے تاسف بھری نظر اس پر ڈالی اور فرینک کا ہاتھ پکڑ کر بار سے باہر چلا گیا۔ ہنری میز پر سر رکھ کر ہولے ہولے سسکیاں لینے لگا۔اسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر یونہی رونے کے بعد اس نے پھر وہسکی منگوائی اور پینے لگا۔تب ہی ایک لڑکی اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

''تم اکیلے ہو۔''

''ہاں۔''

''کمپنی چاہیے؟''

''دے دو۔''

اس نے اس کی طرف دیکھا نہیں تھا ۔آنکھیں بند کیے چسکیاں لے رہا تھا اب زیادہ پینے سے اسے ہچکیاں آنے لگی تھیں۔

''کیا میں پی سکتی ہوں؟ لڑکی نے پوچھا۔

اس نے بوتل اس کی طرف کھسکاتے ہوئے اسے دیکھا۔اس کے ہونٹ سرخ لپ سٹک میں لتھڑے ہوئے تھے اور بغیر لپ سٹک کے وہ گلابی گلابی ہونٹ۔۔۔

''اف وہ تو بھولتی ہی نہیں اور وہ گدھے کی بچی کہہ رہی تھی ۔سب بھول جاتا

ہے کچھ یاد نہیں رہتا۔"

اس نے مخمور آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر کچھ دیر رومانس بگھارنے کی کوشش کرتا رہا۔لیکن وہ۔۔۔اور اس کی ادائیں۔۔۔

"اٹھ جاؤ یہاں سے۔" اس نے اسے دھکیلا۔وہ گرتے گرتے بچی۔

"تمہیں نشہ ہو گیا ہے۔چلو کہیں چلیں؟ تمہارے گھر یا میرے گھر چلو گے؟"

"شٹ اپ۔"

"دفعان ہو جاؤ۔" وہ دھاڑا۔

"اور میں جو اتنی دیر سے یہاں بیٹھی وقت ضائع کر رہی ہوں؟"

"کیا چاہتی ہو؟"

"وقت کی قیمت۔"

اس نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر میز پر پھینک دیئے۔لڑکی کی آنکھوں میں حریص سی چمک لہرائی اس نے تیزی سے نوٹ جھپٹ لیے کہ کہیں اس میں سے کچھ واپس نہ لے لے اور میزوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ایک اور ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئی۔

"اور تم عورتیں کیا جانو' کسی ایک مرد کے ساتھ زندگی گزارنا۔اس کی ہو کر رہنا۔" اسے اپنی ماں یاد آ گئی جو اب نہ جانے اپنے چوتھے یا پانچویں شوہر کے ساتھ رہ رہی تھی۔

"اور وہ اب ساری زندگی اسی ایک مرد کے ساتھ گزارے گی۔اس کے بچے پیدا کرے گی۔ایک مکمل گھر۔۔۔آہ۔۔۔" اس نے سسکی لی اور مکمل گھر ہنری رابرٹ کا نہیں ہوگا۔اس نے لیمن کا ایک گلاس منگوا کر نشہ کم کرنے کی کوشش کی اور بل ادا کر کے باہر نکل آیا۔کچھ دیر کھلی فضا میں کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لیے اور پھر پارکنگ

سے گاڑی باہر روڈ پر لے کر آیا۔ اسٹیرنگ پر ہاتھ جمائے رکھنے میں اسے دقت ہو رہی تھی لیکن وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

"بے چارے ڈیڈ میرے انتظار میں جاگ رہے ہوں گے۔" وہ ہنسا۔

"ویسے اب انہیں کسی اولڈ ہاؤس میں جا کر اپنے جیسے بوڑھوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔"

اس کی ذہنی رو بار بار بہک جاتی تھی۔ پھر اسے وہ نظر آ گئی۔ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی تو اس نے قہقہہ لگایا

"اچھا بھلایا ہے میں نے اسے وہ تو مجسم سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔" اس نے آنکھیں ملیں۔

کیا یہ کوئی الوژن ہے یا حقیقت۔" اس نے گاڑی آہستہ سے اس کے قریب روک دی اور اسے آواز دی۔

"نور آن!"

نور العین نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ہنری کو کھڑکی سے جھانکتے دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ایک اور حیران کن بات۔" اس نے زیر لب کہا۔

"آج میرا الوژن جانے کیا کیا دکھا رہا ہے مجھے۔"

"تم یہاں کیوں کھڑی ہو نور آن؟"

"ٹیکسی کا انتظار کر رہی ہوں۔" اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھے۔

"اکیلی ہو؟"

"ہاں۔"

"تو چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

ایک لمحہ کو اس نے سوچا اور پھر سر ہلا دیا۔

ہنری نے آٹومیٹک لاک کھولا تو وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

''تھینک یو ہنری!''

اس نے بڑی اپنائیت سے اسے دیکھا۔ آج سے پہلے کبھی ہنری اسے اس طرح کی آفر کرتا تو وہ صاف انکار کر دیتی لیکن آج اور بات تھی۔ آج وہ اسے اپنا اپنا سا لگا تھا۔ یہ لڑکا یقیناً اس کا کزن تھا۔ اس کے گم شدہ تایا کا بیٹا' اسے یقین تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا وہ ہنری کو بتائے اس کے ڈیڈ کے متعلق۔ اپنے اندازے کے متعلق اور یہ کہ۔۔۔ بتائے کہ نہ بتائے وہ اسی تذبذب میں بیٹھی تھی کہ ہنری نے گاڑی اپنے اپارٹمنٹ کے سامنے روک دی۔ وہ چونکی اس کے چہرے پر گھبراہٹ سی نظر آئی۔ کیا اس نے ہنری کے ساتھ آ کر غلط کیا ہے۔ وہ خوف زدہ ہو گئی۔

''یہ یہاں۔''

''پلیز۔'' ہنری نے مڑ کر لجاجت سے کہا۔

''صرف تھوڑی دیر کے لیے میں ایک کپ کافی پینا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ڈرائیو نہیں کر سکوں گا۔ کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھوں۔ دراصل میں نے آج تھوڑی سی پی لی تھی۔''

اور پہلی بار اس نے دیکھا کہ اسٹیرنگ پر رکھے ہنری کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

''آل رائیٹ ہنری! تم ریسٹ کرو۔ میں یہاں سے ٹیکسی لے لیتی ہوں بلکہ وہ سامنے ٹیلی فون بوتھ نظر آ رہا ہے مجھے' میں ٹیکسی کے لیے فون کر دیتی ہوں۔''

''پلیز نورآن! میں تمہیں خود ڈراپ کر دوں گا۔ تم جب تک ڈیڈ سے باتیں کرنا جب تک میں کافی پی لوں گا اور اگر میری طبیعت ٹھیک نہ ہو سکی تو میں ولسن سے کہوں گا وہ ڈرائیو کر لے گا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ڈیڈ سے تو وہ باتیں کرنا چاہتی تھی ''میں ان کو نجم النساء پھپھو کے متعلق بتاؤں گی اور ان سے جو بات ہوئی ہے اس کے متعلق۔''

وہ گاڑی پورچ میں لے آیا تھا۔ پھر وہ دونوں آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔

''تم بیٹھو نور آن۔۔۔''

وہ بیٹھ گئی تو اس نے ولسن کو آواز دے کر کافی بنانے کے لیے کہا۔

''ڈیڈ غالباً سو گئے ہیں۔'' اس نے ان کے بیڈ روم کے بند دروازے کو دیکھا۔ دروازے کے نیچے سے مدھم سی روشنی کی لکیر باہر آ رہی تھی۔

''ڈیڈ جلدی نہیں سوتے لیکن کل رات وہ جاگتے رہے ہیں بالکل نہیں سوئے۔

نور العین کو پہلی بار محسوس ہوا کہ بات کرتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔

''کیا یہ بہت زیادہ نشے میں ہے۔'' اس نے سوچا لیکن یہاں وہ اکیلی تو نہیں ولسن ہے اور پھر اس کے ڈیڈ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اندر سے خوف زدہ ہو گئی تھی اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی۔

''یا اللہ میری حفاظت کرنا۔''

ولسن نے چند منٹوں میں کافی تیار کر لی تھی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' اس نے ولسن کو بھیج دیا اور گرم گرم کافی کے بڑے بڑے گھونٹ بھرنے لگا۔ نور العین نے کافی کا کپ نہیں اٹھایا تھا۔ کیا خبر اس میں کچھ ملا ہو۔ کچھ نشہ آور دوا۔ حالانکہ سڑک پر کھڑا رہنے سے اسے کافی ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی لیکن مارے خوف کے اس نے کافی نہیں پی۔

''میرا موڈ نہیں ہے۔'' کافی ختم کر کے وہ نور العین کی طرف دیکھنے لگا۔ اس

کی آنکھوں میں وارفتگی تھی ۔نورالعین نے نظریں جھکالیں ۔وہ اٹھااوراس کے پاس کارپٹ پرگھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''نورآن !میں تم سے محبت کرتاہوں' تب سے جب پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا تھا۔آج صبح میں نے سوچا تھا۔کبھی ایسا ہوجائے کہ تم میرے سامنے بیٹھی ہواور میں ساری رات تمہیں دیکھتارہوں ایسے جیسے پجاری اپنے دیوتا کے سامنے بیٹھا اسے دیکھتا ہے۔''

اس نے اپنا سر نورالعین کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔نورالعین نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر نیچے دھکیلا اور کھڑی ہوگئی۔

''تم نشے میں ہو ہنری !اور تمہیں خبر نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو میں جارہی ہوں۔''

''نہیں' مت جاؤ' صرف آج کی رات یہاں رہ جاؤ میرے پاس ۔مجھ سے باتیں کرو۔میری باتیں سنو۔صرف ایک رات مجھے دے دو نورآن ۔۔۔'' وہ ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈالتی دروازے کی طرف بڑھی تو اس نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں' پلیز مت۔جاؤ۔''

''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' نورالعین جھٹکا دیتے ہوئے غیرارادی طور پر بلند آواز میں چیخی لیکن وہ بہت مضبوطی سے اس کی کلائی تھامے ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں' چھوڑدو غلیظ انسان۔''

وہ پھر چیخی' تب ہی بیڈروم کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر جان رابرٹ باہر آئے ان کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہورہی تھیں اور چہرہ ستا ہوا تھا۔

''کیا ہورہا ہے؟'' انہوں نے ہنری کو دیکھا اور پھر نورالعین کو۔

''ڈیڈ! نور آن میری بات نہیں مانتی۔''

''ہنری!'' وہ غرائے۔

''چھوڑ دو اس کا ہاتھ۔''

''ڈیڈ! بس ایک رات 'صرف آج کی رات۔''

''ہنری۔'' ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ بے اختیار غصے سے انہوں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا' نور العین کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ رخسار پر ہاتھ رکھے حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

''ڈیڈ! آپ نے مجھے مارا اس کے لیے۔'' وہ لڑکھڑاتا ہوا پھر اس کی طرف بڑھا۔

''میں تو بس صرف اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں ۔اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

انہوں نے ہلکا سا دھکا دے کر اسے صوفے پر گرا دیا۔

''ولسن!'' انہوں نے آواز دی۔

''ہنری کا خیال رکھنا یہ بہت پیئے ہوئے ہے میں اس بچی کو چھوڑ آؤں۔''

''ڈیڈ!'

انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔

''سوری' یہ نشے میں ہے ورنہ وہ اس طرح کا نہیں ہے ۔تم اس وقت کیسے۔۔۔''

''میں شاپنگ کے لیے نکلی تھی ۔ہنری اتفاقاً مل گیا۔ اس نے مجھے ڈراپ کرنے کے لیے کہا تھا۔'' وہ ابھی سہمی ہوئی تھی۔

باہر پورچ میں ہنری کی گاڑی کھڑی تھی اگنیشن میں چابی لٹک رہی تھی اس عمر میں بھی وہ اپنی ذاتی گاڑی خود ڈرائیو کرتے تھے ۔ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا

تھا صرف نو بجے تھے۔

انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''تمہیں کسی سے لفٹ نہیں لینا چاہیے تھی۔''

''میں کبھی کسی سے لفٹ نہیں لیتی لیکن آج ہنری۔۔۔'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''میں نے آج نجم النساء پھپھو سے فون پر بات کی تھی۔'' کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

وہ چونکے لیکن خاموش رہے۔

''انہوں نے کہا تھا' میں آپ سے پوچھوں۔ کیا آپ مولوی عبدالحق کے بیٹے ہیں۔ کیا آپ کا نام سعید ہے؟''

وہ پھر خاموش رہے۔

''میں حیران ہوں اگر آپ سعید انکل ہیں تو پھر یہ جان رابرٹ۔۔۔؟''

وہ بالکل خاموش ہونٹ بھینچے ڈرائیو کر رہے تھے۔

''شاید اللہ تو انہیں معاف کر دے گا۔ آج بھی مسلسل کتنے گھنٹوں سے رو رو کر اللہ سے معافیاں مانگتے رہے تھے۔ لیکن کیا وہ بھی انہیں معاف کر دیں گے۔ کتنا بڑا گناہ ہوا تھا ان سے، کتنی بڑی غلطی ہو گئی تھی پیسے کی ہوس اور لالچ کتنے بزدل تھے وہ' نہ ان قناعت تھی نہ ان میں صبر۔''

''تو میں کہوں پھپھو سے کہ آپ سعید انکل ہیں؟'' اس نے اپنا سوال دہرایا۔

''اگر آپ سعید انکل ہی ہیں تو پھر انکار کیوں کر رہے ہیں؟ پھپھو بوڑھی اور بیمار ہیں۔ عبدالعزیز چاچا بھی اکثر بیمار رہنے لگے ہیں کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ بچھڑے بہن بھائیوں سے ملیں۔ میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ آپ سعید سے

جان رابرٹ کیسے بنے' بس صرف اتنا بتادیں کہ آپ سعید ہیں۔ مولوی عبدالحق کے بیٹے جو سانناہار میں رہتے تھے اور پاکستان بننے سے پہلے ان کا ایک بیٹا جس کا نام سعید تھا' اچانک کھو گیا تھا۔ وہی سعید۔۔۔"

انہوں نے ایک طویل سانس لی۔ دل جیسے سینے کے اندر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"دیکھو' کیا تم مجھے اپنی پھپھو کا نمبر دے سکتی ہو؟"

انہوں نے پھر بھی اعتراف نہیں کیا تھا لیکن اس کی آنکھیں جگمگ کرنے لگی تھیں۔ وہ بڑے اشتیاق سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔ اس نے فوراً پرس سے قلم اور چھوٹی ڈائری نکال کر نجم النساء کا نمبر لکھا اور ان کی طرف بڑھایا۔

اور عجیب خوشی سے بولی۔ جیسے ان کے اعتراف نہ کرنے کے باوجود جان گئی تھی وہی سعید انکل ہیں۔

"آپ بالکل عبدالعلی انکل جیسے ہیں۔ بس ان کی داڑھی ہے اور عمر میں آپ سے چھوٹے ہیں۔" وہ بڑے یقین سے کہتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔ بہت اشتیاق سے بہت محبت سے۔

انہوں نے کچھ کہے بنا اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر تیزی سے گاڑی میں بیٹھ کر اسے ریورس کرنے لگے۔

☆......☆......☆

ہنری بے حد سنجیدہ سا بیٹھ کر کافی پی رہا تھا۔ اس کا سر بھاری ہو رہا تھا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ اور یہ رات کی شراب کا اثر تھا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ صوفے پر ہی سو رہا تھا۔

"میں یہاں کیوں سو رہا ہوں؟" اس نے سوچا تو رات کے واقعات دھندلے دھندلے سے یاد آئے۔ وہ ڈانس پارٹی میں گیا تھا پھر اس نے شراب پی تھی

پھر، پھر کیا ہوا تھا اسے راستے میں نورآن مل گئی تھی۔نورآن نہیں۔۔۔ بھلا وہ کہاں۔۔۔وہ شاید میرے ساتھ آئی تھی یہاں پھر میں نے منت کی تھی۔صرف ایک رات مجھے ادھار دے دے۔میں اسے جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں لیکن پھر ڈیڈ۔اس نے بایاں ہاتھ بے اختیار اپنے رخسار پر رکھا۔نہیں شاید میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔

''ولسن!'' اس نے الجھے الجھے سے انداز میں ولسن کو آواز دی۔

وہ بچپن سے ولسن کو اپنے گھر دیکھ رہا تھا۔وہ ڈیوڈ کے ساتھ ہی ان کے گھر آیا تھا۔ڈیوڈ کا بھتیجا تھا۔دونوں نیگرو تھے لیکن بہت وفادار۔وہ ولسن سے خاصا بے تکلف بھی تھا۔وہ تقریباً اس کا ہم عمر تھا بچپن میں اس نے اپنے کئی راز اس کے ساتھ شیئر کیے تھے۔

''ولسن! کیا رات کو میرے ساتھ کوئی تھا؟''

''جی سر! آپ کی دوست تھیں۔'' ولسن نے ساری تفصیل بتا دی۔

''کیا سوچتی ہوگی نورآن۔''

اس نے بڑی خفت محسوس کی لیکن ڈیڈ کے ردعمل پر حیرت بھی ہوئی ڈیڈ نے اس اجنبی لڑکی کے لیے مجھے تھپڑ مارا جب کہ انہیں جان لینا چاہیے تھا کہ میں نشے میں ہوں۔وہ دل ہی دل میں ان سے ناراض سا ہو گیا۔

آج وہ یونیورسٹی جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔اس نے آج کا دن ڈیڈ کے ساتھ گزارنے کا سوچا تھا۔وہ کل واپس جا رہے تھے اور اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ڈیڈ اس سے جدا ہونے والے ہیں۔کوئی لمبی جدائی پڑنے والی ہے شاید بہت دنوں تک وہ ان سے نہ مل سکے یا پھر شاید کبھی بھی نہیں پتا نہیں کیوں صبح سے بار بار اسے یہ خیال آ رہا تھا۔

ڈیڈ کمرے سے باہر نہیں نکلے تھے۔اس نے تنہا ہی ناشتہ کیا اور اب لاؤنج میں بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

''ڈیڈ شاید سو رہے ہیں انہیں کچھ دیر آرام کر لینا چاہیئے۔'' اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی لگا دیا اور ٹی وی دیکھ رہا تھا جب جان رابرٹ خاموشی سے آ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اس نے مڑ کر انہیں دیکھا آج بھی ان کی آنکھیں بے حد سرخ اور سوجی ہوئی تھیں چہرا ستا ہوا تھا جیسے آج رات بھی وہ جاگتے رہے ہوں۔

''یقیناً ڈیڈ کی طبیعت بہت خراب ہے لیکن وہ چھپا رہے ہیں۔ میں ڈیوڈ کو فون کر دوں گا کہ وہ فوراً ڈیڈ کے وہاں پہنچتے ہی ان کے ڈاکٹر سے رابطہ کرے۔''

''تم اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' ان کا لہجہ نرم تھا۔

''بہتر۔'' اس نے ندامت محسوس کی۔

''سوری' میں رات زیادہ پی گیا تھا حالانکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' وہ خاموش رہے۔

''لیکن ڈیڈ! آپ نے مجھے تھپڑ مارا اس لڑکی کے لیے جو آپ کی کچھ نہیں لگتی تھی۔'' لہجے میں شکوہ در آیا تھا۔

''وہ لڑکی بھی میری اتنی ہی اپنی تھی جتنے تم۔'' وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''تاہم اگر تمہیں برا لگا ہے تو میں سوری کر لیتا ہوں۔'' مگر ہنری ان کے پہلے ہی جملہ میں الجھ گیا تھا۔

''وہ لڑکی آپ کی اپنی تب ہو سکتی تھی جب وہ مجھ سے شادی کر لیتی لیکن اب کیسے وہ آپ کی اپنی ہو سکتی ہے۔ وہ پاکستان سے آنے والی ایک مسلمان لڑکی ہے۔''

''اور اگر میں کہوں' اس کے باوجود وہ میری اتنی ہی اپنی ہے تو؟'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگے وہ اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر کے کمرے سے باہر آئے تھے لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے بات شروع کریں گے اب ہنری نے شکوہ کر کے ان کے لیے بات شروع کرنا آسان کر دیا تھا۔

''کیسے۔۔۔؟'' ہنری پوچھ رہا تھا۔

''صرف اس لیے کہ وہ میرے دل میں بستی ہے۔ میں نے اسے لائف پارٹنر کے لیے چنا تھا لیکن بدقسمتی سے اس کے اور میرے بیچ مذہب کے فاصلے ہیں۔'' ہنری نے پوچھا۔

''وہ اس حوالے سے بھی مجھے بہت عزیز ہوگئی تھی لیکن ایک اور بھی حوالہ ہے میں کل سے سوچ رہا ہوں ہنری! کہ دنیا واقعی سمٹ کر ایک گلوبل ولیج بن گئی ہے برسوں کے بچھڑے کہیں نہ کہیں کسی راستے پر مل ہی جاتے ہیں۔''

ہنری کچھ حیرت اور کچھ ناسمجھی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ لڑکی بھلا ان سے کہاں اور کس موڑ پر بچھڑی تھی۔

''اگر میں کہوں کہ یہ لڑکی تمہارے سگے چاچا کی بیٹی ہے تو۔۔۔؟''

''امپاسبل ڈیڈ۔۔۔! آپ پلیز یہ مذاق مت کریں۔''

''یہ مذاق نہیں ہے ہنری!'' وہ بے حد سنجیدہ تھے۔

''یہ آج سے ساٹھ سال پہلے کی بات ہے۔۔۔'' وہ بول رہے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر دھیمے دھیمے اور ہنری حیرت سے سن رہا تھا۔ انہوں نے بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔ جیسے پتھر کا ہو۔

رات جب وہ نورالعین کو چھوڑ کر آئے تو ہنری صوفے پر سویا ہوا تھا۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی نمی تب بھی موجود تھی۔ وہ کچھ دیر وہاں ہی کھڑے اسے دیکھتے رہے وہ اسے سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے اور بھی کچھ فیصلے کیے تھے پاکستان جانے اور جانے سے پہلے کسی مسجد یا اسلامی سینٹر میں جا کر اسلام قبول کرنے کے کیونکہ وہ جان رابرٹ بن کر نہیں سعید بن کر پاکستان جانا چاہتے تھے اور یہاں سب انہیں جان رابرٹ کے نام سے جانتے تھے جیمز رابرٹ کے بیٹے کی حیثیت سے۔ کوئی ان کا ماضی نہیں جانتا تھا۔ انہیں کسی کو ماضی کی کہانی نہیں سنانا تھی

لیکن حال کی تبدیلی سے آگاہ ضرور کرنا تھا۔اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ جان رابرٹ سے محمد سعید بن کر جائیں۔انہوں نے ڈیوڈ کو فون کر کے وکیل سے بھی ٹائم لے لیا تھا۔کیا پتا وہ پاکستان جا کر پھر کبھی واپس نہ آئیں۔کیا خبر وہاں کی مٹی انہیں بلا رہی ہو۔تہتر برس کے بعد اب انہیں اور کتنا جینا تھا بھلا۔

آج رات بھی وہ ایک پل نہیں سوئے تھے۔انہوں نے آج بھی سجدے میں گر کر، رو رو کر، گڑگڑا کر اللہ کو پکارا تھا۔معافی مانگی تھی۔بخشش کی طلب کی تھی ابتدائے اسلام میں لوگوں نے کتنی سختیاں جھیلی تھیں۔کتنی تکالیف برداشت کی تھیں لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی تھی۔انہوں نے تو کوئی تکلیف بھی نہیں سہی تھی۔بس ایک خواہش کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے تھے اور نہ جانے کون کون اپنی خواہشات سے مغلوب ہو رہا تھا۔دولت کا ناگ این جی اوز کی شکل میں مدد کے روپ میں انہیں ڈس رہا تھا۔انہوں نے بہت دن پہلے ایک رپورٹ میں پڑھا تھا۔

''قیام پاکستان کے وقت ایک فیصد عیسائی تھے اب 25 فیصد ہیں سیلابوں میں مدد کے لیے آنے والوں نے انہیں روٹی، کپڑے اور امداد کا لالچ دے کر۔۔۔ان کا مذہب بدلا گیا۔

ہم اتنے کمزور کیوں ہیں۔ہم اللہ کے توکل پر ان تکالیف کو برداشت کرنے کی بجائے مغلوب کیوں ہو جاتے ہیں' ایسا کیوں ہے میرے اللہ۔۔۔؟'' وہ روتے رہے تھے۔ان کے آنسو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں تھمے تھے۔وہ شدید چاہت کے باوجود بھی نجم النساء کو فون نہیں کر سکے تھے۔لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج۔۔۔ہاں۔۔۔وہ انہیں فون ضرور کریں گے۔

''میں سعید ہوں آپا۔'' وہ انہیں بتائیں گے۔وہ نام جو ساٹھ سال پہلے جان رابرٹ کی موت کے ساتھ دفن ہو گیا تھا۔

''نہیں۔'' بڑی دیر بعد ہنری کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی تو وہ چونک کر اسے

دیکھنے لگے۔

''نہیں۔'' اس نے پھر کہا اور ساتھ ہی اس کے لبوں سے قہقہہ چھوٹ گیا عجب ہذیانی سی ہنسی تھی اس کی۔

''میں نے ہمیشہ آپ کو آئیڈیالائز کیا۔ ساری زندگی یہ سمجھتا رہا کہ میرا باپ دنیا کا بہترین باپ ہے۔ کسی ولی کسی سینٹ جیسا پارسا اور نیک۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی طرف دیکھ کر پھر ہولے سے ہنسا ویسی ہی ہنسی۔

''آپ شراب نہیں پیتے تھے۔ پگ کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ کیونکہ اسلام میں حرام ہے۔ میں سمجھتا تھا۔ آپ کو پسند نہیں ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے مجھے سیب اور گوبھی پسند نہیں ہے۔''

اب وہ لاؤنج میں چکر لگا رہا تھا۔ چلتے چلتے اس نے کچھ دیر رک کر انہیں تمسخر سے دیکھا اور پھر بولا۔

''آپ کبھی نائٹ کلب اور کسینو میں نہیں گئے۔ کسی لڑکی کے ساتھ ڈیٹ نہیں ماری۔ جوا نہیں کھیلا۔ لیکن آپ تو اپنے مذہب کا حکم مان رہے تھے میں جسے فرشتہ اور ولی سمجھتا تھا۔ وہ تو سرتا پا جھوٹ تھا۔ منافق اور فریبی' جان رابرٹ کے جھوٹے لبادے میں محمد سعید میرا آئیڈیل' ایک فریب تھا سراسر۔ آپ نے ڈیڈ۔۔۔!'' وہ ٹی وی کے اوپر کہیں ٹکا کر انہیں دیکھنے لگا۔

''آپ نے صرف سر جیمز کو ہی دھوکا نہیں دیا بلکہ اپنے ساتھ بھی دھوکا کیا ہے خود کو بھی ساری زندگی اس کا فریب دیتے رہے ہیں جو آپ نہیں تھے۔ آپ مسلم اقوام کی حمایت کرتے تو میں سمجھتا کہ میرا باپ ایک اعلیٰ ظرف آدمی ہے جس کے دل میں بلاتفریق ہر مذہب کے لیے تڑپ ہے جو حق کا داعی ہے سچ کا حامی۔''

وہ سر جھکائے ہاتھ گود میں رکھے بیٹھے تھے۔ وہ ہنری سے کسی نہ کسی ردعمل کی توقع تو کر رہے تھے لیکن نہیں جانتے تھے کہ اس پر اس طرح کا ردعمل ہوگا۔

''تو آپ کسی سنٹر یا مسجد میں جا کر اسلام قبول کریں گے تا کہ کسی مسلمان کی طرح دفن ہوں۔لوگ کہیں گے جان رابرٹ نے 73 برس کی عمر میں اسلام قبول کر لیا حالانکہ جان رابرٹ تو جان رابرٹ تھا ہی نہیں۔وہ تو ہمیشہ سے محمد سعید تھا۔جان رابرٹ کا تو صرف لبادہ اوڑھ رکھا تھا اس نے۔وہ غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پھر ان کے سامنے آ کر رک گیا اور عجیب مذاق اڑاتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''میں اب کیا کروں گا؟ آپ یقیناً چاہتے ہوں گے کہ آپ کے ساتھ جا کر میں بھی اسلام قبول کر لوں۔لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔میں نے کہا تھا کہ میں صرف نور العین کے ساتھ شادی کر کے مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔جو آپ چاہتے ہیں انتیس سال تک میں خود کو عیسائی سمجھتا رہا۔ہر دکھ پریشانی میں نے مقدس مریمؑ اور یسوع مسیحؑ کو یاد کیا۔میری انگلیوں نے سینے پر صلیب بنائی' اب آپ نے تو ایک سچائی بیان کر دی ہے لیکن میں اس سچائی کا متحمل نہیں ہو پا رہا۔میں نہیں جانتا کہ میں کیا کروں گا لیکن اس وقت میرے اندر آپ کے آئیڈیل کا جو بت ٹوٹا ہے اس سے بہت گرد اڑ رہی ہے۔مجھے اس گرد میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرے باپ نے جو 29 سال تک میرا آئیڈیل رہا۔محض کچھ حاصل کرنے کے لالچ میں اپنا مذہب بدلنے کا ڈھونگ رچایا۔ساٹھ سال تک اندر سے مسلمان رہ کر عیسائیت کا لبادہ اوڑھے رکھا جس نے اپنے سارے رشتوں کو صرف اپنی غرض کی خاطر چھوڑ دیا۔یہ سب بہت تکلیف دہ ہے اس وقت میرے لیے۔میری برداشت سے باہر ہے یہ ڈیڈ۔۔۔!''

اور جان رابرٹ کو لگا جیسے ہنری نے ان کے رخساروں پر طمانچہ مار دیا ہو۔

''میں کوشش کروں گا کہ کبھی خود کو اسلام کا مطالعہ کرنے پر مائل کر سکوں اور اگر اس سے انسپائر ہو جاؤں تو شاید لیکن عین ممکن ہے۔میں ایسا کبھی نہ کر سکوں بہر

حال میرے اور آپ کے درمیان جو باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے وہ تو ہمیشہ رہے گا ہی بالکل ایسے ہی جیسے جان رابرٹ بننے کے باوجود آپ مولوی عبدالحق کے بیٹے رہے آپ کی طرح میں بھی مسلمان باپ کا بیٹا عیسائی بن کر زندگی گزار دوں گا۔ ہوسکتا ہے اس رشتے کے حوالے سے میں کبھی کبھار آپ سے مل لوں۔ فی الحال میرے اندر بہت ٹوٹ پھوٹ ہے۔ بہت شور ہے۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ چل کر محض اس لیے اسلام قبول نہیں کرسکتا کہ اب آپ مسلمان ہیں۔"

انہیں ایک اور طمانچہ لگا۔ کچھ تو سزا ملنی تھی انہیں اپنے اس گناہ کی۔ یہ ان کی پوری زندگی کا حاصل تھا جسے انہوں نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا تھا۔ 29 سال سے وہ اس کے عشق میں مبتلا تھے لیکن جو ایک سزا کی طرح ان کے سامنے کھڑا تھا ان کا گناہ بہت بڑا تھا اور سزا بھی۔

وہ ساری رات سجدے میں گرے دعائیں مانگتے رہے تھے۔ اپنی بخشش کی اور زندگی کے باقی ماندہ دنوں میں بھی انہوں نے یہی کرنا تھا۔ اپنی بخشش کی دعا اور اس سزا کے ختم ہوجانے کی التجا۔ شاید کوئی شنید ہو۔

شاید اس پر خالق باری تعالیٰ کو رحم آجائے اور شاید ان کی سزا کم ہوجائے۔

"میں کل کی بجائے آج ہی لانگ ایٹن جا رہا ہوں اور پھر چند دنوں تک پاکستان چلا جاؤں گا۔ شاید میں کبھی واپس نہ آؤں۔ وکیل تم سے مل لے گا۔"

"لیکن کیا آخری بار تم اپنے فریبی' جھوٹے اور منافق باپ کے گلے لگ کر ملنا پسند کرو گے؟"

انہوں نے ہاتھ پھیلائے۔ ہنری کسی روبوٹ کی طرح چلتا ہوا ان تک آیا انہوں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا لیکن اس میں نہ گرم جوشی تھی نہ حرارت۔ ان کے بازو پہلوؤں میں گر گئے۔

"ولسن! ڈیڈ کو ائیر پورٹ چھوڑ آنا۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ ان کی طرف

دیکھے بغیر اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

1946ء نے ان کے دامن میں بہت ساری جدائیاں ڈالی تھیں اور اب ساٹھ سال بعد پھر ان کے دامن میں ایک جدائی کا دکھ آپڑا تھا۔ تب جدائیوں کے دکھ کے ساتھ ایک امید تھی دامن دل سے بندھی تھی ایک روشن مستقبل کی۔

لیکن آج ان کے دامن میں صرف جدائی کا دکھ تھا۔ بیتے ہوئے ماہ وسال کے پچھتاوے تھے اور ایک نہ ختم ہونے والی سزا کی اذیت۔

☆ ☆ ☆

برزخ

''نور آن!'' ہنری نے گو بہت آہستگی سے اسے آواز دی تھی لیکن نور العین نہ صرف رک گئی بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک مہربان مسکراہٹ تھی اور وہ بڑی اپنائیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اگر آج سے ایک ہفتہ پہلے نور العین نے اسے اس اپنائیت بھری مسکراہٹ سے نوازا ہوتا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتا لیکن آج ایسا نہ تھا۔ دل میں کہیں کوئی ارتعاش پیدا نہ ہوا تھا نہ وہاں خوشی کے رنگ بکھرے تھے وہاں تو بس ایک جامد سناٹا طاری تھا اور اس دن کے لیے اس نے کتنی ہی بار دعا مانگی تھی جب نور العین میں اس کے لیے اپنائیت اور محبت ہو آج جب ایسا ہوا تھا تو وہ اس کے قریب آ کر بالکل ساکت کھڑا ہو گیا تھا۔

''نور آن!'' اس نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''مجھے تم سے ایک درخواست کرنا تھی۔'' اس نے ایک بے حد سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی لیکن پھر بھی نظریں اس کی سیاہ دلکش آنکھوں میں الجھ گئیں تو اس نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔

''میں چاہتا ہوں نور آن! کہ تم۔۔۔''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ خاموش ہو گیا۔ زندگی میں کبھی ایسی مشکل سے دو چار نہیں ہوا تھا اور نہ کبھی مافی الضمیر بیان کرنے میں اسے اتنی دقت ہوئی تھی۔

''ہاں' کہونا' کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو خیریت ہے نا! تم چھ دن سے یونیورسٹی بھی نہیں آ رہے؟''

اس کے لہجے میں نرمی تھی اور آنکھوں میں اپنائیت۔

''تمہارے ڈیڈ تو ٹھیک ہیں نا۔ کیا وہ لانگ ایٹن واپس چلے گئے؟''

''ہاں ڈیڈ!'' اس نے ایک گہری سانس لی۔

''مجھے ڈیڈ کے متعلق ہی تم سے بات کرنا تھی۔ وہ میں۔۔۔'' اس نے تھوک نگلا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں کسی سے بھی ڈیڈ کے متعلق بات نہ کرو۔ کسی کو نہ بتاؤ کہ وہ مسلم تھے۔ تمہارے رشتہ دار کسی مولوی عبدالحق کے بیٹے تھے اور انہوں نے۔۔۔''

''کیا؟'' نور العین کی بے حد دلکش آنکھوں میں ایک لمحہ کے لیے حیرت نمودار ہوئی اور دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ اتر آئے اور جب وہ بولی تو اس کے چہرے پر دبا دبا جوش تھا۔

''مجھے یقین تھا ہنری! کہ وہ۔۔۔ آئی مین تمہارے ڈیڈ میرے کھوئے ہوئے' یا ابا ہیں ہنری! جب وہ عبدالمنان سے سانتاہار کے مولوی عبدالحق کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ وہ اپنے والد کو فون کر کے پتا کرے کہ کیا مولوی عبدالحق کے خاندان

کے بھی سب لوگ مارے گئے تو ان کے لہجے میں جو کرب تھا اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس شخص کا کوئی رشتہ ہے مولوی عبدالحق سے اور پھر جب اس روز انہوں نے مجھ سے پھپھو نجم النساء کا فون نمبر لیا تو تب تو میرے یقین پر مہر لگ گئی تھی لیکن انہوں نے تب اعتراف نہیں کیا تھا کہ وہ محمد سعید ہیں اور کیا۔۔۔اب انہوں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ وہ محمد سعید ہیں؟"

وہ بغیر رکے بولے جا رہی تھی اور اس کی سنہری رنگت میں سرخی گھل گئی تھی۔

"ہاں۔" ہنری کے لبوں سے بمشکل نکلا۔

"اوہ!" اس کی سیاہ آنکھوں میں بے تحاشا چمک اتر آئی تھی۔

"انہوں نے میرے سامنے اعتراف نہیں کیا تھا لیکن میں جانتی تھی وہ۔۔۔وہی ہیں محمد سعید ہنری! اب وہ کہاں ہیں تمہارے اپارٹمنٹ میں؟ میں ان سے ملنا چاہوں گی۔اس نئے حوالے کے ساتھ۔مائی گاڈ کیسا لگے گا اس طرح ایک نئے رشتے کے ساتھ ان سے ملنا۔"

"کیسا لگے گا اس نئے رشتے اس نئے ماحول کے ساتھ تمہیں دیکھنا۔نور آن کیسا لگ رہا ہے؟" ہنری نے زیر لب کہا اور سر اٹھا کر نور العین کی طرف دیکھا اس نے اس سے پہلے اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔وہ زیادہ سنجیدہ رہتی تھی۔

"ہاں کیسا لگ رہا ہے؟"

اس نے پھر سوچا لیکن اندر چاروں طرف سکوت چھایا ہوا تھا ایسی جامد چپ جیسے معبدوں اور ویران حویلیوں میں ہوتی ہے۔

"پتا نہیں۔" اس نے اندر کی خاموشی سے گھبرا کر کہا۔

"لیکن میں تم سے یہ کہنا چاہ رہا تھا نور آن! کہ یہاں کسی کو یہ بات مت بتانا کہ میرے ڈیڈ کے والدین مسلم تھے اور یہ کہ۔۔۔"

بالآخر ہمت کر کے اس نے وہ کہہ دیا تھا جو کہنے کے لیے وہ یونیورسٹی

آیا تھا لیکن اس کی آواز لڑکھڑا گئی تھی اور پلکوں پر جیسے ندامتوں کا بوجھ آپڑا تھا کہ اس نے نظریں جھکا لی تھیں اور لب بھینچ لیے تھے۔نورالعین کی دلکش آنکھوں میں حیرت ابھری اور اس نے نظریں جھکائے کھڑے ہنری کی طرف دیکھا۔

''کیوں؟''

''کیوں؟'' ہنری نے لمحہ کی لمحہ نظریں اٹھائیں اور سوچا۔

''یہ بھی بھلا پوچھنے کی بات ہے۔یہ بات میرے لیے کتنی شرمندگی کا باعث ہے کہ میرے ڈیڈ نے جسے سب آئیڈلائز کرتے تھے ایک وقت میں محض پیسے کی خاطر اپنے خاندان حتیٰ کہ اپنا مذہب بھی چھوڑ دیا تھا اور پورے ساٹھ برس تک خود پر جھوٹ کا لبادہ اوڑھے رکھا تھا۔'' وہ سوچ کر رہ گیا۔

''آئی نو ہنری! آئی کین جج اٹ' لیکن یہ کوئی باعثِ شرمندگی کی بات نہیں ہے۔'' وہ جیسے اس کی سوچ پڑھ رہی تھی۔

''تمہارے لیے نہیں نورآن! لیکن میرے لیے ہے۔''

اس کے اندر کا سارا کرب اس کے لہجے میں اتر آیا تھا۔نورالعین نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''میں تمہاری کیفیت سمجھ رہی ہوں ہنری! ٹھیک ہے اگر تم ایسا چاہتے ہو تو میں کسی سے ذکر نہیں کروں گی لیکن۔۔۔''

وہ کوریڈور میں کھڑے تھے اور آس پاس سے گزرتے ہوئے اسٹوڈنٹ انہیں دیکھ رہے تھے۔فرینک نے پاس سے گزرتے ہوئے ہنری کی طرف دیکھا۔

''At Last you get.'' (آخرکار تم نے پالیا)

اور وکٹری کا نشان بنایا۔ہنری نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا نورالعین کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

''ہنری اگر تمہارا کوئی ضروری لیکچر نہیں ہے تو کچھ دیر گارڈن میں جا کر بیٹھتے

ہیں۔"

ہنری خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔

"ہنری!"

پھر گارڈن میں اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے نورالعین نے کہا۔

"یقیناً تم ابھی تک شاکڈ ہو' یہ فطری بات ہے لیکن یہ بات باعث شرمندگی ہرگز نہیں ہے۔ تمہارے ڈیڈ ایک اچھے اور بہترین دین کی طرف پلٹے ہیں وہ دین جو پیدا ہوتے ہی انہیں سونپا گیا تھا اور پہلی آواز جو اس کے کانوں میں پڑی وہ اذان کی آواز تھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی بیان کرتی یہ ایک افسانوی بات تو ہو سکتی ہے کہ بچپن میں والدین سے بچھڑ جانے والا اچانک اتنے برسوں بعد اپنے عزیزوں سے مل گیا لیکن ناقابل یقین ہرگز نہیں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں دنیا میں۔"

اس کے لہجے میں بے حد ملائمت تھی۔ لیکن ہنری شاید اسے نہیں سن رہا تھا اس کا ذہن جیسے ایک ہی نقطے پر ٹھہر گیا تھا۔

"ایسے انہونے واقعات کبھی کبھار ہوتے رہتے ہیں دنیا میں لیکن میرے ساتھ' میرے ساتھ کیوں ہوا ایسے؟ کیسی پرسکون زندگی تھی' کتنا مطمئن تھا میں۔" وہ خالی خالی نظروں سے نورالعین کو دیکھ رہا تھا۔

"فرینک' بوب' ڈورتھی' سیسل' یہ سب جو مجھ پر رشک کرتے تھے اب مجھ پر ہنسیں گے کہ میرے ڈیڈی۔۔۔اوہ نو۔۔۔" اس نے بے چینی سے اپنے ہاتھ مسلے اس کی پیشانی کی رگیں نمایاں ہو گئیں۔

"میں نے تم سے ریکویسٹ کی ہے نور آن! کہ تم پلیز کسی کو یہ سب مت بتانا۔"

"اوکے!" نورالعین مسکرائی۔

"میں نے کہا تو ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گی' تم مطمئن رہو۔"

''تھینک یو نور آن!'' اس کی آنکھوں میں پہلی بار اطمینان کی جھلک نظر آئی۔

''ویلکم!'' نورالعین نے اس کی ہیزل براؤن آنکھوں میں جھانکتے اطمینان کو محسوس کیا۔

''یہ بہت پرانی بات ہے ہنری! ایک بار مجھے میری پھپھو نے میرے اصرار پر بتایا تھا کہ ان کا ایک بھائی محمد سعید 1946ء میں کھو گیا تھا شاید کسی برساتی نالے یا ندی میں گر گیا تھا یا کسی ہندو کے ہتھے چڑھ گیا تھا ان دنوں برصغیر میں فسادات بھی تو ہو رہے تھے گو ان کے علاقے میں ایسا نہیں تھا۔''

''کہانی ایسی نہیں ہے۔'' ہنری نے چونک کر نورالعین کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

''لیکن شاید اسے معلوم نہیں۔ شاید یہ نہیں جانتی کہ محمد سعید کھویا نہیں تھا بلکہ لالچ نے اسے اپنی بانہوں میں دبوچ لیا تھا۔''

''ہنری!'' چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ پھر بولی۔

''میں نے تم سے درخواست کی تھی مجھے اپنے ڈیڈ سے ملانے لے چلو۔''

''وہ یہاں نہیں ہیں۔'' ہنری نے ایک گہری سانس لی۔

''کیا۔۔۔ کیا وہ پاکستان چلے گئے؟ کیا انہوں نے وہاں پاکستان میں نجم النساء پھپھو سے بات کی؟'' وہ پھر متجسس ہوئی۔

''وہ ابھی تو لانگ ایلن میں ہی ہیں۔ لیکن شاید کچھ دنوں تک چلے جائیں بلکہ یقیناً چلے جائیں گے انہوں نے کہا تھا وہ چلے جائیں گے۔''

''تو پھر یقیناً انہوں نے پھپھو سے بات کر لی ہو گی۔ اوہ گاڈ! انہوں نے مجھے بتایا کیوں نہیں پھر پاکستان سے بھی کوئی فون نہیں آیا۔ میں آج فون کروں گی وہ سب وہاں کتنے خوش ہوں گے ہنری! ہیں نا؟''

وہ بے اختیار ہی بولتی چلی گئی۔ ہنری کا دل چاہا۔ اس کی خوشی کو اس کے چہرے سے نوچ کر کہیں دور پھینک دے۔

''یہ مجھے بتا رہی ہے کہ وہ سب خوش ہوں گے اور میں۔۔۔ میں یہاں اس ساری صورت حال پر کتنا ناخوش ہوں۔ اس کی خبر نہیں ہے اسے۔ احمق بیوقوف لڑکی!''

''تم ابھی شاکڈ ہو ہنری! کسی انہونی اور نئی بات پر آدمی یوں ہی شاکڈ ہو جاتا ہے لیکن دھیرے دھیرے بہر حال تم اس حقیقت کو قبول کر لو گے۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اپنی رو میں بولتی جا رہی تھی۔

''میں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا ہے' چھ دن سے میں اسے ہی تو قبول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خود کو یہ یقین دلا رہا تھا کہ وہ سب جو ڈیڈ نے کہا وہ سچ ہے' نہ میری کانوں نے غلط سنا نہ میں نے کوئی غلط خواب دیکھا لیکن۔۔۔'' اس کے اندر نمی پھیلنے لگی۔

''میرا برسوں کا بنا مضبوط اور خوب صورت قلعہ مسمار ہو گیا۔ یکدم زمیں بوس ہو گیا اور میں اس کے ملبے پر کھڑا سوچ رہا ہوں۔ کیا یہ قلعہ پھر کبھی اسی شان و شوکت سے زمین پر کھڑا ہو سکے گا۔ میں نے مان لیا قلعہ گر گیا۔ لیکن میرے مان لینے سے یا حقیقت قبول کر لینے سے سب کچھ پھر پہلے جیسا تو نہیں ہو سکے گا کبھی نہیں۔'' وہ بے دردی سے گھاس کی پتیاں نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔

''ہنری! کیا تم' تم بھی جاؤ گے اپنے ڈیڈ کے ساتھ پاکستان؟''

بات کرتے کرتے اچانک نورالعین نے پوچھا تو ہنری کو لگا جیسے کسی نے تیز دھار خنجر اس کے دل میں گھونپ دیا ہو۔ وہ اندر ہی اندر تڑپ گیا' لیکن یونہی ہونٹ بھینچے گھاس کو بیدردی سے نوچتا رہا۔

نورالعین نے اس کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کر لیا۔

''ہنری!'' اس کے لہجے میں بلا کی اپنائیت تھی۔ ہنری نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہنری! تم بہت اپ سیٹ ہو۔''

نورالعین نے اس کی ہیزل براؤن آنکھوں میں پھیلی اداسی اور ویرانی کو بے طرح محسوس کیا۔

''میں تمہارے لیے کیا کرسکتی ہوں مجھے بتاؤ؟''

''تم کیا کرسکتی ہو بھلا اور کوئی بھی کیا کرسکتا ہے۔'' اس کی آواز بہت دھیمی تھی خود کلامی جیسی۔

''کیا تم اس حقیقت کو بدل سکتی ہو نور آن! جس نے میرے وجود میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ کیا تم اس سارے منظر کو کھینچ کر خواب کے منظر میں لے جاسکتی ہو۔ حقیقت سے دور ایسا خواب جسے دوبارہ دیکھنے کی تمنا نہ ہو۔ جب تم ایسا نہیں کر سکتیں تو پھر۔۔۔'' وہ عجیب طرح سے ہنسا۔

''پھر بھلا تم میری کیا مدد کرسکتی ہو۔ ہاں میں تمہارا شکر گزار ہوں تم نے میری بات کو سنا۔ میری درخواست قبول کی اور اتنی دیر تک مجھ سے بات کی۔ میں تم سے اس کی توقع نہیں کر رہا تھا کہ تم اتنی دیر مجھ سے بات کرو گی۔'' وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ ایک نظر نورالعین کے چہرے پر ڈالی۔

یہ آنکھیں شاید دنیا کی ساری عورتوں کی آنکھوں سے زیادہ حسین آنکھیں ہیں اور یہ لڑکی جو اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہے میرے لیے دنیا کی ساری عورتوں سے زیادہ دلکش ہے اور جس کے روبرو یوں اس طرح بیٹھ کر باتیں کرنے کی تمنا میرے دل نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں بار کی تھی۔ آج جب وہ اس کے سامنے بیٹھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی وہ اس کے متعلق ذرا بھی نہیں سوچ رہا تھا وہ تو اس بھیانک حقیقت کی گرفت میں تھا اگرچہ کسی بھلے وقت میں نورالعین کی یہ مہربان

رفاقت ملی ہوتی تو وہ اس کی آنکھوں کی اس نرمی اور ملائمت پر سینکڑوں بار قربان ہو جاتا۔

''سوری۔۔۔!'' اس کی آنکھوں میں ندامت کے رنگ ابھرے۔

''میں اپنی خوشی میں تمہارے دل کی کیفیت کو صحیح طرح سے جج نہیں کر سکی کہ مجھے تم سے اس طرح کی باتیں نہیں کرنا چاہیے تھیں۔ رئیلی مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہنری! میں واقعی تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں تا کہ تم اس کیفیت سے نکل آؤ۔''

''مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''اوہ سوری۔۔۔'' دل میں کسی درد نے چٹکی سی لی۔

''سوری تو مجھے بھی تم سے کرنا تھا نورآن۔۔۔! اس رات میں نشے میں تھا بہت زیادہ نشے میں۔ میں نے بہت زیادہ پی لی تھی اپنی ہمت اور ظرف سے زیادہ اور میں عادی نہیں ہوں کبھی کبھار بس کرسمس پر یا کسی پارٹی میں تھوڑی بہت پی لیتا ہوں لیکن اس رات۔۔۔!''

''لیواٹ ہنری! بھول جاؤ اس رات کو۔۔۔''

''بھول جاؤں کیسے؟'' اس کے اعصاب تن گئے۔

''اس رات کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا جس کی صبح اتنی بھیانک تھی جس نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا میرا غرور، میرا فخر' میرا مان اور میرے ڈیڈ! ڈیڈ جو کہتے تھے میں ان کا تیسرا عشق ہوں اور میں نے کبھی کہا تو نہیں۔ لیکن وہ میرا پہلا عشق تھے۔ وہ رات بھلا میں کیسے بھول سکتا ہوں؟ کبھی نہیں اس رات نے میری زندگی کے انتیس برسوں پر سیاہی پھیر دی۔ پھر بھلا انتیس برسوں کی ہر وہ صبح جو میں نے ڈیڈ کے گھر دیکھی اس صبح کو میں نے سر جیمز رابرٹ کی تصویر کو سیلوٹ مار کر وش کیا۔ سر جیمز اور لیڈی جیمز کی تصاویر کو دیکھ کر سوچا یہ میرے گرینڈ پا اور ما ہیں۔ میں نے اس بے جان تصویر میں سے اپنے لیے محبتوں میں کرنیں پھوٹتی دیکھیں لیکن وہ۔۔۔ وہ میرے کوئی نہیں

تھے اور میری جڑیں تو کہیں سانتا ہار کے مولوی عبدالحق کے گھر سے جڑی تھیں اور مجھے اجنبی زمین پر لگا دیا گیا تھا اور پھر کتنی آسانی سے اس زمین سے نکال لیا گیا تھا۔''

اس کا دماغ سن ہو رہا تھا۔ پورے چھ دن سے وہ گھر میں بند تھا اور چھ دن سے سوچتے سوچتے اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھنے لگا تھا۔

''اوکے نور آن! تھینکس اگین۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟ گھر۔۔۔؟'' نورالعین نے پوچھا۔

''بہتر تھا کہ تم اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ رہتے۔'' نورالعین نے مشورہ دیا۔

''اس وقت تمہیں کمپنی کی ضرورت ہے اکیلے گھر میں ٹینس ہو جاؤ گے۔''

ہنری نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اگر تم کچھ دنوں کے لیے اپنے ڈیڈ کے پاس چلے جاؤ تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ ان کے پاس رہ کر ان کی کمپنی میں یقیناً تم بہتر فیل کرو گے اور اس بات کے لیے جس میں تمہارے ڈیڈ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم انہیں معاف کر سکو گے۔''

اسے خاموش دیکھ کر اس نے پھر مشورہ دیا تو اس کے اندر غصے کی ایک تیز لہر اٹھی۔

''تم کیا جانو کہ وہ کتنے بڑے قصوروار ہیں۔ تم سمجھتی ہو کہ وہ کھو گئے تھے یا شاید کسی نے انہیں اغوا کر لیا تھا لیکن تم کیا جانو وہ خواہشوں کا غلام شخص اپنی کسی خواہش سے مغلوب ہو کر اپنے خاندان کو چھوڑ آیا تھا۔''

اور وہ اس کی سوچ سے بے نیاز کہے جا رہی تھی۔

''مجھے اصل کہانی تو معلوم نہیں کہ تمہارے ڈیڈ محمد سعید سے جان رابرٹ کیسے بنے لیکن کچھ تو ہوا ہوگا شاید کسی نے انہیں اغوا کر کے فروخت کر ڈالا ہو یا شاید تمہارے گرینڈ پا کو وہ اس طرح ملے ہوں کہ کہیں کسی بلندی سے گر کر اپنی یادداشت کھو

بیٹھے ہوں یا جیسا کہ پھپھو کہتی ہیں کہ وہ کسی نالے میں گر گئے ہوں اور ان کو جس نے بچایا ہو وہ عیسائی ہو اور۔۔۔"

ہنری کا دل چاہا وہ اس کی خوش فہمی پر قہقہہ لگائے لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک زہر خندسی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہنری۔۔۔!" نورالعین نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا تم مجھے اپنے ڈیڈ کا کانٹیکٹ نمبر دے سکتے ہو۔اپنے لانگ ایٹن والے گھر کا۔۔۔؟"

اس نے رخ موڑ کر اسے دیکھا اور پھر بنا کچھ بولے ہاتھ آگے بڑھا دیا نورالعین نے تیزی سے اپنے شولڈر بیگ کی زپ کھولی اور نوٹ بک اور بال پین اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ایکچوئلی میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ہنری کو نوٹ بک پر نمبر لکھتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"تم اندازہ کر سکتے ہو ہنری! کہ میں کتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔" اس نے نوٹ بک اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"ہاں' میں اندازہ کر سکتا ہوں لیکن تم شاید میرے دل میں اٹھتے طوفانوں کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔نہیں جان سکتیں کہ یہ طوفان میرے اندر کتنی تباہی مچا رہے ہیں۔"

"تھینک یو ہنری!" اسے خاموش دیکھ کر نورالعین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

اور اس سے اس کے چہرے پر پھیلے اطمینان وسکون کو دیکھ کر ہنری نے اپنے دل میں اس کے لیے بے انتہا نفرت محسوس کی اسے لگا جیسے یہ لڑکی جو اس کے سامنے بہت پرسکون سی کھڑی اس کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔یہی اس کی اس ساری اذیت کی ذمہ دار ہے۔اس کی مجرم ہے۔اگر یہ ڈیڈ کو نہ بتاتی کہ مولوی عبدالحق سانتا بار میں

مارے نہیں گئے تھے۔اگر یہ نہ بتاتی کہ ڈیڈ کے بھائی اور عزیز زندہ ہیں تو سب کچھ ٹھیک رہتا۔

زندگی اسی سکون اور دھوکے میں گزر جاتی' لیکن اس لڑکی نے اس کے ہنستے بستے گھر کو آگ لگائی تھی۔یہ ہی ذمہ دار تھی اس کی بربادی کی۔

پچھلے ایک سال سے وہ جس کی محبت میں مبتلا تھا اور جس کے لیے ہزاروں بار اس نے دعا مانگی تھی کہ یہ لڑکی اس کی ہو جائے۔اس کا جی چاہا وہ چیخ چیخ کر کہے۔

''آئی ہیٹ یو نور آن! آئی ہیٹ یو۔''اس نے لب کھولے لیکن حلق میں جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔

یہ لڑکی۔۔۔یہ سیاہ دلکش آنکھوں اور سنہری رنگت والی لڑکی اس کے باپ کے سگے بھائی کی بیٹی تھی لیکن جو اس کی کوئی نہیں تھی۔جس سے اس نے بے حد بے حساب محبت کی تھی لیکن جس کے لیے اس وقت وہ اپنے دل میں سوائے نفرت کے کچھ اور نہیں محسوس کر رہا تھا اور اس سے پہلے کہ آگ کی لپٹیں جو اس کے اپنے ہی دل کو جھلسائے جا رہی تھیں نور العین تک پہنچ کر اسے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتیں وہ تیزی سے مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نور العین کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆......☆......☆

1946ء کا سورج غروب ہونے کو تھا اور 1947ء کا سورج طلوع ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔1947ء جس میں دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک ابھرنے والا تھا۔ایک ایسا ملک جو نظریاتی بنیادوں پر قائم ہونے والا تھا۔

جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا لیکن جس کی تعبیر دیکھنا ان کی قسمت میں نہ تھا۔اسی 1947ء کی پہلی صبح کو سورج کی پہلی کرن جب سانتا ہار کے آسمان پر مسکائی اور اس کی اس مسکراہٹ میں بہت سارے لوگوں نے آنے سے خوشیوں کی نوید پائی تھی۔ایک ایسے ملک کی نوید جہاں وہ اپنی مرضی سے عقیدے کے مطابق

آزادی سے زندگی بسر کرسکیں گے۔

لیکن سانتاہار کے مولوی عبدالحق کے گھر میں اتنی ہی ٹھٹھری ہوئی اور سرد تھی جتنی پہاڑی علاقوں میں جنوری کی صبحیں ہوتی ہیں۔

پہلی جنوری کی اس صبح یوں تو پورے سانتاہار میں سردی کی شدید لہر آئی ہوئی تھی۔ پچھلے تین دن سے مسلسل بارش ہورہی تھی اور تین دن بعد آج مشرق سے سورج نے سر نکالا تھا۔ آسمان بے حد نیلا اور شفاف لگ رہا تھا۔ اس نے رضائی کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹتے ہوئے وقارالنساء کی طرف دیکھا جو نماز پڑھنے کے بعد قرآن پڑھ رہی تھی لیکن اس نے دیکھا تھا کہ وہ پڑھتے پڑھتے خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگتی تھی پورے گھر پر خاموشی طاری تھی۔ آج نہ تو ہاجرہ کی قرآت کی آواز آرہی تھی، نہ عبدالرحمٰن اور عبدالعزیز کی آواز جو صبح صبح مسجد سے نماز پڑھ کر آتے ہی شور مچانے لگتے، انہیں اسکول جانا ہوتا تھا۔ جہاں مولوی عبدالحق نے انہیں داخل کروایا تھا یہ اسکول مشنری نہیں تھا لیکن یہاں سرسید احمد خان کے نظریے کے مطابق اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔

یہ اسکول تھوڑا دور تھا اور قاسو دادا کے سائیکل رکشے میں بیٹھ کر جانے کے باوجود انہیں آدھ گھنٹہ لگ جاتا تھا۔

''آج شاید دونوں اسکول نہیں جارہے۔ یا پھر اسکول میں سرما کی ایک ہفتے کی چھٹیاں ہوگئی ہیں۔'' رضائی میں منہ دیئے ہوئے اس نے سوچا۔

''اور آج تو عبدالعلی بھی خاموش ہے حالانکہ جب سے محمد سعید گیا تھا وہ صبح اٹھتے ہی جو رونا شروع کرتا پھر گھنٹہ بھر تک روئے ہی چلا جاتا۔ جانے اسے کیا تکلیف تھی۔ مولوی عبدالحق، ہاجرہ کے کہنے پر دوبارہ اسے حکیم صاحب کے پاس بھی لے گئے تھے۔ لیکن حکیم صاحب نے کہہ دیا تھا بچے کو کوئی بیماری نہیں۔ ''بس بچھوڑے کا (بچھڑنے) روگ لگا ہے۔ بچہ ہے، کچھ روز میں اتر جائے گا بخار بھی۔''

اور مولوی عبدالحق حکیم جی کی بات سن کر یکدم چپ ہو گئے تھے۔ ان کا تو پورا تن اس آگ میں سلگ رہا تھا۔

وقار النساء اور ہاجرہ کو اسنے کتنی ہی بار روتے دیکھا تھا۔ مولوی عبدالحق کے شانے جھک گئے تھے۔ یہ تو اپنے گھر کے افراد تھے لیکن عبدالرب گھنٹوں ان کے گھر آ کر باہر صحن میں بیٹھا رہتا اس کی موٹی موٹی آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہتیں۔

''اتنا دکھ تو میں نے کاجل کے جانے پر بھی محسوس نہیں کیا تھا'' ایک روز اس نے ''کاجل'' کے راز میں نجم النساء کو بھی شریک کر لیا تھا۔

''میں کل سارا دن بڑے نالے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا کہ شاید۔۔۔شاید کہیں کسی جگہ اس کی لاش پھنسی ہو۔''

اور کبھی بتاتا کہ وہ پلیا کے نیچے نالے کے پاس درختوں کی شاخوں میں اسے کھوجتا رہا۔

''چھوٹی آپا! وہ اکثر وہاں بیٹھا رہتا تھا پلیا پر۔ کیا پتا پاؤں لڑھک گیا ہو۔ وہ اکثر جنگلے پر جھک کر نیچے پانی میں پتھر پھینکتا رہتا تھا کیا پتا چکر آیا ہو اور وہ سر کے بل نیچے گر گیا ہو پانی میں اور اس کا سر کسی پتھر سے لگ کر پھٹ گیا ہو اور۔۔۔آپ چاچا سے کیوں نہیں کہتیں' وہ شوبی بھیا سے کہیں کہ وہ نالے میں جال پھینکے۔ کیا پتا وہ ابھی تک نیچے ہی پتھروں میں پڑا ہو۔ وہ کاکا سادو تو بڑا تیراک ہے۔ اس سے کہو غوطہ لگا کر دیکھے۔''

وہ کہتا رہتا اور نجم النساء چپ سنتی رہتی۔ جب تھک جاتا تو رونے لگتا یا پھر کوئی نئی سوچ اسکے ذہن میں آ جاتی ادھر جنگل میں ٹائیگر ہے چھوٹی آپا! یہ اتنا بڑا' قاسو دادا نے خود دیکھا تھا' جوڑا ہے۔ میں نے بھی رات کو اس کی دھاڑ سنی ہے کئی بار کیا پتا وہ اٹھا کر لے گیا ہو۔ چاچا سے کہو نا ایک بار جنگل میں پارٹی بھیجے۔ کیا پتا کہیں اس کی ہڈیاں۔۔۔تسلی تو ہو جائے گی نا چھوٹی آپا! کم از کم بیچ میں تو لٹکے نہ رہیں

گے۔قرآن پڑھ کر بخشیں گے' فاتحہ دلوایا کریں گے۔

وہ میلے کرتے سے آنسو پونچھتے ہوئے بولتا رہتا' نجم النساء چپ چاپ اسے دیکھے جاتی' اور ایک بار بھی نہ کہہ پاتی کہ۔۔۔

''وہ تو اپنا بستہ بھی ساتھ لے گیا ہے اور اپنی کتابیں بھی۔''

مولوی عبدالحق نے چپکے چپکے اسے ہر جگہ تلاش کرلیا تھا۔آس پاس کے سارے مشنری اسکولوں میں دیکھ لیا تھا، سانتاہار کے اس گرجے میں تو وہ اسی رات چلے گئے تھے جب شام ڈھلے گھر آنے پر پریشان حال ہاجرہ نے انہیں بتایا تھا۔

''محمد سعید صبح سے گھر پر نہیں ہے۔''

''میں نے کہا تھا کہ اسے گھر سے مت نکلنے دینا جب تک اس کے دماغ سے یہ خناس نہ نکل جائے۔''

وہ پہلے ناراض ہوئے تھے پھر اسی وقت گھر سے نکل گئے تھے۔اور کچھ ہی دیر بعد وہ گرجے کے بڑے پادری کے سامنے بیٹھے محمد سعید کے متعلق پوچھ رہے تھے۔

''نہیں' اس نام کا کوئی لڑکا ادھر نہیں آیا۔پھر ہم نابالغ لڑکوں کو نہیں رکھتے۔''

پادری نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

''پادری صاحب دیکھئے۔وہ نادان ہے' نابالغ ہے اگر کسی کے ورغلائے میں آ کر ادھر آیا ہے تو اللہ کے واسطے اسے مت چھپائیں۔''

''تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں ہے مولوی صاحب !ادھر ایسا کوئی لڑکا نہیں آیا۔ادھر صرف مریض آتے ہیں۔دھتکارے ہوئے بے چارے غریب۔''

''دیکھو پادری صاحب! میرے سامنے جھوٹ نہ بولو۔وہ ادھر ہی آیا ہے وہ یہاں کے علاوہ کہیں اور نہیں جاسکتا اس کمبخت کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔میں ملکہ کو خط لکھوں گا میرا بھائی کلکتہ میں ہے۔وہ پکا مسلم لیگی ہے۔میں قائداعظم سے درخواست کروں گا۔دیکھو پادری صاحب! ہنگامہ ہوجائے گا یہ سارا سانتاہار تمہارے خلاف

ہو جائے گا۔ ہم جلوس نکالیں گے کہ تم نے زبردستی میرے بچے کو یہاں روک لیا ہے ہم لوگ تمہارے گرجے کو۔۔۔"

"تم بہت معصوم ہو مولوی! یہاں کے لوگ کبھی بھی ہمارے خلاف نہیں ہو سکتے۔ ہم ان کے مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ یہ بھوکے ہوں تو دھان بانٹتے ہیں ان کے مریضوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں وہ مریض جن کی دیکھ بھال گھر والے بھی نہیں کرتے۔ تم جاؤ' سانستاہار کیا آس پاس سب سے کہہ کر دیکھ لو۔ جھم جھم، جمال پورا جہاں مرضی۔۔۔" پادری کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"تم ہماری بات کا اعتبار کرو۔ تمہارا لڑکا ادھر نہیں آیا۔۔۔ ہم کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے مولوی صاحب! ہاں کوئی اپنی مرضی سے ادھر آئے تو ہمارا دامن بہت وسیع ہے۔" مولوی عبدالحق کی آنکھوں میں بے بسی پانی بن کر پھیلی تو پادری کا لہجہ مزید نرم ہو گیا۔

"مجھے تم پر ترس آتا ہے مولوی! تم ایسا کرو ادھر اسپتال والے حصے میں بھی دیکھ لو کبھی کبھی نوجوان لڑکے ادھر کام کے لیے آجاتے ہیں۔ کیا کریں ادھر ہمارے پاس نرسوں کی بہت کمی ہے اور مریض زیادہ ہیں۔ کیا پتا پیسے کمانے کے لیے وہ ادھر آ گیا ہو۔ نوکروں کی رہائش کا انتظام بھی ادھر ہے۔ لیکن یہ سب تمہیں ولیم صاحب سے معلوم ہوگا۔ وہی جانتے ہیں کہ کون آیا کون گیا۔"

اور مولوی عبدالحق نے ہاسپٹل کا کونا کونا چھان مارا تھا حالانکہ ولیم صاحب نے بتا دیا تھا کہ ان کے پاس کوئی تیرہ سالہ خوب صورت لڑکا کام کے لیے نہیں آیا۔

وہیں انہوں نے قاسو دادا کی بہو کو دیکھا تھا۔ ایک بیڈ پر لیٹی خالی آنکھوں سے چھت کو دیکھ رہی تھی۔ اسکے سارے چہرے پر سفید داغ تھے اور انگلیوں کی پوریں زخمی تھیں۔ پاؤں پر بھی زخم تھے اور انگلیاں جھڑ چکی تھیں۔

"بہو! یہاں کوئی لڑکا تو نہیں دیکھا تم نے۔" وہ بغیر کسی خوف کے اس کے

پاس بستر پر بیٹھ گئے تھے۔

''نہیں مولوی صاحب!'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تمہیں یاد ہے میرا بیٹا؟ محمد سعید۔''

''وہی جو قرآن حفظ کر رہا تھا؟ اس وقت دیکھا تھا جب آپ کلکتہ نہیں گئے تھے۔''

''ہاں ہاں' وہی اب بھی ویسا ہی ہے بالکل' ذرا بھی نہیں بدلا بس قد لمبا ہو گیا ہے تو بس اس کا دھیان رکھنا جب بھی نظر آئے مجھے کسی نہ کسی ذریعے سے فوراً خبر کر دینا۔ ویسے میں خود بھی خبر لیتا رہوں گا۔''

اور قاسو دادا کی بہو کے مرنے تک وہ مشنری ہسپتال جا کر اس سے پوچھتے رہتے تھے۔

اب تو انہیں عبدالرب کی بات سچ لگنے لگی تھی۔

اور نجم النساء کو بھی عبدالرب کی باتیں سچ لگنے لگی تھیں۔

اور ایک شام جب برستی موسلا دھار بارش میں چھاتا تانے مولوی عبدالحق گھر میں داخل ہوئے تو ان کے کرتے کی جیب میں ایک خط بھی تھا۔ یہ خط عبدالرزاق نے کلکتے سے بھیجا تھا اور مدرسے سے واپسی پر وہ ڈاک خانے سے لیتے آئے تھے اس خط نے نجم النساء کے یقین کے پرخچے اڑا دیئے۔

کلکتہ سے آنے والا یہ خط مولوی عبدالحق کے چھوٹے بھائی کا تھا اس نے لکھا تھا۔

''بھائی صاحب! کل میں یونہی مولوی سلامت سے ملنے ذکریہ اسٹریٹ کی طرف نکل گیا واپسی پر جب میں طہوترا صاحب کے کلینک کے پاس رکا تو میں نے اسے دیکھا۔ وہ محمد سعید ہی تھا' سو فیصد محمد سعید لیکن اس نے انگریزی لباس پہنا ہوا تھا میں اس کی طرف جانا ہی چاہتا تھا کہ وہ ایک فرنگی سے باتیں کرتا ہوا روڈ پر کھڑی فٹن پر

بیٹھ گیا۔میرا خیال ہے بھائی صاحب ادھر بڑے انگریزی اسکول میں پڑھتا ہے جہاں صاحب لوگوں کے بچے پڑھتے ہیں۔میں کل جاؤں گا۔ادھر اسکول میں اور پتا کروں گا۔"

اس نے دیکھا کہ کاغذ تہہ کرتے ہوئے مولوی عبدالحق کے ہاتھ کانپ رہے تھے پھر انہوں نے عبدالعزیز کو آواز دے کر کاغذ قلم منگوایا اور عبدالرزاق کو خط لکھنے لگے۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے عبدالرزاق!وہ محمد سعید نہیں ہوگا محمد سعید کو تو چیتے نے چیر پھاڑ دیا تھا عبدالرب نے خود دیکھا تھا۔وہ سعید بابو ہیں نا ان کا بیٹا ہے عبدالرب نے بہت دنوں بعد بتایا تو تمہیں نہ لکھا کہ اب کیا لکھیں۔خواہ مخواہ دکھی ہو گے۔"

نجم النساء نے غیرارادی طور پر ہی خط کے مضمون پر نظر ڈالی پھر مولوی عبدالحق کے آنسو خط پر گرنے لگے تھے انہوں نے قلم ایک طرف رکھ دیا تھا۔خط یونہی ادھورا رہ گیا تھا۔پتا نہیں پھر انہوں نے خط مکمل کر کے عبدالرزاق کو کلکتہ بھیجا تھا یا نہیں لیکن چھوٹے سے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے انہوں نے بے آواز میں سب کو مخاطب کیا تھا۔

"سنو۔۔۔وقارالنساء،نجم النساء،عبدالعزیز،عبدالرحمٰن اور ہاجرہ۔۔۔آج کے بعد محمد سعید کا نام کوئی اس گھر میں نہیں لے گا۔۔۔آج کے دن وہ مر گیا بلکہ وہ اسی دن مر گیا تھا جب وہ اس گھر سے باہر نکلا تھا۔سن رہے ہو تم سب۔۔۔؟"

ان کی آواز کی ٹھنڈک نجم النساء نے اپنے اندر اترتے محسوس کی تھی۔

"وہ مر تو گیا ہے اور اس کا قتل واجب ہے۔"

"بچہ ہے' نا سمجھ ہے مولوی صاحب!آگ کو لعل سمجھ کر لپک رہا ہے۔آپ کل ہی کلکتہ جا کر۔۔۔"

''چپ ہو جاؤ ہاجرہ!'' ان کی آواز پہلے سے زیادہ سرد تھی۔ میں نے جو کہا ہے وہ سب نے سن لیا ہے نا۔ آج کے بعد محمد سعید کا نام اس گھر میں کوئی نہیں لے گا۔ یوں جیسے وہ کبھی تھا ہی نہیں۔''

پھر وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے برستی بارش میں چھاتا لیے بغیر باہر نکل گئے تھے۔ گھر کے اندر ایک جامد خاموشی چھا گئی تھی اور اس خاموشی کو کبھی کبھی ہاجرہ کی سسکیاں توڑ دیتیں۔

''کیا ہی اچھا ہوتا اگر سعید مر جاتا تو وہ اسے یاد کر کے روتیں۔ اونچی آواز میں اس کی باتیں کرتیں۔ ہر جمعرات کو فاتحہ دلواتیں قرآن پڑھ پڑھ کر بخشتیں۔ وہ اس گھر کی چاردیواری کے اندر کسی یاد کی صورت میں موجود تو رہتا لیکن۔۔۔''

اس کے اندر ایک گہرا سناٹا اتر آیا۔

☆......☆......☆
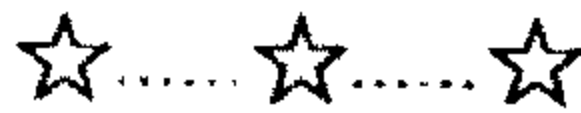
ہنری آنکھیں موندے صوفے پر اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ اس کی دونوں ٹانگیں صوفے کے سامنے رکھی سینٹر ٹیبل پر تھیں اور فون کی بل مسلسل وقفے وقفے سے ہو رہی تھی' لیکن وہ یوں بے نیاز سا لیٹا ہوا تھا جیسے اسے کوئی آواز ہی نہ آ رہی ہو۔ پھر شاید کوریڈور میں رکھے فون کو ولسن نے اٹھا لیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب کا فون ہے ہنری بابا!'' ولسن دروازے پر نمودار ہوا۔

''کہہ دو میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' ہنری نے آنکھیں موندے ہوئے کہا۔

''وہ کہہ رہے ہیں صرف ایک بار مجھ سے بات کر لو۔''

ولسن نے جان رابرٹ کا پیغام اس تک پہنچایا لیکن اب کی بار اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ولسن چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کا خیال تھا شاید ہنری نے بہت زیادہ پی رکھی ہے ورنہ بھلا وہ ایسا کہتا۔ جان رابرٹ اور ہنری کی ایک دوسرے سے محبت سے وہ ناواقف تو نہیں تھا۔

ہنری بابا شاید بہت زیادہ پیے ہوئے ہیں۔''

ہنری کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔

''میں نے پی نہیں ولسن! لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ پی لوں اتنی کہ مجھے کچھ یاد نہ رہے۔ کچھ بھی نہیں۔ نورالعین نہ کچھ اور۔۔۔''

تین دن سے جان رابرٹ کا فون آ رہا تھا۔ دن میں کئی کئی بار آتا لیکن وہ اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ سی ایل آئی پر لانگ ایٹن کے گھر کا نمبر دیکھ کر وہ جیسے کانوں میں روئی ڈال لیتا تھا۔ شاید وہ اسے جانے سے پہلے خدا حافظ کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا سے ان سے بات نہیں کرنا تھی کبھی نہیں۔

وہ اس روز کے بعد پھر یونیورسٹی نہیں گیا تھا فرینک اور بوب کا فون آیا تھا۔ ڈورتھی نے بھی اس کی خیریت پوچھی تھی۔ وہ جانتا تھا کسی کو بھی اس کے ڈیڈ کے متعلق کچھ علم نہیں ہے۔ اسے یقین تھا کہ نورالعین نے کسی کو کچھ نہیں بتایا ہوگا۔

''کیا میں ڈیڈ سے نفرت کرنے لگا ہوں۔'' وہ چونکا۔ اس نے اپنے آپ کو ٹٹولا لیکن اسے پتا نہ چل سکا۔

''لیکن اگر میں نفرت نہیں کر پا رہا ہوں تو محبت بھی نہیں کر سکتا۔ اس نے ٹانگیں سمیٹ کر نیچے رکھیں۔ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت ولسن کسی جن کی طرح نمودار ہوا۔

''ناشتہ لگاؤں؟''

''نہیں۔۔۔'' اس نے ولسن کو گھورا اسکی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''تمہارے پاس وہسکی ہے' شمپین' برانڈی' واڈکا جو کچھ بھی ہے لے آؤ۔'' ولسن نے جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''میری شکل کیا دیکھ رہے ہو؟'' ہنری نے جیب سے والٹ نکال کر اس کی طرف پھینک دیا۔

"لے آؤ کچھ۔۔۔" ولسن جھک کر باہر نکل گیا۔اس نے والٹ نہیں اٹھایا تھا۔

فون کی بیل پھر ہونے لگی تھی ۔وہ کچھ دیر وہیں کھڑا بیل کی آواز سنتا رہا۔بالکل غیر ارادی طور پر اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو۔۔۔!"

"ہیلو ہنری صاحب۔۔۔!" دوسری طرف ڈیوڈ تھا۔

اس کے اعصاب تن گئے اور سوچنے لگا۔

"ڈیوڈ نے کیوں فون کیا۔۔۔کیا ڈیڈ۔۔۔؟" اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا۔

"وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں کہیں۔۔۔؟" ایک لمحہ کے لیے اسے کچھ یاد ہی نہ رہا۔کہ وہ ڈیڈ سے ناراض ہے اور وہ ڈیڈ سے کبھی نہ ملنے اور بات نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

"کیا ہوا ڈیوڈ کیا ڈیڈ۔۔۔؟" اسکے منہ سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی اور دل کی دھڑکن بڑھ چکی تھی۔

"ہنری! تمہارے ڈیڈ۔۔۔" ڈیوڈ کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔

"یو نو وہ۔۔۔"

"کیا ہوا ڈیوڈ کو۔۔۔؟" وہ زور سے چیخا۔

"چپ کیوں ہو گئے ہو؟"

"تمہارے ڈیڈ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔وہ اسلامک سینٹر میں جا رہے تھے کئی دنوں سے۔۔۔"

ریسیور پر ہنری کی گرفت کمزور پڑ گئی۔

"مجھے ڈاکٹر سینڈرا نے بتایا تھا پرسوں شام وہاں ہاسپٹل کے سب ڈاکٹروں

کو پتا ہے لیکن جو بات کسی اور کو نہیں پتا وہ مجھے پتا ہے جان صاحب! وہ کہیں جا رہے ہیں، کسی لمبے سفر پر۔۔۔“

پتا نہیں وہ کیا کیا کہہ رہا تھا۔ ہنری نے ریسیور چھوڑ دیا تھا اور اب وہ نیچے لٹک رہا تھا۔ ائیر پیس سے اب بھی ڈیوڈ کی آواز آ رہی تھی۔

”تو ڈاکٹر جان رابرٹ، مائی ڈیر ڈیڈ! آپ کو اپنی شناخت مل گئی۔ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد آپ وہیں پہنچ گئے جہاں سے آپ نے سفر شروع کیا تھا۔“

وہ ہذیانی انداز میں ہنسا اور آہستگی سے چلتا ہوا کارنس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سنہری فریم میں ڈاکٹر جان رابرٹ کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ اس اپارٹمنٹ میں آنے کے بعد اس نے پہلا کام اس تصویر کو یہاں سجانے کا کیا تھا۔ یہ تصویر ہنری کو بہت پسند تھی۔ اس میں جان رابرٹ دل کے امراض پہ تحقیقی کام کرنے پر ایوارڈ وصول کر رہے تھے کارنس پر دونوں کہنیاں لٹکائے وہ کچھ دیر بغور تصویر کو دیکھتا رہا۔ اسے لگا جیسے ڈاکٹر جان رابرٹ کی مسکراتی آنکھوں سے محبتوں اور شفقتوں کی روشنیاں نکل رہی ہوں۔ یک لخت اس نے فریم پر ہاتھ مارا شیشہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ ایک آدھ کرچی اس کی ہتھیلی میں بھی چبھ گئی تھی وہ کچھ دیر ہاتھوں سے گرتے خون کے قطروں کو دیکھتا رہا۔

”ہر انسان کے جسم میں دوڑنے والے خون کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے ہنری رابرٹ!“ ایک بار محمد ابو صالح نے کہا تھا۔

”چاہے وہ مسلم ہو چاہے کرسچن اور سب کا خون ایک ہی جیسا قیمتی ہوتا ہے لیکن تمہارے لوگوں نے خون مسلم کو جس طرح ارزاں کر دیا ہے شاید تاریخ اس کے لیے انہیں معاف نہ کرے۔“

”خون مسلم۔۔۔!“

کئی مناظر فلم کی طرح ذہن کے پردے پر سے گزرنے لگے۔

ایک بار جب وہ پورچ کی سیڑھیوں سے پھسل گیا تھا اور سیڑھی کا کونا اس کی پیشانی پر لگا تھا وہ کتنا گھبرا گئے تھے۔

اور ایک بار جب وہ تیرنا سیکھ رہا تھا تو اچانک ہی اس کا سانس رک گیا تھا بہت سارا پانی اس کے منہ اور ناک میں چلا گیا تھا اور وہ ڈوبنے لگا تھا۔ کنارے پر کھڑے جان رابرٹ نے یکدم ہی پانی میں چھلانگ لگا دی تھی۔

''اور اب' اب ڈیڈ نے ایک بار بھی میرے متعلق نہیں سوچا کہ ان کے اس عمل سے مجھ پر کیا گزرے گی۔ ایک بار بھی نہیں۔ انہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا' میں جسے وہ اپنا تیسرا عشق کہتے تھے۔'' اس کے اندر برسات ہونے لگی۔ اس نے تصویر کا فریم اٹھا کر زور سے دروازے کے باہر پھینکا لیکن وہ دروازے سے ٹکرا کر اندر ہی گر گیا۔

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا ڈیڈ۔۔۔! بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ نہ میرے ساتھ نہ اپنے ساتھ۔''

اس نے اپنی زخمی ہتھیلی کو دیکھا جس میں ہلکی سی چبھن تھی۔ اس کا جی چاہا وہ ایسے ہی اپنے پورے وجود کو زخمی زخمی کر ڈالے' ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور پھر اس زخم زخم وجود کو جان رابرٹ کے سامنے پھینک کر پوچھے۔

''ڈیڈ! کیا آپ کو تکلیف ہوئی ہے؟ کیا آپ کے دل میں اندر کہیں درد اٹھا ہے؟''

''ولسن۔۔۔ ولسن!'' وہ زور سے چیخا۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔

''شاید وہ باہر چلا گیا ہے گروسری لینے اور ہاں میں نے بھی تو اسے وہسکی لانے کو کہا تھا۔ لیکن اس نے والٹ تو نہیں لیا۔''

ہنری نے والٹ اٹھا کر پاکٹ میں رکھ لیا۔

وہ باہر نکلا۔۔۔ اس کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔

''مجھے کہاں جانا تھا؟'' اس نے کنپٹی پر انگلی ماری۔

''ہاں بار میں یا کسی پب میں کہیں بھی' جہاں بیٹھ کر میں بھول جاؤں کہ جان رابرٹ میرا باپ ہے، ایک مسلم۔۔۔'' اس نے سر جھٹکا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے ولسن کو باسکٹ اٹھائے اندر آتے دیکھا۔لیکن وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔کچھ دیر بعد وہ یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر رہا تھا۔

''میں یونیورسٹی تو نہیں آنا چاہتا تھا پھر یہاں کیوں آ گیا۔'' بے دھیانی میں سوچتے ہوئے وہ یونیورسٹی گارڈن میں بینچ پر آ کر بیٹھ گیا' بکھرے بالوں کو اس نے انگلیوں سے سنوارنے کی کوشش کی اور ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

''میں یہ کیا کر رہا ہوں اور اتنے دن سے میں کیوں وقت ضائع کر رہا ہوں پتا نہیں کتنے قیمتی لیکچر مس ہو گئے ہوں گے۔''

اس نے لمبے لمبے سانس لے کر ٹھنڈی اور تازہ ہوا سے اپنے پھیپھڑوں کو بھرا'یکایک اسے پیٹ میں اینٹھن محسوس ہوئی۔رات کو بھی اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور صبح بھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔

''میرا خیال ہے مجھے ایک کپ گرم گرم کافی کے ساتھ ایک ہاٹ برگر لے لینا چاہیے۔'' تب ہی کسی نے بالکل قریب سے اسے آواز دی۔

''ہنری۔۔۔!''

اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا نور العین بینچ کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی اس نے دل میں ناگواری کی ایک لہر سی اٹھتی محسوس کی۔وہ اس لڑکی کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا کم از کم اس وقت تو بالکل نہیں۔

''کیسے ہو تم۔۔۔؟'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''فائن!'' اس نے رخ موڑ لیا تو وہ چند قدم چل کر اس کے سامنے آ کھڑی

ہوئی۔

''سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں' ڈورتھی کہہ رہی تھی اس نے دو تین بار تمہارے اپارٹمنٹ میں فون کیا تھا کسی نے اٹینڈ نہیں کیا' تمہارا سیل فون بھی آف تھا۔ کیا تم لانگ ایلن چلے گئے تھے؟''

''نہیں۔۔۔'' وہ سامنے لگے درختوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں نے فون کیا تھا لانگ ایلن دوبارہ لیکن تمہارے ڈیڈ گھر پر نہیں تھے آج پھر کروں گی۔'' وہ اسے بتا رہی تھی۔

''میں نے پاکستان بھی فون کیا تھا۔ وہاں سب بہت بے چین ہیں' پھپھو کی حالت تو بہت خراب ہے۔ بہت مضطرب ہیں وہ۔ ایک تو ان کی عمر بھی ایسی ہے کہ برداشت کی ہمت نہیں ہے ان میں، اتنی بڑی خوشی ملی ہے ان کو تو۔۔۔ تمہارے ڈیڈ سے بات ہوتی تو میں ان سے کہتی وہ جلدی کریں کہیں۔ اوہ گاڈ! یہ کس قدر اچانک اور حیران کن سی خوشی ہے۔'' اس کی آواز میں چہکار سی تھی۔

''بھائی اور بھابی تو جانتے تک نہ تھے کہ کوئی بابا جانی کے بھائی بھی تھے وہی کیا ہماری نسل کے کسی بچے کو سوائے میرے علم نہیں تھا۔ مجھے بھی بس اتفاقاً ہی پتا چلا تھا۔''

''ہنری! تم ٹھیک ہو نا؟'' نورالعین نے اچانک ہی اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''تم ابھی تک اپ سیٹ ہو کیا۔۔۔؟''

اس نے چڑیا سے نظریں ہٹاتے ہوئے ایک نظر اس کے خوش باش چہرے پر ڈالی۔ آج وہ ہمیشہ سے زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ گلابی پھولوں والا گرے اسکارف اور گرے ہی گلابی پھولوں والی لانگ شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر پہنے وہ کوئی شگفتہ سا پھول ہی لگ رہی تھی۔

''ہنری۔۔۔!'' اس کے لہجے میں نرمی گھل گئی۔

''بعض اوقات ہمارے ساتھ کچھ بہت اچانک اور انہونا ہو جاتا ہے۔ جو یقیناً بہت ڈسٹرب کر دینے والا ہوتا ہے لیکن ہمیں بہادری کے ساتھ حالات کو فیس کرنا چاہئے تمہارے لیے یہ انکشاف اچانک اور حیران کن ضرور ہے لیکن اتنا تکلیف دہ ہرگز نہیں جتنا تم محسوس کر رہے ہو۔''

''کیوں نہیں تکلیف دہ۔۔۔؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''اس لئے کہ تمہارا اور تمہارے ڈیڈ کا جو رشتہ ہے وہ ہمیشہ رہے گا' چاہے تمہارے ڈیڈ مسلم ہوں چاہے کرسچن۔ وہ تمہارے باپ ہیں اور تم ان کے بیٹے ہو لیکن کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہارا اور ان کا تعلق ٹوٹ گیا ہے۔''

''تو کیا یہ تعلق نہیں ٹوٹا۔۔۔؟'' اس نے حیرانی سے نورالعین کی طرف دیکھا اور پھر سامنے کے درختوں میں اس چڑیا کو تلاش کرنے لگا جو کچھ دیر پہلے ٹہنیوں پر پھدک رہی تھی۔

''ایک بار تم ڈورتھی سے کہہ رہے تھے کہ تمہارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ کاش گرینڈ پا اور گرینڈ ماہی زندہ ہوتے۔ تو اب ایک دم تمہیں اتنے رشتے دار مل گئے ہیں تمہارے ڈیڈ کے بھائی' بہن اور ان کی اولادیں اور پھر ان کی اولادوں کی اولادیں اور میں تمہاری فرسٹ کزن ہوں۔ کیا تمہیں اس انکشاف سے خوشی نہیں ہوئی؟'' اس کا انداز بالکل کسی مہربان جیسا تھا۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا جہاں کسی خوشی کی رمق نہ تھی بس ایک گہری اداسی کی دھند نے پورے وجود کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

''ہمارے درمیان بہت فاصلے ہیں' مذہب کے فاصلے۔ اس لیے یہ سارے رشتے بے معنی ہیں۔'' اس نے خود کو کہتے سنا حالانکہ وہ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

"تم یہ فاصلے ختم کیوں نہیں کر دیتے ہنری۔۔۔!" بے اختیار بینچ کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔

"تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔"

"میں۔۔۔!" اسے کرنٹ لگا۔

"اگر یہ بات اس نے میری محبت سے مغلوب ہو کر کہی ہوتی تو شاید میں سوچتا بھی۔" ڈیڈ سے یہ کہہ دینے کے باوجود کہ وہ محض نور آن سے شادی کی خاطر اپنا مذہب نہیں بدل سکتا کئی بار رات کو اپنے بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ اگر نور آن مجھ سے محبت کرنے لگے اتنی ہی جتنی میں اس سے کرتا ہوں' اور وہ کہے کہ ہنری تم میرا مذہب اپنا لو تب تو شاید میں اس کا مذہب اپنا لوں۔"

اسکے دل نے چپکے سے کسی راز کی طرح حامی بھری تھی' ایک بار اس کے اسکول ٹیچر نے کہا تھا۔

"دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے ایک ہی پیغام لائے تھے انہوں نے اس کارخانہ جہاں کو ایک ہی چشم تحیر سے دیکھا۔"

تب اس نے سوچا تھا ایک بار نہیں کئی بار اور اب بھی۔۔۔اب بھی اگر نور آن نے یہ بات اس کی محبت اور چاہ میں کہی ہوتی تو۔۔۔

"کبھی کبھی کوئی بہت شدید خواہش آدمی کو اس طرح مغلوب کر دیتی ہے کہ وہ اس خواہش کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے' بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ مجھے بھی پڑھائی سے عشق تھا میں بھی پڑھنا چاہتا تھا اور اس خواہش نے مجھے ہاتھ باندھ کر اپنے سامنے مغلوب کر کے ڈال دیا تھا میں بے بس ہو گیا تھا۔ مجھے بھی اس لڑکی کی محبت اور رفاقت کی خواہش مغلوب کر سکتی ہے میں بھی اس لڑکی کی خاطر صرف اس خواہش کی خاطر مذہب چھوڑ سکتا ہوں تو ڈیڈ۔۔۔" اس سے اس نے اپنے دل میں ان کے لیے ایک نرم گوشہ بنتے محسوس کیا۔

اس نے نورالعین کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

''ہاں تم۔۔۔'' نورالعین کی نظریں ابھی تک اس کے چہرے پر تھیں۔

''اس میں حرج کیا ہے ہنری! میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم بغیر سوچے سمجھے ہمارا دین قبول کرلو۔ بلکہ پہلے تم اس کا مطالعہ کرو۔ میرے پاس اس کے متعلق لٹریچر ہے تم اچھی طرح سوچ سمجھ کے فیصلہ کر سکتے ہو۔ تم بلاشبہ دین اسلام کو سب سے افضل دین پاؤ گے۔ میں تمہیں دوں گی یہ لٹریچر بلکہ میں ابوصالح سے بھی کہوں گی کہ وہ تمہیں، دین اسلام کے متعلق وہ سب کچھ بتائے جو تم چاہتے ہو۔''

''لیکن میں دین اسلام کے متعلق کچھ بھی کیوں جاننا چاہوں گا؟'' اس نے نورالعین کی باتوں سے دھیان ہٹانے کے لیے ادھر ادھر دیکھا۔

''ضروری تو نہیں کہ میں، اپنے ڈیڈ کا مذہب اپناؤں۔''

اس نے خود کو پھر کہتے سنا حالانکہ وہ نورالعین سے اس مسئلے پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یکدم کھڑا ہو گیا۔

پتا نہیں وہ یونیورسٹی کیوں چلا آیا تھا کیا صرف نورالعین سے یہ سننے کیلئے کہ وہ مسلمان ہو جائے۔۔۔؟ مسلمان جو ساری دنیا میں دہشت گردی پھیلاتے پھر رہے ہیں وہ بھی ان میں شامل ہو جائے۔

''تم سوچنا ہنری!'' نورالعین نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

''نہیں، ہرگز نہیں۔'' اس کے دل نے پوری شدت سے انکار کیا اور وہ نورالعین کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے داخلی گیٹ کی طرف بڑھا سامنے سے آتا فرینک اسے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔

''ہے، رکو کہاں غائب ہو۔۔۔؟'' فرینک اس کے قریب آ گیا۔

''لگتا ہے تمہارا معاملہ سیٹ ہو گیا ہے۔'' اس نے خوش دلی سے ہنری کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''مبارک ہو۔ایسٹرن بیوٹی انجوائے کرو۔''

''ایسا کچھ نہیں۔''

فرینک کو وہ بے حد سنجیدہ اور اُداس لگا۔

''کیا تم کچھ پریشان ہو ہنری؟'' اب کے فرینک نے اسے بغور دیکھا۔

تمہارے ڈیڈ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں؟'' اس نے جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

''واپس جا رہے ہو؟'' وہ اثبات میں سر ہلائے تیزی سے آگے بڑھ گیا فرینک نے اسے حیرت سے جاتے دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر آگے بڑھ گیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے سیل فون بجا۔اس نے دیکھا۔ڈیڈ کا نمبر تھا۔ایک لمحہ کو اس کا دل چاہا وہ ان کی بات سن لے آخر وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے فون آف کر دیا۔

''مجھے اب آپ سے بات نہیں کرنا ڈیڈ!'' اس نے زیر لب کہا اور کچھ دیر بعد وہ ایک پب میں بیٹھا بے تحاشا پی رہا تھا۔جب وہ لڑکی اس کی میز پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔اس کی رنگت سنہری تھی اور شاید آنکھیں سنہری نہیں سبز سبز تھیں لیکن ہنری کو لگا اس کی آنکھیں سنہری ہیں۔

☆......☆......☆

چودہ اگست 1947ء کا سورج اپنے دامن میں بہت سی خونچکاں کہانیاں لے کر نمودار ہوا۔حویلیاں اجڑ گئیں' نوابی ختم ہوئی' عصمتیں لٹیں' لاکھوں میں کھیلنے والے خالی ہاتھ عزتیں بچا کر لٹے پٹے پاکستان پہنچنے لگے۔ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کا جس طرح قتلِ عام کیا وہ دلدوز داستانیں آج بھی تاریخ کے صفحات پر رقم ہیں۔بیٹے' بھائی' باپ قربان کر کے بھی لوگ خوش تھے کہ آزادی ملی۔کیا ہوا خالی ہاتھ ہیں وطن تو اپنا ہے۔انگریزوں کی غلامی سے تو نجات ملی۔

سا نتا ہار کے بھی ہر مسلمان گھرانے میں چراغ جلائے گئے۔ ہندو زمین دار اور دوسرے چند ہندو گھرانے جون کے اختتام پر ہی گھر بار بیچ کر جا چکے تھے۔ جانے والے تو مٹی کی صراحیاں اور چوکیاں تک بیچ کر گئے تھے جب کہ آنے والے بھرے گھر چھوڑ کر آ رہے تھے۔ مولوی عبدالحق بھی اپنے بھائی کے لیے پریشان تھے۔ اس کا ایک خط آیا تھا کہ وہ 11 اگست کو لاہور کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ لیکن پھر اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

اب تو ستمبر آ چکا تھا۔ اِدھر اُدھر سے بڑی تشویش ناک خبریں مل رہی تھیں 9 اگست کے بعد کلکتہ سے جو ٹرین بھی روانہ ہوئی اسے راستے میں لوٹ لیا گیا بلوائیوں نے سب کو مار ڈالا' لاہور اسٹیشن پر جو گاڑی بھی پہنچ رہی تھی اس کے ہر ڈبے میں کئی پھٹی لاشیں تھیں اور۔۔۔

''میرا دل کہتا ہے میرا بھائی اور اس کا خاندان ۔۔۔'' مولوی عبدالحق بات ادھوری چھوڑ دیتے۔ گھر میں اگرچہ پاکستان بننے کی پوری طرح خوشی منائی گئی عبدالرحمٰن اور عبدالعزیز نے منڈیر پر دیئے جلا کر رکھے تھے اور ایک چھوٹا سا پرچم بھی لگا دیا تھا' لیکن شام کو جب سب صحن میں بیٹھتے تو ایک جامد سی خاموشی سب کے بیچ در آتی۔ مولوی عبدالحق تو شاید اپنے بھائی کے متعلق سوچتے تھے لیکن نجم النساء کے ذہن میں بار بار محمد سعید کا خیال بھی آتا۔

''کیا وہ وہیں ہوگا۔ وہ بھی تو مسلمان ہے۔ کہیں کسی بلوائی نے اسے۔۔۔''

وہ وقار النساء سے چپکے چپکے محمد سعید کی باتیں کرتی وہ اسے بہت یاد آتا تھا۔ وہ اس سے صرف دو سال چھوٹا تھا لیکن کتنا سمجھ دار تھا۔ کتنی چھوٹی عمر میں اس نے قرآن حفظ کر لیا تھا۔ کبھی جب وہ دونوں چپکے چپکے سعید کی باتیں کر رہی ہوتیں اور عبدالعزیز یا عبدالرحمٰن کے آنے پر چپ ہو جاتیں تو وہ ضرور پوچھتے۔

''آپا! آپ دونوں چپکے چپکے کیا باتیں کرتی ہیں۔۔۔؟''

''ہماری اپنی باتیں ہیں تمہیں کیا۔۔۔؟''
''کیا راز کی باتیں ہیں۔۔۔؟'' عبدالرحمٰن پوچھتا۔
''میں بتاؤں۔'' عبدالعزیز کے مزاج میں شوخی تھی۔
''یہ دونوں اپنے اپنے بیاہ کی باتیں کرتی ہیں اور اپنے اپنے دولہا کی۔۔۔''
''فضول۔۔۔'' نجم النساء اس کا کان پکڑنے کو اٹھتی تو وہ بھاگ جاتا۔ اس روز بھی وہ صحن میں چولہے کے پاس چوکی پر بیٹھی وقار النساء سے باتیں کر رہی تھی۔
''آپا! کل میں نے خواب میں محمد سعید کو دیکھا۔''
تب ہی مولوی عبدالحق گھر میں داخل ہوئے۔ وہ دو دن سے ڈھاکہ گئے ہوئے تھے۔ انہیں پتہ چلا تھا کہ کلکتہ سے ان کے ایک عزیز ڈھاکہ آئے ہوئے ہیں وہ ان سے عبدالرزاق کا پتہ کرنے گئے تھے۔ نجم النساء نے مڑ کر دیکھا ان کا چہرہ معمول سے زیادہ سرخ تھا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ وہ سفر سے آئے تھے نجم النساء نے سلام کر کے فوراً دیوار کے ساتھ لگی چارپائی بچھا کر اس پر چادر بچھادی۔
''ابا آپ کے لیے روٹی بناؤں؟''
''نہیں تمہاری اماں کدھر ہے؟''
''عبدالعلی کو لے کر حکیم صاحب کے پاس گئی ہیں۔ اسے آج پھر بخار چڑھ گیا ہے۔ ابا کیا ہوا کچھ پتا چلا؟''
گلاس میں پانی ڈال کر وقار النساء نے انہیں دیا۔ دو گھونٹ پانی پی کر انہوں نے واپس کر دیا۔
''محفوظ بھائی کو تو پتہ نہیں تھا لیکن وہاں مسجد میں ایک ماسٹر تھا اس نے بتایا ہے کہ وہ لاہور سے اپنی ماں کو لینے آیا ہے جو یہاں ڈھاکہ میں اس کے بڑے بھائی کے پاس ہے۔''
انہوں نے کندھے پر پڑے رومال سے چہرہ صاف کیا اور دروازے سے

اندر آتی ہاجرہ کو دیکھنے لگے۔ ہاجرہ نے اندر آ کر عبدالعلی کو چارپائی پر لٹا دیا اور سوالیہ نظروں سے مولوی عبدالحق کو دیکھنے لگیں۔

''سب۔۔۔سب ختم ہو گئے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''کیا۔۔۔؟''

''ہاں ہاجرہ۔۔۔!وہ جس ٹرین میں بیٹھا تھا اسے دہلی سے آگے جنگل میں سکھوں اور ہندوؤں نے روک لیا تھا اور سب کو تہہ تیغ کر ڈالا۔''

آنسو ان کے رخساروں سے ہوتے ہوئے ان کی داڑھی میں جذب ہونے لگے۔ نجم لنساء ساکت سی چوکی پر بیٹھی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''اس ماسٹر نے بتایا کہ وہ سب ایک ہی ڈبے میں سوار ہوئے تھے ہر اسٹیشن پر دونوں اطراف سکھ کرپانیں لیے کھڑے تھے۔ پھر ایک جگہ انہوں نے ٹرین روک لی اور بلوے کے وقت ایک دری ان پر آ گری اور لاشوں کو نکالنے لگے تو اس نے عبدالرزاق کی لاش دیکھی پاس ہی بیوی اور بچے تھے۔''

آنسوؤں نے ان کی آواز بند کر دی۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے آنسو بہاتے رہے۔ پھر رومال سے چہرہ پونچھا۔

''میں نے پوچھا تھا کہ کوئی ایک فرد بھی نہیں بچا تو اس نے بتایا کہ ایک بھی نہیں۔ اس نے خود تین کی لاشیں دیکھی تھیں بلکہ ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا بارہ تیرہ سال کا وہ بھی نہیں بچ سکا۔ یہ لڑکا کلکتہ سے ان کے س[illegible]ہی آیا تھا اور پھر دہلی میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ شاید کسی جاننے والے یا عزیز نے ساتھ کر دیا تھا۔''

نجم النساء کھڑے کھڑے چوکی پر بیٹھ گئی۔ اسنے وقار النساء کی طرف دیکھا۔ و[illegible]ر النساء بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی دونوں نے ایک ساتھ ایک ہی بات سوچی تھی اور [illegible] دونوں کی آنکھوں میں ایک ساتھ ہی آنسو آئے تھے۔

مولوی عبدالحق اب خاموش تھے لیکن ہاجرہ کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں

وہ گھٹنوں پر سر رکھے رو رہی تھی۔

''ہاجرہ۔۔۔!'' کچھ دیر بعد مولوی عبدالحق نے ہاجرہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''وہ سب اللہ کی امانتیں تھیں۔اللہ نے اپنی امانت لے لی۔سب کی بخشش کی دعا کرو۔ہاجرہ نے سر اٹھا کر مولوی عبدالحق کی طرف دیکھا۔

''مولوی صاحب! وہ بچہ۔۔۔وہ بچہ کون تھا؟''

مولوی عبدالحق نے نچلے ہونٹ کو سختی سے دانتوں تلے داب لیا۔کچھ دیر یونہی ہاجرہ کی طرف دیکھتے رہے۔پھر ایک گہری سانس لی۔

''اس شخص کو نہیں معلوم تھا' وہ کون تھا۔۔۔؟''

''کیا ابا اور اماں بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں''۔نجم النساء نے اپنی چیخ کو بمشکل دبایا۔

''آج سب کا فاتحہ دلوا دینا۔میں مسجد میں قرآن خوانی کرادوں گا کل۔اللہ ان سب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور شہادت کے درجے پر فائز کرے اور فاتحہ دلواتے ہوئے محمد سعید کا نام لے دینا۔''

وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے باہر نکل گئے۔

آج ایک سال بعد اس گھر کے در و دیوار نے محمد سعید کا نام سنا تھا لیکن۔۔۔پھر کئی دن گزر گئے کسی نے محمد سعید کا نام نہ لیا۔پورے گھر پر ایک سکوت طاری تھا لیکن مولوی عبدالحق کا چہرہ پرسکون تھا۔ایک رات انہوں نے ہاجرہ کے دستے ہوئے چہرے کو دیکھا اور بے حد ملائم اور نرم لہجے میں کہا۔

''ہاجرہ! اس روز جب عبدالرزاق کا خط آیا تھا تو میں نے اللہ سے رو رو کر دعا مانگی تھی۔پوری رات روتا رہا' دعا مانگتا رہا سجدے میں گر کر کہ ''اے ارحم

الراحمین! اسے مسلمان کی موت نصیب کرنا اور اللہ نے میری دعا سن لی۔"

ہاجرہ! اس پر اللہ کا شکر ادا کرو کہ ہم روزِ محشر ایک مرتد کے والدین کی حیثیت سے نہیں اٹھائے جائیں گے۔"

"عبدالرزاق کے اس ایک سال میں کتنے ہی خط آئے ہیں۔ ہر خط میں وہ یہی لکھتا رہا بھائی صاحب کچھ دنوں تک سانتاہار آؤں گا شاید وہ اسے ہی لے کر آنا چاہتا ہو۔ ورنہ پہلے تو کبھی اس نے سانتاہار آنے کا نہیں لکھا تھا بلکہ مجھے ہی بلاتا تھا۔ شاید میرے ڈر سے نہ لکھتا ہو خط میں کہ وہ اسے لے آیا ہے۔"

ہاجرہ روتی رہیں۔ مولوی عبدالحق سر جھکائے اللہ کا شکر ادا کرتے رہے۔

سانتاہار میں آنے والے ایک خاندان سے وقار النساء کا رشتہ آیا تھا۔ وہ بڑے وضع دار لوگ تھے' اپنے پیچھے بڑی جائیدادیں چھوڑ کر آئے تھے لیکن کبھی ذکر نہ کیا کہ پیچھے کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ وہ چھوٹے سے گھر میں بھی بڑے قانع اور خوش تھے مولوی عبدالحق ہمیشہ ہی تعریف کرتے تھے اور جب اسی گھرانے سے مدبر مرزا کا رشتہ آیا تو انہوں نے فوراً منظور کر لیا۔ گھرانے میں کل چار افراد ہی تو تھے بڑے بھائی دبیر الدولہ' والد' چھوٹے بھائی' مدبر اور ایک بیوہ چچی تھیں باقی سب مارے گئے۔

اور جس روز وقار النساء رخصت ہو رہی تھی تو اس نے دھیرے سے کہا تھا۔

"وہ کیوں چلا گیا تھا آپا۔۔۔؟"

وقار النساء اس کے کندھے پر سر رکھے روتی رہی اور اس روز اس نے پہلی بار عبدالعزیز کو عبدالرحمٰن سے کہتے سنا تھا۔

"اگر آج سعید بھی ہوتا تو ہمارے ساتھ آپا کی ڈولی اٹھاتا اور ہم بارات آنے پر سعید کے ساتھ مل کر بھنگڑا ڈالتے۔"

اور نجم النساء خود بھی بلک بلک کر رونے لگیں۔

☆......☆......☆

ہنری نے آنکھیں کھول کر سامنے دیوار پر نظر ڈالی لیکن دیوار پر گھڑی نہیں تھی۔وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا۔یہ اس کا بیڈروم نہیں تھا۔یہ بیڈ یہ کارپٹ۔وہ اچھل کر بستر سے اترا۔

''میں کہاں ہوں اور میں یہاں کیسے آیا۔''اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں رات کے خمار سے بوجھل تھیں۔وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا جب وہ لہراتی ہوئی ہاتھ میں بھاپ اڑاتی کافی کے کپ لیے اندر داخل ہوئی۔اس کی آنکھیں سبز تھیں،زلفیں بادامی اور اسکے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''یہ۔۔۔یہ لڑکی۔۔۔!''اس نے پیشانی پر انگلی ماری۔

''ایک لڑکی اس کی میز پر آ کر بیٹھی تھی پھر اس نے ہاں اس نے کیا کہا تھا۔وہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم یہ کافی پیو،میں تمہیں بتاتی ہوں۔''

وہ بیڈ پر بیٹھتے بیٹھتے رک گیا۔اسکے منہ کا ذائقہ بہت عجیب ہو رہا تھا۔

''کیا تم پہلے باتھ لینا چاہتے ہو؟''

''نہیں بس برش کروں گا۔لیکن میرا برش۔۔۔؟''

میرے باتھ روم میں کیبنٹ میں نئے ٹوتھ برش ہیں۔تم استعمال کر سکتے ہو۔''

''تھینک یو۔''وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

''ویلکم۔''لڑکی ایک طرف پڑے اسٹول پر بیٹھ کر کافی کی چسکیاں لینے لگی وہ واش روم سے نکلا تو تب بھی الجھا ہوا تھا۔

''میرا نام کرسٹین ہے۔کل دوپہر تم نے مجھے میری درخواست پر ایک پیگ شمپین پلائی تھی اور تم نے میری دوستی کو بھی قبول کیا تھا۔''

وہ بتا رہی تھی اور وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے کل دوپہر کی ہر بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم بالکل مدہوش تھے۔ میں بڑی مشکل سے تمہیں ویٹر کی مدد سے گاڑی تک لائی تھی۔''

''میری گاڑی!'' ہنری نے پوچھا۔

''میرے پورچ میں کھڑی ہے۔ میں آج صبح جا کر لے آئی تھی۔ تمہاری چابیاں میں نے تمہاری پاکٹ سے نکال لی تھیں اور جب تم گاڑی پارک کر رہے تھے تو میں نے تمہاری گاڑی کے دائیں طرف اپنی گاڑی پارک کی تھی۔ میں نے تمہیں گاڑی سے نکل کر بار کی طرف جاتے دیکھا تھا اس لیے مجھے پتا تھا کہ تمہاری گاڑی کون سی ہے۔'' اس نے کافی کا خالی کپ کارنر ٹیبل پر رکھا۔

''یہاں اپنے بیڈ روم تک لانے میں میرے پڑوسی نے مدد کی۔ تم بہت نشے میں تھے اور تم نے نشے میں میرے پڑوسی کو گالیاں دی تھیں۔''

وہ ہنسی لیکن ہنری سنجیدہ تھا۔

''تم ایسی تو نہیں لگتیں کہ تمہیں ایک پیگ کسی سے مانگنا پڑے۔''

''اوہ، تو تم اتنی دیر سے یہ سوچ رہے ہو۔'' وہ پھر ہنسی۔

''دراصل میں اپنی ساری رقم گیم میں ہار چکی تھی اور شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی کچھ پینے کی پھر تم مجھے بہت اداس اور تنہا لگے تھے۔ میں تمہیں کمپنی دینا چاہتی تھی اور تم سے باتیں بھی کرنا چاہتی تھی لیکن تم۔۔۔ تم۔۔۔ تو یہاں بیڈ پر گرتے ہی سو گئے اور کل دوپہر سے اب تک سو رہے ہو۔ اس وقت نو بجے ہیں۔ تم ناشتے میں کیا لینا پسند کرو گے؟''

''تھینک یو۔۔۔ میں اب چلتا ہوں۔''

''تم بھول رہے ہو ہنری! کہ کل تم نے مجھے دوست بنایا تھا۔''

''میں نشے میں تھا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''لیکن اب تو نشے میں نہیں ہو میرا خیال ہے میں تمہاری اچھی دوست ثابت ہوسکتی ہوں۔ تم اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کر سکتے ہو۔'' اس کی سبز آنکھیں اس کے چہرے پر جم سی گئی تھیں۔

''کل تم نے کسی نور آن کا ذکر کیا تھا۔ وہ تمہاری کون ہے اور وہ کیوں تمہارا مذہب بدلنا چاہتی ہے' کیا وہ مسلم ہے؟''

''ہاں۔۔۔!'' ہنری نے غیر ارادی طور پر سر ہلا دیا۔

''وہ چاہتی ہے کہ تم بھی مسلم ہو جاؤ۔''

''ہاں۔۔۔؟''

''کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟'' اس نے پھر پوچھا۔

ہنری نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے۔''

''پتا نہیں!''

ہنری نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں بلا کا سحر تھا اور اس کے گلابی ہونٹوں پر بلا وادیتی مسکراہٹ۔

''بھلا نور آن اور اس کا کیا مقابلہ نور آن اور ہے اور یہ۔۔۔ یہ۔۔۔'' اس نے پوچھا۔

''کہیں بھی کچھ بھی آخر نہیں ہوتا ہنری! تلاش ختم نہیں ہوتی۔ بہتر سے بہتر مل سکتا ہے۔ تم اس کا خیال دل سے نکال دو۔ مذہب ایسی چیز نہیں ہے کہ ایک لڑکی کے لیے اسے چھوڑ دیا جائے۔ تمہیں بہترین سے بہترین لڑکی مل سکتی ہے۔ یہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم انہیں نیست و نابود کر دیں اور بدقسمتی یہ ہے کہ یہ لوگ تمہارے جیسے معصوم نوجوانوں کو پھانس لیتے ہیں اور پھر اپنے مذہب کے سحر میں

مبتلا کر کے انہیں مذہب بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

"لیکن نور آن نے تو مجھ کو نہیں پھانسا میں خود ہی دراصل۔۔۔"

"یہی تو ان کا طریقہ واردات ہے۔" اس نے ہنری کی بات کاٹ دی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم آج میرے ساتھ چلو ایک گھنٹے بعد مجھے ایک جگہ جانا ہے۔ایک ٹریننگ کورس میں شرکت کرنے۔آج کی اس کلاس میں سر جوزف ملر نے ہمیں لیکچر دینا ہے وہ Rick Love کے مشنری ادارے Frontiers کے ایک رکن ہیں۔"

"لیکن یہ ٹریننگ کورس کس قسم کا ہے' میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟ کیا تم کسی مشنری ادارے میں کام کرتی ہو؟"

"نہیں' لیکن میں اس کی ٹریننگ لے رہی ہوں شاید اگلے دو ہفتوں تک میں کسی اسلامی ملک میں بھیج دی جاؤں۔" اس نے خالی کپ اٹھا لیے۔

"لیکن میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔" ہنری نے پوچھا۔

"کچھ نہیں' بس تم سر جوزف ملر کا لیکچر سننا۔تم اس تذبذب سے نکل آؤ گے جس میں پھنسے ہوئے ہو۔"

"کس تذبذب سے؟" ہنری کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"تم مذہب بدلنا بھی چاہتے ہو اور نہیں بھی۔کوئی جذبہ تمہارے اندر ایسا ہے جو تمہیں اکساتا ہے کہ تم مذہب بدل لو۔یہ بہت منہ زور جذبہ ہے۔شاید محبت۔لیکن تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہو۔تم یسوع مسیح کے ایک سچے پیروکار بھی ہو۔تم اسلام سے نفرت کرتے ہو اور۔۔۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔ہنری یکدم ہی اس سے متاثر ہو گیا۔یہ تو اس کے دل میں چھپی باتیں تھیں۔

''تم مدہوشی میں مسلسل بول رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ تم بہت اپ سیٹ ہو۔ سر جوزف کی تعلیمات سے تم جان جاؤ گے کہ صرف عیسائیت سچا مذہب ہے۔''

''تھینک یو تم بہت اچھی ہو۔'' تمہیں کل میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔'' ہنری اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں' میں نے تمہیں دوست کہا ہے تو دوستوں کے لیے کچھ کرنے میں کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔''

ہنری اس کا ممنون دکھائی دینے لگا۔

''تم اگر میرے ساتھ چلنا چاہو تو ٹھیک ایک گھنٹے بعد تم اسی بار کے باہر میرا انتظار کرنا۔ میں تمہیں وہاں سے پک کرلوں گی۔''

ہنری جب اس کے اپارٹمنٹ سے نکلا تو اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ جائے گا لیکن جب وہ باتھ لینے کے بعد ولسن کے ہاتھ کی بنی ہوئی کافی پی کر گھر سے باہر نکلا تو غیر ارادی طور پر اس کا رخ اس بار کی طرف تھا اور کچھ دیر بعد کرسٹن کے ساتھ جا رہا تھا۔

''مجھے یقین تھا' تم ضرور آؤ گے۔'' اس کی سبز آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

وہ جس ہال میں داخل ہوئے وہاں پندرہ سولہ لڑکے اور دو لڑکیاں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک میز پر ملٹی میڈیا پروجیکٹر رکھا تھا۔ جو ایک کمپیوٹر کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ اسے ہال میں بیٹھا کر کچھ دیر کے لیے باہر چلی گئی۔

''دراصل مجھے اس کورس کے انچارج کو تمہارے متعلق بتانا تھا۔ یہاں غیر متعلق لوگ نہیں آتے۔ لیکن میرے کہنے پر سر نے اجازت دے دی۔ مجھے یقین ہے کہ تم مستقبل میں ہمارے ساتھی ہو گے کیونکہ تمہیں مسلمانوں سے نفرت ہے۔''

ہنری خاموش رہا۔

"ہمارے اس کورس کا نام ہے Muslims Proscelytizing یعنی مسلمانوں کے عقائد بدلنا اور آج کا لیکچر اسی حوالے سے ہے۔"

تب ڈاکٹر جوزف ملر ہال میں داخل ہوئے۔ انہوں نے پہلے یسوع مسیح کی تعلیمات کے متعلق بتایا۔

"وہ لوگ جو Jesus کی تعلیمات کو نہیں اپناتے وہ شیطان کے چنگل میں پھنس چکے ہیں۔ خاص طور پر یہ مسلمان۔۔۔" آج میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلمان کو تم براہ راست مذہب بدلنے کو کہو گے تو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جائے گا وہ اس طرح مذہب نہیں بدلتا بلکہ اس کے لیے ہمیں بھیس بدلنا پڑے گا۔ تم سب آئندہ دو ماہ تک اللہ کے سچے نبی حضرت عیسیٰؑ کا پیغام پہنچانا ہے اور مسلمان کمیونٹی میں گرجوں کی تعمیر کرنا ہے۔

اس کے لیے تم ٹیچر بن کر ان کی مدد کرنے والا بن جاؤ۔ مسلمان جدید علم کا شیدائی ہے۔ وہ ٹیچر بن کر آنے والوں کی قدر کرتا ہے۔ تم انہیں علم کا لالچ دو۔ یہ بہترین ذریعہ ہے ان تک رسائی کا۔۔۔"

"ڈیڈ بھی تو علم حاصل کرنے کی خاطر۔۔۔" ہنری نے سوچا تھا۔

"مسلمان ایک بیک ورڈ اور غریب قوم ہے۔ ان ممالک میں بے روزگاری بہت ہے۔ انہیں روزگار مہیا کرو۔ جیسے ہم نے انڈونیشیا میں کیا وہاں کارخانے لگائے مسلمان اور کریسچن بھرتی کیے ان تک رسائی حاصل کی اب اسلام کو دنیا سے ختم ہو جانا چاہیے۔"

جوزف ملر کی آواز میں نفرت گھل گئی۔ ہنری نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مشنروں کو کبھی اپنی حیثیت کو مشنری کی حیثیت سے شناخت نہیں

کروانا چاہئے۔'' جوزف ملر کہہ رہا تھا اور سب ہمہ تن گوش تھے۔

''مسلمان کے اندر گھس کر انہیں اپنا لو انہیں اپنا اتنا احسان مند کرلو کہ وہ تمہارے سامنے جھک جائیں۔ ان کی ضرورتوں کو خریدو۔ ان کی جڑوں کو کاٹ دو۔ یہ مسلمان اندر سے ہمیشہ مسلمان رہتے ہیں۔ یہ امریکہ جا کر ڈالر کمانے کے شوق میں مذہب بدل لیں گے جھوٹ موٹ' مگر اندر سے مسلمان رہیں گے۔''

''بالکل ڈیڈ کی طرح۔۔۔'' ہنری نے پھر سوچا۔ وہ بھی تو ہمیشہ اندر سے مسلمان ہی رہے۔

''لیکن ہزاروں کروڑوں میں کوئی ایک ایسا کرتا ہے۔ میں 23 سال تک پاکستان کے شہر ڈیرہ غازی خان میں رہا۔ میں نے ہر طرح سے کوشش کی۔ لالچ دیا۔ مفت پمفلٹ تقسیم کیئے۔ ان کی عورتوں کو میری بیوی نے گھر میں بائبل کی تعلیم دی لیکن بدقسمتی سے میں ایک شخص کو بھی مذہب بدلنے پر مجبور نہ کر سکا۔ ایک روز انہوں نے میرے دیئے ہوئے پمفلٹوں کو آگ لگا دی۔ یہ اندر سے بڑے کٹر ہوتے ہیں۔ چاہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق چلیں یا نہیں لیکن مذہب کے نام پر کٹ مرنے کو تیار۔ ہمیں ان کی سوچ بدلنا ہے۔ اسلام پر سے ان کا یقین اٹھانا ہے۔ انہیں شک میں مبتلا کرنا ہے۔ انہیں سمجھانا ہے کہ تمہارا دین تمہیں نقصان پہنچا رہا ہے' انہیں عیش و عشرت کی لت ڈالنی ہے۔''

''لیکن جب آپ 23 سال میں ایک مسلمان کو بھی مذہب تبدیل کرنے پر راغب نہ کر سکے تو ہم کیسے کریں گے؟'' ایک لڑکے نے پوچھا۔

''میرا طریقہ کار غلط تھا۔ میں ڈائریکٹ عیسائیت کا پرچار کرتا تھا لیکن اب اصل بات ہم نے جان لی ہے۔ جب تک آپ کسی معاشرے کا مزاج نہیں بدلتے اس کی مثبت اور مضبوط روایات کی جڑیں نہیں ہلاتے اس وقت تک آپ اس ملک میں تبدیلی نہیں لا سکتے صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے پہلے صورت حال پیدا

کرنا ہوتی ہے۔ پہلے صورت حال پیدا کرو۔ اتنا کمزور کردو کہ پھر ایک جھٹکے میں گرالو۔"

جوزف ملر بولتا رہا اور ہنری کا ذہن ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔

"یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہماری اتنی کوششوں کے باوجود ہر سال عیسائیت سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد عیسائی ہوجانے والوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔"

جوزف ملر نے اپنی تقریر ختم کی تو پروجیکٹر پر مختلف اسلامی ممالک میں مشنری اداروں کی کوششیں دکھائی گئیں۔ کارکردگی کا بائیوڈیٹا بتایا گیا اور پھر سب نے کھڑے ہوکر دعا کی۔

"خداوند! تو دنیا سے مسلمانوں کو نیست و نابود کردے۔ ان بے وقوف مسلمانوں کو سیدھا راستہ دکھا۔"

وہ سب دعا مانگ رہے تھے لیکن ہنری ساکت کھڑا تھا۔ کوئی چیز اس کے ذہن کو الجھا رہی تھی، کیا چیز' کیا بات' یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیسا لگا سر جوزف کا لیکچر۔۔۔؟" کرسٹین نے واپسی پر پوچھا۔

"بس ٹھیک تھا۔ لیکن ایک بات بتاؤ کرسٹی! تم لوگوں کی اتنی کوششوں کے باوجود مسلمان عیسائیت کیوں اختیار نہیں کر رہے' جبکہ مسلمان ہوجانے والے عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے؟" شاید یہی بات اسے الجھا رہی تھی اس لیے بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"تم نے انڈونیشا' قازقستان' افغانستان اور بنگلہ دیش میں ہمارے اعداد و شمار دھیان سے نہیں سنے شاید۔۔۔"

اس کے سامنے ڈاکٹر جان رابرٹ کی پوری زندگی گھوم رہی تھی۔

"اور۔۔۔" قدرے توقف سے اس نے بات مکمل کی۔

''زندگی کے کسی موڑ پر یہ اپنے دین کی طرف پلٹ جائیں۔''

''نہیں' اسلام میں دین سے پھر جانے والا مرتد ہو جاتا ہے وہ لوگ اسے پھر قبول نہیں کر سکتے ہیں۔''

''لیکن دین اسلام میں توبہ بھی تو ہے۔۔۔''

اسے ڈیڈ کی بات یاد آ گئی جب وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''وہ خدا میری توبہ ضرور قبول کرے گا۔ میں بہت گناہ گار ہوں۔''

''تم دین اسلام کے متعلق کتنا جانتے ہو؟'' اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''کچھ زیادہ نہیں' بس کبھی کبھار کوئی مسلم کلاس فیلو کوئی بات کر دیتا ہے تو ذہن میں رہ جاتی ہے۔''

''ہنری!'' بار کے قریب گاڑی پارک کرتے ہوئے کرسٹین نے کہا۔

''تمہاری شخصیت میں بہت سحر ہے۔ تم اگر ہماری اس تنظیم میں شامل ہو جاؤ تو ہمیں بہت خوشی ہو گی۔ ہمیں ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔''

''نفرت۔۔۔''

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ ڈیڈ نے کبھی اسے مسلمانوں سے نفرت نہیں کرنے دی تھی۔ جب کبھی اسکے دل میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بات آتی تو وہ بڑی خوبصورتی سے اس کا دل صاف کر دیتے تھے۔

''ہاں' تم اگر ہم میں شامل ہو جاؤ تو ہو سکتا ہے تم اس لڑکی نور آن کو بھی قائل کر سکو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری محبت میں، تمہاری خاطر اپنا مذہب چھوڑ دے۔ تم اسے حاصل کر سکو۔''

''میری محبت میں۔ لیکن وہ تو مجھ سے محبت نہیں کرتی۔''

اس نے خود کو کہتے سنا اور کرسٹین کے حیران چہرے کو دیکھے بغیر گاڑی سے اتر آیا۔

''میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں ہنری! اگر تم پسند کرو تو میرے ساتھ اس ٹائم پر ہماری کلاس اٹینڈ کر سکتے ہو۔ ہمارا یہ کورس دو ہفتوں پر مشتمل ہے۔ پھر شاید مجھے ترکی بھیج دیا جائے اور میں خداوند یسوع مسیح سے دعا کروں گی کہ اس سفر میں تم میرے ساتھ ہو۔''

وہ فضا میں بوسہ اچھالتے ہوئے تیزی سے گاڑی نکال لے گئی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑا رہا پھر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا جسے اس نے جانے سے پہلے یہاں چھوڑا تھا۔ گھر آیا تو ولسن نے اسے بتایا کہ لانگ ایٹن سے وکیل کا فون آیا تھا۔ وہ اس سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔

''اچھا۔۔۔!'' وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔

''کافی کے ساتھ سینڈوچز بنا دو۔'' ولسن نے سر خم کیا۔ لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔

''سر! وہ ڈاکٹر صاحب کا فون آیا تھا۔ آج بارہ بجے کی فلائٹ سے انہیں روانہ ہونا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر آپ جانے سے پہلے ان سے بات کر لیں تو۔۔۔''

ہنری نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔

''تو ڈیڈ چلے گئے۔'' اس کے دل پر چھائی اداسی کی دھند گہری ہونے لگی۔

''وہ سر ڈیوڈ کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر۔۔۔'' ولسن ابھی تک کھڑا تھا۔

''جاؤ۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر بیزاری سے کہا۔

''میں نے کل دوپہر سے کچھ نہیں کھایا۔''

''اوہ یس۔۔۔'' ولسن تیزی سے مڑ گیا۔

کیا تھا اگر میں ڈیڈ سے بات کر لیتا۔ کوئی پچاس بار تو انہوں نے فون کیا ہوگا

آخر میں مام سے بھی تو ملتا ہوں حالانکہ وہ مجھے چھوڑ گئی تھیں اور اگر ڈیڈ بھی مجھے نہ رکھتے تو میں کسی سوشل ویلفیئر کے ادارے میں ہوتا یا کسی فیملی میں عارضی طور پر رہنے کے لیے چلا جاتا۔ جو پیسے لے کر میری دیکھ بھال کرتے نہ جانے مجھے کتنے گھروں میں رہنا پڑتا۔ سیسل کی طرح اور ڈیڈ۔۔۔؟"

اس نے آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

اس نے تصور میں انہیں جہاز کی سیڑھیاں چڑھتے دیکھا اداس اور نڈھال سے۔

"افوہ! کیا تھا اگر میں ان سے بات کر لیتا۔"

ولسن نے بڑی پھرتی سے ٹیبل سجا دی تھی۔ سینڈوچز' جوس' کیک اور بیف کے تلے ہوئے پارچے۔

ولسن اور ڈیڈ نے بچپن سے ہی اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا۔ اب وہ ڈاکٹر جوزف ملر کے لیکچر کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"ہر شخص کو دنیا میں اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے کی آزادی ہے پھر یہ لوگ اتنی مکاری اور ہوشیاری سے کیوں مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کے سامنے پروجیکٹر پر دکھائی جانے والی فلم کے مناظر بھی آ رہے تھے پسماندہ علاقوں میں اسپتال اور اسکول بنائے جا رہے تھے۔ غریب لوگوں کو روزگار مہیا کرنے کے لیے کارخانے بنائے جا رہے تھے۔ مظلوم کی مدد کے لیے این جی اوز مصروف کار تھیں لیکن ان سب کے پیچھے ایک ہی مقصد تھا۔ مسلمانوں کو ختم کر دینا وہ سوچتا رہا' الجھتا رہا' کچھ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کون سا دین صحیح ہے۔

"آخر میں کیوں سوچ رہا ہوں۔ میں ایک سچا کرسچن ہوں۔ اپنی مام کی طرح مجھے کچھ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ولسن! میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔ کوئی بھی فون آئے تو مجھے مت جگانا۔"

"پور بوائے!" اس نے زیر لب کہا اور سر جھکا دیا۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ الجھتا رہا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کرسٹین کے ساتھ مزید کئی لیکچر اٹینڈ کئے۔ لیکن جب وہ واپس آتا تو مزید شکوک کا شکار ہو جاتا اس کا ذہن بہت ساری باتوں کو قبول نہیں کرتا تھا۔

کرسٹین اس دوران اس پر بہت مہربان ہوتی جا رہی تھی اس نے اسے تنظیم کے ڈائریکٹر Rick love کے لیکچرز کی کئی سی ڈیز دی تھیں۔ جنہیں اس نے کئی بار سنا تھا لیکن ہر بار سن کر اس کے ذہن میں کوئی الجھن رہ جاتی۔ اسے کچھ نہ کچھ غلط لگتا۔ وہ یونیورسٹی نہیں جا رہا تھا۔ نہ ہی وہ وکیل کے پاس گیا تھا۔ وہ ابھی لانگ ایٹن نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کے سب دوستوں نے فون کیے تھے۔ عبدالمنان اور خدیجہ نے بھی اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

خدیجہ نے اپنی مخصوص میٹھی زبان میں کہا تھا۔

"ادھر تم بہت اکیلے ہو تو عبدالمنان کو بھیج دوں؟"

"تھینکس خدیجہ میرے پاس ولسن ہے۔"

وہ اس کے خلوص سے متاثر ہوا تھا۔

"راک لو نے کہا تھا۔ یہ مسلمان جادوگر ہوتے ہیں ان کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے' غور نہیں کرنا چاہئے۔"

"ہاں جادوگر تو ہوتے ہیں نور آن کی طرح' بغیر بات کیے بھی اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔"

اس کا دل بے اختیار نور آن سے ملنے کو چاہنے لگتا لیکن وہ سختی سے اپنی خواہش کا گلا دبا دیتا۔

"کیا تم یہ سمسٹر ڈراپ کرنا چاہتے ہو؟" ایک روز باب نے فون پر پوچھا

تو وہ ''یس'' کہہ بیٹھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے فون بند کر دیا تھا۔ لیکن اندر کی کشمکش سے تنگ آ کر اس نے بالآخر کرسٹین کی تنظیم جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''میں صبح کرسٹین کو اس فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔'' رات کو وہ فیصلہ کرنے کے بعد بے حد مطمئن سا بیڈ پر لیٹا تھا۔

لیکن رات کے دو اڑھائی بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ حلق میں کانٹے سے چبھے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ روشن کیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور اس خواب کے متعلق سوچنے لگا جو اس نے دیکھا تھا۔

وہ ایک تنگ راستے پر چل رہا تھا۔ پیچھے سے ڈیڈ نے اسے آواز دی تھی۔

''ہنری! ہنری! رک جاؤ۔۔۔ آگے کھائی ہے۔'' لیکن وہ تیز تیز چلنے لگا۔

''ہنری۔۔۔!''

وہ ہاتھ پھیلائے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے رک کر اس نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے بے حد کمزور اور بوڑھے لگ رہے تھے۔ ان کے بال ایک دم سفید ہو رہے تھے۔ چہرے پر جھریاں تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''ہنری! مائی چائلڈ! رک جاؤ۔۔۔'' لیکن وہ رخ موڑ کر اس تنگ راستے پر بھاگنے لگا تھا۔ وہ اسے پکارتے آوازیں دیتے اس کے پیچھے تھے پھر یکایک اسے ٹھوکر لگی تھی اور۔۔۔ اور۔۔۔ اس کے پیچھے آتے ڈیڈ نے اس کی شرٹ پکڑ کر کھینچا تھا۔ وہ جھٹکا کھا کر گر پڑا تھا اور گرتے گرتے اس نے دیکھا تھا۔ وہ بالکل کنارے پر گرا تھا، نیچے بہت گہری کھائی تھی، بہت خطرناک اور اس کھائی میں دھاڑتے ہوئے شیر تھے اور اپنی خوفناک زبانیں باہر نکالے ہوئے سانپ، اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

''اوہ خدایا! کیسا خواب تھا یہ۔۔۔؟''

پھر ساری رات وہ نہ سو سکا۔

پھر اس نے صبح لانگ ایٹن فون کر کے ڈیوڈ سے پوچھا تھا۔

''کیا ڈیڈ کا کوئی فون آیا؟''

''نو سر۔۔۔!'' ڈیوڈ ان کے جانے سے بہت افسردہ تھا۔

ہنری نے زیادہ بات کئے بغیر فون بند کر دیا اور کرسٹین کو فون کرنے کی کوشش کی تاکہ سے اپنے ارادے سے مطلع کر سکے لیکن اس کا سیل آف تھا۔

پھر دو تین بار اور اس نے ایسا ہی یا اس سے ملتا جلتا خواب دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ کرسٹین نے آنسرنگ مشین پر اس کے لیے پیغام ریکارڈ کروایا تھا کہ وہ چند دنوں کے لیے ہالینڈ جا رہی ہے اپنے پیرنٹس سے ملنے۔ اس وقت اسے کسی دوست کی رفاقت کی بے حد ضرورت تھی۔ وہ اس کی موجودگی میں اب بہت حد تک ریلیکس ہو جاتا تھا اور اس نے ایک روز اسے اپنے ڈیڈ کے متعلق بھی بتا دیا تھا۔

''پھر تو تمہیں ہماری تنظیم میں ضرور شامل ہونا چاہئے۔'' کرسٹین نے اسے اکسایا تھا۔

''اس طرح تم بدلہ لے سکو گے۔ سر جوف ملر کہتے ہیں تم ہمارے بہت اچھے کارکن ثابت ہو گے۔''

''میں سوچ کر بتاؤں گا۔'' اس نے کرین سے کہا تھا اور اب وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ تنظیم میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکا ہے تو وہ یہاں نہیں تھی اور پھر یہ خواب۔

وہ یونہی بے ارادہ گھر سے نکلا تھا لیکن پھر اس نے گاڑی کا رخ یونیورسٹی کی طرف کر دیا۔ سب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

''ہم سب تمہارے لئے بہت پریشان تھے ہنری!'' ابو صالح کے چہرے پر

سچی خوشی تھی۔

''آج میں نے اور عبدالمنان نے تمہاری طرف آنے کا پکا ارادہ کیا تھا۔''

''تھینک یو۔'' اس نے خود کو پرسکون سا محسوس کیا۔

میں در اصل یہ بتانے آیا تھا کہ میں نے Love Rick کی Frontiers کو جوائن کر لیا ہے۔'' اس نے نورالعین کو تلاشا لیکن وہ ان سب میں نہیں تھی۔

''لیکن کیوں۔۔۔؟'' ابوصالح شاید Frontiers کے متعلق جانتا تھا۔

''یہ تم نے صحیح کیا۔'' بوب عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن تمہاری تعلیم۔۔۔؟'' عبدالمنان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''میں شاید دو ہفتوں تک یا شاید ایک ماہ تک چلا جاؤں۔'' ہنری نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

''اس کے ڈیڈ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔'' بوب آج صبح ہی لانگ ایلن سے آیا تھا اور اب وہ عجیب تمسخر سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور یہ شاید اپنے باپ کے قبول اسلام کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔''

ہنری کو بوب کا انداز بے حد برا لگا اور اسے بوب کے انداز گفتگو پر حیرت بھی ہوئی۔ وہ اور بوب بچپن سے ساتھ رہے تھے۔ دونوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا مگر۔۔۔

ابوصالح اور عبدالمنان کے چہرے چمکنے لگے تھے لیکن انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ بوب کے تیور دیکھ رہے تھے اور ہنری کی پریشانی کی وجہ بھی اب ان کی سمجھ میں آ چکی تھی۔ وہ یقیناً اپنے ڈیڈ کے اس عمل سے اپ سیٹ تھا۔

''ہو سکتا ہے ہنری کے ڈیڈ نے اسلام کو بہتر پایا ہو۔'' ابوصالح نے آہستگی سے کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بوب نے ایک طنزیہ سی نظر ہنری پر ڈالی۔
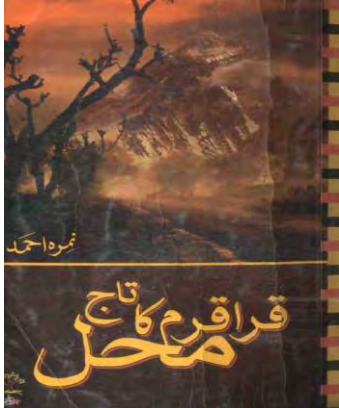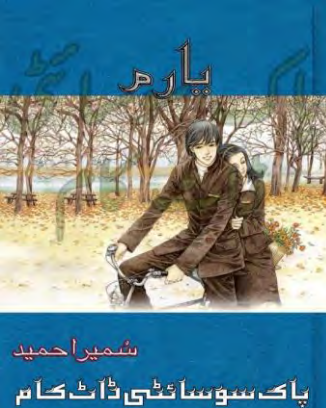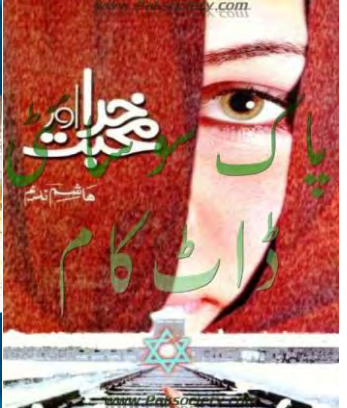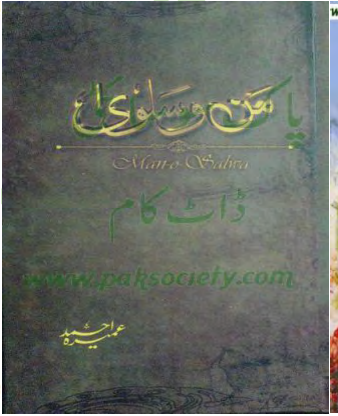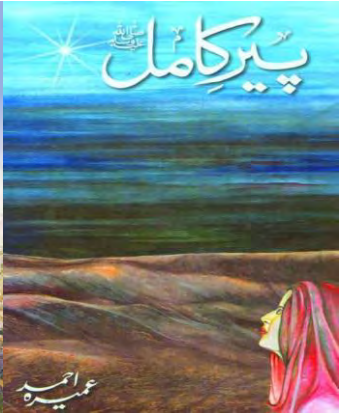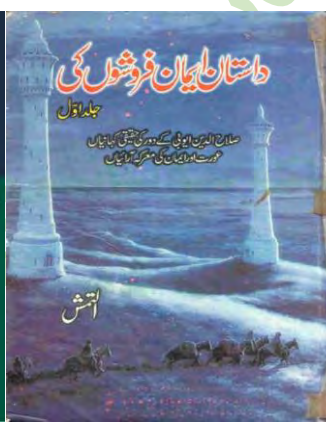
''کیا تمہارے ڈیڈ نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ تم بھی اسلام قبول کرلو؟''

بوب کی بات پر ہنری کے چہرے کا رنگ بدلا۔ وہ ایک دم ہی اٹھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔ اسے بوب سے ایسی گفتگو کی امید نہیں تھی کوریڈور میں اسے سیسل اور نورالعین نظر آئیں۔

''ہے بوائے! کہاں غائب تھے اتنے دنوں سے۔۔۔؟'' سیسل بے حد خوش تھی۔

''یہیں تھا' گھر میں۔۔۔''

اس نے نورالعین کو دیکھا۔

''کیسے ہو تم۔۔۔؟'' وہ مسکرائی۔

''فائن۔''

''میں ایک ہفتے بعد پاکستان جا رہی ہوں۔'' سیسل نے اسے بتایا۔

''اور کل شام میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔''

''صرف شادی کی خاطر؟'' ہنری نے بغور اس کی آنکھوں میں پھوٹتی مسرت کی کرنوں کو دیکھا۔

''فی الحال۔۔۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔

''لیکن میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کردیا ہے۔ بہت جلد میں اس کی روح کو سمجھ لوں گی لیکن جتنا اب تک میں نے جانا وہ بہت حیران کن اور امپریسو ہے بلاشبہ دین اسلام بہترین دین ہے۔ فرائیڈے کو میرا نکاح ہے اسلامک سنٹر میں ہنری! کیا تم آؤ گے؟''

''کوشش کروں گا۔''

''ہے' ڈور تھی۔''

وہ ڈورتھی کو دیکھ کر اس کی طرف لپکی۔ کوریڈور میں نورالعین اور ہنری اکیلے رہ گئے تھے۔

''نور آن۔۔۔!'' ہنری نے جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اس سے اپنے ڈیڈ کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا اور شاید وہ صرف یہی پوچھنے کے لیے یونیورسٹی آیا تھا۔ لیکن اب وہ خاموش کھڑا تھا۔ اتنے دن سے ڈیڈ کے حوالے سے دیکھے گئے خوابوں نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا وہ خیریت سے پاکستان اپنوں کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ وہ ہارٹ پیشنٹ تھے۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اتنے سالوں بعد اچانک اپنوں سے ملنے کی خوشی برداشت نہ کر سکے ہوں۔ لیکن اب اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔۔۔ نورالعین جان گئی تھی کہ وہ کیا پوچھنا چاہتا ہے۔

''میری پاکستان بات ہوئی ہے' وہاں سب نجم النساء پھپھو کے گھر جمع ہیں اور بہت خوش ہیں۔ تایا جان میرا مطلب ہے تمہارے ڈیڈ سے میں نے کل بات کی تھی۔

اس کا دل تیزی سے دھڑکا۔

''کیا ڈیڈ نے میرے متعلق پوچھا تھا؟'' وہ محض سوچ کر رہ گیا۔

''وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔'' نورالعین کی جیسے اس کے ذہن تک رسائی تھی۔

''ہنری! تم نے ان سے بات نہیں کی۔ تم اتنے ناراض ہو ان سے؟'' اس کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔

''تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ وہ اتنے برسوں بعد اپنے بچھڑے ہوئے لوگوں سے ملے ہیں۔''

''اور وہ جو میرا آئیڈیل زمیں بوس ہو گیا۔۔۔'' اس نے سوچا۔

''مذہب تمہارا ذاتی معاملہ ہے ہنری! تم ایک باشعور اور بالغ شخص ہو۔ تم

اچھے اور برے کی پہچان کر سکتے ہو اور اپنے لیے جو چاہے راستہ منتخب کر سکتے ہو، لیکن وہ تمہارے ڈیڈ ہیں، چاہے وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں تمہیں ان کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

وہ ذرا سا نادم ہوا۔ تب ہی سیسل، ڈورتھی سے بات کر کے واپس مڑی۔

"آہا، گڈ نیوز ہنری! تم نے بتایا نہیں۔ یہ ڈورتھی سچ کہہ رہی ہے کہ تمہارے ڈیڈ۔۔۔"

"ہاں!" اس نے سر جھکا لیا۔

"ہنری! کیا تم بھی۔۔۔"

"نہیں۔" اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے خوشی ہوتی اگر تم بھی۔۔۔" سیسل نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"اسلام کا مقصد اچھائی کو نافذ کرنا اور برائی کا خاتمہ کرنا ہے۔ تم سب لوگ سمجھتے ہو کہ میں صرف قاسم سے شادی کے لیے۔ ایک گھر کی حسرت میں ایسا کر رہی ہوں۔ یہ بھی ہے، لیکن میں اسلام سے بہت پہلے سے متاثر ہوں۔ تم سوچنا، ہنری! تمہارے ڈیڈ تمہاری راہنمائی کر سکتے ہیں۔ ویسے یہاں اسلامک سنٹر میں ابوطلحہ بہت بڑے عالم ہیں، چاہو تو ان سے بھی مل سکتے ہو۔"

"اوکے میں چلتا ہوں۔"

وہ باوجود اپنی خواہش کے نورالعین سے ڈیڈ کا کانٹیکٹ نمبر نہ مانگ سکا اور نورالعین پر ایک نظر ڈال کر سیسل کو بائے کہتے ہوئے سست روی سے چلتا ہوا یونیورسٹی سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆
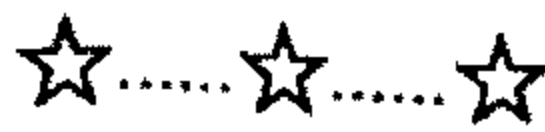
آج بہت سالوں بعد نجم النساء نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ وہ سانتا ہار کی گلیوں میں دیوانوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔ اور وہ اسے آوازیں دے رہی

تھی۔

''سعید! سعید! یہ میں ہوں۔۔۔تمہاری چھوٹی آپا۔''

لیکن وہ شاید ان کی آواز نہیں سن رہا تھا جب ہی تو وہ بھاگتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر آ کھڑا ہوا تھا اور سب کو آوازیں دے رہا تھا۔

''اماں! ابا! آپا! عبدالعلی! کہاں ہو تم سب' میں آ گیا ہوں۔''

لیکن گھر خالی تھا۔ وہ دیوانہ وار کمروں میں چکراتا پھرتا رہا تھا اور وہ جو اسے آوازیں دے رہی تھی' وہ اسے دیکھتا ہی نہ تھا۔ پھر وہ روتا ہوا دروازے سے نکلا۔ وہ اس کے پیچھے ہی تھی لیکن وہ بھاگتا ہوا چھوٹی پلیا کے جنگلے پر چڑھا اور اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

''سعید۔۔۔!'' نجم النساء زور سے چلائی تھی اور ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ ہاجرہ گھبرا کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔

''کیا ہوا بچی! ڈر گئی ہو۔۔۔؟''

'ہاں۔۔۔!'' اس نے گیلے رخساروں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھا۔ وہ ہاجرہ کو بتا نہ سکی کہ اس نے محمد سعید کو دیکھا تھا خواب میں۔ بالکل ویسا ہی جیسا وہ گیا تھا۔ اتنا ہی لڑکا سا وہی سیاہ پٹی والی چپل اور سفید کرتا پاجامہ پہنے جو اس روز اس نے پہنا ہوا تھا۔ حالانکہ پاکستان بنے چودہ سال ہو چکے تھے۔

''وہ ہوتا تو اب اٹھائیس سال کا ہوتا۔ عبدالعزیز اور عبدالرحمٰن کی طرح نہیں ابا کی طرح اونچا لمبا۔''

اس نے آنکھیں بند کر کے تصور میں اسے دیکھا۔

ہاجرہ نے آیت الکرسی پڑھ کر اس پر پھونکا۔

''چاروں قل پڑھ کر سو جا۔''

''اماں! تم سوئیں نہیں۔''

''نہیں۔۔۔!'' ہاجرہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

یہ گھر' یہ زمین' یہ شہر' جہاں وہ پیدا ہوئی تھی جہاں شادی کے بعد وہ مولوی عبدالحق کے گھر آئی تھی جہاں خدا نے اسے بچوں کی دولت سے نوازا تھا اسے چھوڑنا آسان تو نہیں تھا۔

یہ 1961ء تھا۔ عبدالرحمٰن اور عبدالعزیز پڑھنے کی غرض سے مغربی پاکستان جا چکے تھے۔ عبدالرحمٰن تو اپنی تعلیم ختم کر کے سال بھر سے اسپتال میں جاب کر رہا تھے جبکہ عبدالعزیز کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ مشرقی بنگال کا یہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی' مشرقی پاکستان کہلاتا تھا جبکہ دوسرا حصہ مغربی پاکستان کہلاتا تھا۔ عبدالعلی ڈھاکہ میں پڑھ رہا تھا۔ یہاں سانتاہار میں سب سے چھوٹا عبدالوحید تھا۔ جس کی عمر گیارہ سال ہو چکی تھی۔ نجم النساء تھی جس کی عمر انتیس سال ہو چکی تھی لیکن ابھی تک اس کی شادی نہیں ہو سکی تھی چھ سال بیشتر ایک بہاری گھرانے میں بات طے ہوئی تھی لیکن شادی سے پہلے ہی لڑکا وفات پا گیا تھا۔ تب سے پھر کوئی مناسب رشتہ ملا ہی نہیں مولوی عبدالحق اور ہاجرہ کو اس کی بہت فکر تھی۔ عبدالرحمٰن کا خط آیا تھا۔

''میرے ساتھ یہاں اسپتال میں عظیم صاحب ہیں عمر پینتیس سال ہو گی سب خاندان والے 1947ء میں شہید کر دیئے گئے انہوں نے ذکر کیا تھا کہ وہ کسی اچھے شریف گھرانے میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میرے ذہن میں آپا نجم النساء کا خیال آیا ہے آپ سب لوگ یہاں آ جائیں۔''

وہ پہلے بھی کتنی بار انہیں مغربی پاکستان آنے کا کہہ چکا تھا لیکن اب مدتیں ہوئیں وہ یہیں رس بس گئے تھے۔ اس لیے ہر بار ہی مولوی عبدالحق نے انکار کر دیا لیکن اب کی بار انہوں نے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہاں وقار النساء تھی' اس کا گھر تھا' بچے تھے۔ وہ آتے جاتے رہیں گے ادھر۔ انہوں نے ہاجرہ کو تسلی دی۔

نجم النساء نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کمرے کے

بیچوں بیچ سامان بندھا رکھا تھا۔ دائیں طرف چارپائی پر عبدالوحید جو سب سے چھوٹا تھا اور جو سعید کے جانے کے چار سال بعد پیدا ہوا تھا۔

"کیا پتا وہ لڑکا جو چچا کے ساتھ تھا محمد سعید نہ ہو اور محمد سعید زندہ ہو کہیں کسی جگہ پر اور کیا خبر کبھی اسکی یاد اسے آ جائے اماں کی ابا کی یا پھر عبدالعلی کی ہی' کتنا پیار تھا اسے عبدالعلی سے۔۔۔ وہ یہاں آئے سانتاہار میں اور ہم نہ ہوں گے یہاں تو وہ کتنا مایوس ہوگا۔" اسنے بیٹھے بیٹھے سوچا۔

عبدالرحمٰن کو مولوی عبدالحق نے تار بھی دے دیا تھا کہ وہ اتوار کی صبح کو ڈھاکہ سے روانہ ہوں گے اور وہ جانتی تھی کہ مولوی عبدالحق نے یہ فیصلہ کیوں کیا۔

وقت کتنی تیزی سے گزر گیا تھا کہنے کو چودہ برس تھے۔ مولوی عبدالحق جس اسکول میں مدرس تھے وہاں ہی وہ صدر مدرس ہو گئے تھے۔

سعید بابو اب زمیندار کے ملازم نہ رہے تھے۔ وہ اب دبیر الدولا کے منشی تھے۔ عبدالرب نے نئی بوٹ مل میں نوکری کر لی تھی۔ پاکستان نے انہیں عزت دی تھی' خوشحالی دی تھی اور سب سے بڑھ کر آزادی کی دولت۔

مولوی عبدالحق کا گھرانہ سب کو خدا حافظ کہہ کر لاہور آ گیا تھا۔ جس شام عبدالرحمٰن ڈاکٹر عظیم کو ان سے ملانے لایا تھا۔ انہیں لاہور آئے چھ دن ہو چکے تھے انہیں ڈاکٹر عظیم بہت اچھا لگا تھا بہت سمجھدار اور سنجیدہ سا اور انہوں نے اسی وقت اٹھ کر شکرانے کے دو نفل پڑھے تھے کہ اللہ کے فضل سے اب وہ نجم النساء کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے۔ اور نجم النساء تو مسلسل یہی سوچتی رہی تھی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں اتنا فاصلہ کیوں ہے اور وہ وقار النساء سے اور اس کے بچوں سے کتنی دور آ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ جب دلہن بنی سجی سنوری نجم النساء کو ڈاکٹر عظیم رونمائی میں برسلیٹ پہنا رہے تھے تب بھی وہ یہی سوچ رہی تھی اور یہی بات اس نے ڈاکٹر عظیم سے پوچھی تھی اور وہ اپنی انتیس سالہ دلہن کے منہ سے یہ بات سن کر بے اختیار ہنس

پڑے تھے۔ نجم النساء جو انتیس سال کی عمر میں بھی بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں لگ رہی تھی اور جس کے چہرے پر بلا کی معصومیت اور پاکیزگی تھی۔

''ہم نے اس سے پہلے غور نہیں کیا کہ اتنے فاصلے کیوں ہیں۔ لیکن آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں؟''

ڈاکٹر عظیم اپنی خوش قسمتی پر رشک کر رہے تھے۔

''اگر جو کبھی سعید وہاں آ گیا تو کیا وہ اتنے فاصلے طے کر کے انہیں ڈھونڈ پائے گا۔''

لیکن وہ یہ بات ڈاکٹر عظیم سے نہیں کر سکتی تھی اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور پھر ان کی گہری نظروں کی حدت سے گھبرا کر نظریں جھکالی تھیں۔

''بس یونہی۔۔۔''

اس کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

☆......☆......☆
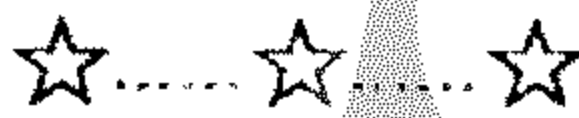
وہ لکڑی کے زینے پر ٹھہر ٹھہر کر قدم رکھ رہا تھا۔ یہ لندن کا وہ علاقہ تھا جہاں رہنے والے زندگی کی ضروریات بمشکل حاصل کر پاتے تھے۔ آخری بار وہ مام سے ملا تھا تو وہ نسبتاً بہتر علاقے میں تھیں۔ لیکن یہ علاقہ۔۔۔ اس فلیٹ تک آتے آتے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مام آج کل کیسی زندگی گزار رہی ہیں۔ آخری سیڑھی پر وہ کچھ دیر کے لیے رکا۔ سیڑھی کے اختتام کے بعد ایک لمبی راہداری تھی اور راہداری میں پہلا کمرہ چھوڑ کر دوسرا کمرہ ان کا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بیل بجا رہا تھا۔ اندر خاموشی تھی۔ وقفے وقفے سے اس نے تین بار بیل بجائی۔ تب زور سے دروازہ کھلا اور اس نے ایک دھاڑ سنی۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا ڈرٹی ڈاگ۔۔۔!''

''مام۔۔۔''

ہنری نے آہستگی سے کہا تو وہ یکدم ٹھٹکی، لگتا تھا وہ گہری نیند سے جاگی ہیں۔

''تم ہنری۔۔۔!''

وہ پیچھے ہٹ گئی جیسے اندر آنے کے لیے رستہ دیا ہو۔ ہنری سر جھکائے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک سنگل بیڈ تھا۔ سائیڈ پر پرانا سا صوفہ سیٹ جس کا کپڑا انتہائی گھٹیا اور بوسیدہ تھا۔ کمرہ کافی کشادہ تھا۔ ایک کھڑکی باہر سڑک کی طرف کھل رہی تھی جس پر میلے پردے لٹک رہے تھے۔ ایک سائیڈ پر چھوٹا سا دروازہ تھا جو کچن کا تھا۔ اس کے بیٹھنے تک ہنری تمام کمرے کا جائزہ لے چکا تھا۔ واش روم راہداری کے سرے پر غالباً مشترکہ تھا۔

''تم کیسے ہو؟''

''میں کیسا ہوں؟'' ہنری نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یہی بتانے کے لیے تو اس کے پاس آیا تھا۔ دو دن سے وہ لندن میں تھا اور آج اس کا پتہ ملا تھا۔ اس کی پرانی لینڈ لیڈی سے وہ صحیح طرح واقف نہیں تھا۔ اسے کسی بہت اپنے کی ضرورت تھی۔ اس کے اندر عجب کشمکش جاری تھی۔ وہ ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتا۔

نہ شراب میں سکون تھا نہ کسی دوست کی رفاقت اسے مطمئن کرتی تھی۔ وہ کئی دن باقاعدگی سے گرجا میں بھی جاتا رہا تھا اور گھنٹوں فادر نلسن سے عیسائیت کے متعلق لمبے لمبے لیکچر سنتا رہا تھا۔ لیکن پھر کہیں نہ کہیں اس کا ذہن الجھ جاتا تھا۔

وہ کرسٹین کے ساتھ ترکی گیا۔ اسے لگا تھا وہ اچھا مشنری نہیں بن سکتا۔ اس کے اندر کہیں کوئی خرابی تھی اور یہ سب ڈیڈ کی وجہ سے تھی۔

کرسٹین نے کہا تھا۔ ''ٹھیک ہے تم میرے ساتھ مل کر تبلیغ مت کرنا بس میرے ساتھ رہنا۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا لیکن وہاں صرف نور العین تھی۔ حالانکہ اس روز کے بعد پھر وہ اس سے نہیں ملا تھا۔ نہ ہی وہ یونیورسٹی گیا تھا۔ اس نے بہت سارے دن

کرسٹین کے ساتھ گزارے تھے۔رات گئے جب وہ اپنے بستر پر لیٹتا اور کرسٹین کی باتیں یاد کرنے لگتا تو کہیں سے نورالعین اس کے تصور میں چلی جاتی۔

''دیکھو اسلام ایک بڑا متوازن دین ہے۔''

''نہیں خداوند یسوع مسیح۔۔۔''

''ہم بھی حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں لیکن صرف اللہ کا نبی۔۔۔''

کبھی ابو صالح کہتا

''سنو ہنری! یہ میں تمہارے لیے اسلامی لٹریچر لایا ہوں۔تم اس کا مطالعہ کرنا۔اللہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔''

''ہاں ایک انسان بھلا خدا کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ابو صالح صحیح کہتا ہے کہ ''حضرت عیسیٰ اللہ کے نبی اور اس کے بندے ہیں۔'' دل سے آواز آئی تو وہ گھبرا جاتا گھبرا کر سینے پر صلیب بنانے لگتا۔پھر ابو صالح اور عبدالمنان ایک شام اس کے اپارٹمنٹ آئے تھے۔

''ہمیں لگا تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔'' عبدالمنان نے سادگی سے کہا تھا۔

''خدیجہ روز کہتی تھی مجھے تمہارے پاس آنا چاہیے۔''

اور اس نے خاموشی سے ابو صالح اور عبدالمنان کی ساری باتیں سن لی تھیں

''خدیجہ اور نورالعین کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں گی کہ اللہ تمہیں سیدھا راستہ دکھائے۔''

شاید ان کی دعائیں تھیں کہ وہ عیسائیت کی طرف جاتے جاتے پلٹ آتا تھا۔کتنی ہی بار اس نے کرسٹین کی تنظیم جوائن کرنے کا پکا ارادہ کیا تھا لیکن پھر پتا نہیں اسے کیا ہو جاتا۔

کتنے ہی دن وہ مختلف لائبریریوں سے کتابیں نکال نکال کر

پڑھتا رہا۔Praise of folly نامی کتاب میں راہبوں کی کاہلی' ریاکاری اور عیش وعشرت کی زندگی پر اعتراضات پڑھ کر اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔

''کلیسائے روم'' اور'' کلیسا میں اصلاح'' جیسی کتابوں نے اسے بیزار کر دیا۔

''تو کیا دین اسلام سچا ہے۔اس نے دین اسلام پر بھی چند کتابیں پڑھیں لیکن دل کہیں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔کبھی لگتا اسلام ہی سچا اور صحیح دین ہے کبھی عیسائیت دنیا کا بہترین مذہب لگنے لگتی لیکن پھر کرسٹین کے ساتھ جو لیکچر اٹینڈ کئے تھے' وہ تصور میں آتے۔''

''مسلمانوں کو تباہ کر دو۔'' ڈاکٹر جوزف کہتے۔

''دھوکے سے بھیس بدل کر انہیں اپناؤ' چالاکی سے ورنہ مسلمان کبھی مذہب نہیں بدلتا۔''

''اگر عیسائیت میں ہی راہ نجات ہے تو پھر دھوکا دینے کی کیا ضرورت ہے؟ سچ تو خود اٹریکٹ کرتا ہے۔'' سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھک گیا تھا۔

کتنی ہی بار اسنے خود کو سمجھایا تھا۔

''ٹھیک ہے ڈیڈ کی اپنی زندگی ہے اور میری اپنی زندگی۔اسے ڈیڈ کے عمل سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔'' انھوں نے قانونی طور پر سب کچھ ہنری کے نام کر دیا تھا۔وکیل جانسن خود ہی اس کے اپارٹمنٹ میں آ کر مل گیا تھا۔وہ اس کشمکش سے تھک چکا تھا۔سیسل کہتی تھی وہ مسلمان ہو جائے۔

فرینک نے اسے بہت ڈانٹا تھا۔

ابدصالح' عبدالمنان' خدیجہ اور نور العین اس کے لیے دعا کر رہی تھیں کہ خدا اسے سیدھا راستہ دکھائے۔لیکن یہ سیدھا راستہ کیا تھا یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

ایک صبح ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا۔

''مجھے کسی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔''

''ولسن! کیا مجھے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے؟'' اس سے کافی کا کپ لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''یس۔۔۔'' ولسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ ضرور ڈاکٹر کے پاس جائیں۔ آپ کو بے خوابی کی بھی شکایت ہے اور۔۔۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

لیکن ڈاکٹر سے دو تین ملاقاتوں کے بعد بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس کا ذہن اسی طرح الجھا ہوا تھا۔

ایک روز وہ ڈاکٹر کے کلینک سے نکلا تو اسے نورالعین مل گئی۔ وہ کچھ شاپنگ کرنے نکلی تھی۔

''کیسے ہو ہنری! تم گئے نہیں کرسٹین کے ساتھ؟'' اس کے لہجے میں سادگی تھی اور آنکھوں میں اپنائیت۔

''نہیں۔۔۔!''

اس نے نورالعین کو بغور دیکھا۔ اس روز کے بعد وہ آج اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور اگر نورالعین مجھ سے شادی کر لے تو میں اس کا مذہب قبول کر لوں گا ڈیڈ بھی خوش ہو جائیں گے اور مجھے بھی اس عذاب سے نجات مل جائے گی۔''

اس نے سوچا اور نورالعین کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''کیا تم میرے ساتھ ایک کپ کافی پینا پسند کرو گی؟'' نورالعین نے ایک لمحہ کو سوچا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کافی ہاؤس میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''کل رات میری بابا جان سے بات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہے تھے کہ تایا جان آئی مین تمہارے ڈیڈ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی تین چار دن پہلے۔۔۔''

اس کا دل جیسے یکدم ڈوب کر ابھرا۔

''اب ٹھیک ہیں۔ وہ گھر آ گئے ہیں۔'' نورالعین نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہنری! تم اپنے ڈیڈ سے کسی روز بات کرلو۔ بے شک تم ان کا مذہب مت اختیار کرو لیکن وہ تمہارے ڈیڈ ہیں اور ہمارا مذہب والدین پر احسان کرنے اور ان سے محبت کرنے کو کہتا ہے۔ تمہارا مذہب بھی تو کچھ نہ کچھ حکم دیتا ہوگا والدین کے متعلق۔''

وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر یکدم بولا۔

''نورالعین اگر تم مجھ سے شادی کرلو تو میں تمہارا مذہب اختیار کرلوں گا۔''

نورالعین کے چہرے پر یکدم سرخی چھا گئی اور آنکھوں میں ناگواری سی نظر آئی۔

''ہاں نور آن میں سچ کہہ رہا ہوں اگر تم۔۔۔''

''ہنری! کسی خواہش کی طلب میں یہ مذہب بدل لینا صحیح نہیں ہے۔ جب تک تم اس مذہب کو صحیح طرح سے سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آؤ۔ پورے یقین کے ساتھ دل کی تمام تر رضامندی کے ساتھ اسے قبول نہ کرو تو سب بے فائدہ ہے۔''

گو نورالعین کی آنکھوں سے ناگواری واضح تھی لیکن جب وہ بولی تو اس کا لہجہ نرم تھا۔

''لیکن نور آن! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ محبت شدید۔ میں تمہیں بہت چاہوں گا نور آن' میرا یقین کرو۔ میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔ میں تمہارے مذہب کو دل کی پوری رضامندی کے ساتھ اپنا لوں گا۔''

''نہیں ہنری! یہ سب ایک خواہش کی تکمیل کے لیے کرو گے۔ اندر سے تم

نہیں بدلو گے۔"

اب اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ وہ بہت حسرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نورالعین نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"اگر ایسا ہو بھی جائے ہنری! تو بھی میں تم سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔"

"میں تم کو اس سے زیادہ چاہوں گا نور آن۔۔۔!"

"پلیز ہنری! ایسی بات مت کہو جو ناممکن ہے۔"

نورالعین نے سامنے پڑا کافی کا کپ اٹھا لیا جو ابھی ابھی ویٹرس رکھ کر گئی تھی۔

تم بحیثیت کزن مجھے بہت عزیز ہو۔ میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا کروں گی۔"

وہ حسرت سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے سامنے پڑی کافی ٹھنڈی ہو گئی۔ نورالعین کافی ختم کر کے کھڑی ہو گئی۔

"اوکے ہنری! مجھے سیسل سے ملنے جانا تھا' کل صبح وہ پاکستان جا رہی ہے تم اس کے نکاح میں بھی نہیں آئے تھے۔"

"کتنی لکی ہے سیسل اور کتنی کامیاب۔" اس نے نورالعین کی طرف دیکھا۔

"ہنری! اگر دل مانے تو کسی روز اپنے ڈیڈ سے بات کر لینا۔" اس نے جاتے جاتے اپنے گھر کا نمبر دیا۔

"وہ آج کل بابا کے پاس ہیں۔"

وہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

وہ جانتا تھا یہ ناممکن ہے۔ نورالعین اس سے شادی نہیں کر سکتی۔ پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ اس سے یہ کہہ بیٹھا تھا' لیکن وہ اس سے ناراض نہیں ہوئی تھی۔ خفا بھی

نہیں تھی۔اس کے پاس کوئی خواہش نہیں تھی۔کوئی طلب نہیں تھی۔کوئی آرزو نہیں تھی اس کا دل خالی تھا پھر وہ کیوں اسلام قبول کرتا۔

''اس لیے کہ وہ سچا دین ہے۔'' دل میں جیسے کسی نے چٹکی لی۔

''او گاڈ۔۔۔!''

اس نے سر تھام لیا۔بچپن سے لے کر اب تک وہ جب بھی کسی مشکل میں پڑتا تھا تو ڈیڈ کی طرف بھاگتا تھا۔کتنی ہی بار انہوں نے اسے مشکل سے نکالا تھا۔کتنی ہی بار اس کی الجھنوں کو سلجھایا تھا لیکن اب وہ کس کے پاس جائے؟

''مام۔۔۔!'' یک لخت اسکے ذہن میں ماں کا خیال آیا۔

وہ بل ادا کر کے اٹھا تو لندن جانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس وقت وہ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔

''مام! مجھے اس وقت کسی کی راہنما کی اشد ضرورت ہے۔''

''تمہارا ڈیڈ کہاں ہے۔کیا اس نے تمہاری راہنمائی نہیں کی؟''

''وہ نہیں مام۔۔۔!'' اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو رہی تھی۔

''اوہ' کیا وہ مر گیا۔پھر تو اس کی ساری دولت تمہیں مل گئی ہو گی۔''

اس کی آنکھوں میں حریص سی چمک نظر آنے لگی تھی۔

''ہنری! کیا مجھے کچھ رقم دے سکتے ہو۔اتنی کہ میں ایک اچھا اپارٹمنٹ لے سکوں۔یقیناً تمہارے پاس بہت پیسے ہوں گے۔میں نے اس غلیظ کمرے کا کرایہ تین ماہ سے نہیں دیا۔لینڈ لیڈی مجھے روز دھمکی دیتی ہے کہ وہ میرا سامان اٹھا کر پھینک دے گی اور تم جانتے ہو اس ہفتے میں نے صرف چار دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔تم یقیناً اپنی مام کا۔۔۔''

''ڈیڈ مرے نہیں ہیں مام۔۔۔!'' ہنری نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اوہ' ابھی وہ اور کتنا زندہ رہے گا۔'' اس کی آنکھیں بجھ گئیں اور چہرے

پر مایوسی چھا گئی۔

''وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔''

ہنری نے بتاتے ہوئے بڑی شرمندگی محسوس کی تھی۔

''وہ ہمیشہ سے آدھا مسلمان تھا۔'' اس نے تنفر سے ہونٹ سکیڑے۔

''اسے مسلمانوں سے عشق تھا اس کی لائبریری میں اسلامی تاریخ کی کتابیں تھیں' اس کے سارے ہیرو مسلم تھے۔ صلاح الدین ایوبی اور پتا نہیں کون کون۔۔۔ وہ کبھی بھی ٹرو (سچا) کرسچن نہیں تھا۔''

''مام۔۔۔!'' ہنری نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس عورت کو دیکھا۔

''مام! میں بہت اپ سیٹ ہوں۔ بہت الجھن میں ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کون سا دین اپناؤں۔ وہ دین جو تمہارا ہے یا وہ دین جو ڈیڈ کا ہے؟''

''تم۔۔۔!'' اس نے آنکھیں سکیڑیں اور ایک لمبی جمائی لی۔

''تمہارے باپ کے پاس پیسہ ہے' پراپرٹی ہے۔ تم فی الحال اس کا دین اپنا لو۔ جب وہ مر جائے اور ساری دولت تمہیں مل جائے تو پھر کرسچن ہو جانا۔ یسوع مسیحؑ تمہیں معاف کرے۔'' اس نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

''اگر تم اس کا دین قبول نہیں کر پاتے تو ہو سکتا ہے وہ یہ سب کسی اسلامی سنٹر کو دے جائے اور تمہیں کچھ نہ دے۔''

اس کی آنکھوں میں پھر وہی حریص سی چمک تھی۔

ہنری کا دل بجھ گیا۔

''کیسی عورت ہے یہ' مجھے کہہ رہی ہے کہ پیسے کے لیے میں مسلم ہو جاؤں' حالانکہ یہ نہیں جانتی کہ ڈیڈ نے سب کچھ میرے نام کر دیا ہے۔''

''اچھا۔ اب تم جاؤ۔ تمہارے آنے سے میری نیند خراب ہوئی ہے۔ میں اب سو جاؤں گی ورنہ وہ آ گیا تو۔۔۔'' اس نے گالی دے کر کہا۔

ہنری کا دل رونے لگا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جیب سے والٹ نکال کر سارے پیسے بغیر گنے اس کے سامنے پڑی ٹیبل پر پھینک دیئے جنہیں اس نے بے تابی سے سمیٹ لیا۔

''میں لانگ ایٹن جا کر تمہیں اتنی رقم بھیج دوں گا کہ تم ایک اچھا اپارٹمنٹ کسی اچھے علاقے میں لے سکو۔ اپنا اکاؤنٹ نمبر مجھے دے دو۔''

نورالعین نے کہا تھا ''اس کا مذہب والدین پر احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

ہنری کا مذہب کیا کہتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا لیکن اسے مام کی حالت پر ترس آ رہا تھا۔

''اوہ سویٹ۔'' اس نے جلدی سے میز کی دراز کھینچ کر ایک کاغذ پر نمبر لکھ دیا۔

''یہ میری سہیلی اگاتھا کا اکاؤنٹ نمبر ہے۔ تم اس میں رقم بھیج کر مجھے میرے سیل پر فون کر دینا۔'' اس نے کاغذ پر سیل فون کا نمبر بھی لکھ دیا۔

''کیا تم کوئی بہت اچھی جاب کر رہے ہو ہنری! اوہ گاڈ! میں کتنا یاد کرتی ہوں اور تم سے کتنی محبت کرتی ہوں مائی ڈیر!''

اس نے اٹھ کر ہنری کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

تب ہی دھاڑ سے دروازہ کھلا اور کسی نے ہنری کو کالر سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹا اور اس کی گردن پر ایک مکا دے مارا۔

''ہے۔۔۔!'' لزا چیخی۔

''چھوڑ دو اسے۔۔۔''

لیکن آنے والے شخص نے تو ہنری کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ اس اچانک پڑنے والی افتاد پر ہنری اتنا بوکھلایا کہ وہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکا۔ اس کا ہونٹ

پھٹ گیا تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔لزا آنے والے کو گالیاں دیتے ہوئے ہنری کو اس سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے ایک ہی دھکے سے الٹ کر بیڈ پر گر گئی۔

''یہ ہنری ہے باسٹرڈ!'' اس کے منہ سے مسلسل گالیاں نکل رہی تھیں۔

''ہنری ہو یا تیرا کوئی اور۔۔۔''

اس نے ہنری کو ایک لات مارتے ہوئے زور سے دھکا دے کر کمرے سے باہر نکالا اور دروازہ زور دار آواز سے بند کر دیا۔ہنری کچھ دیر راہداری میں پڑا رہا۔اندر سے اب بھی لزا کی گالیوں کی آواز آ رہی تھی ۔وہ دونوں کتوں کی طرح لڑ رہے تھے ۔ہنری بمشکل اٹھا اور شرٹ کی آستین سے ہونٹ پونچھتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔کچھ دیر بعد ہی وہ ہوٹل سے چیک آؤٹ کر رہا تھا۔کاؤنٹر کلرک نے اس کے پھٹے ہوئے ہونٹ اور سوجے ہوئے رخساروں کو دیکھا۔

''راستے میں کچھ کالوں نے گھیر لیا تھا۔''

''اوہ۔'' کلرک نے افسوس کا اظہار کیا۔

''کتنی رقم تھی؟''

''پتا نہیں لیکن وہ میرے والٹ سے سب نکال کر لے گئے۔صرف وہی محفوظ رہ گئے جو میرے بریف کیس میں تھے۔''

وہ کلرک کو مطمئن کر کے باہر نکلا اور ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ہوٹل سے ہی اس نے ٹیکسی کے لیے فون کر دیا تھا۔

وہ ابھی تک حیران تھا کہ اسے بنا کسی قصور کے مار پڑ گئی تھی اور وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اس کے ساتھ؟

وہ لندن سے واپس لانگ ایٹن آیا تھا۔ڈیوڈ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ڈیڈ کے بغیر اسے گھر بہت ویران اور خالی خالی سا لگا۔پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ آیا تو ڈیڈ نہیں

تھے۔وہ کتنی ہی دیران کے بیڈروم میں بیٹھا رہا۔

سب کچھ ویسا ہی تھا لیکن ڈیڈ نہیں تھے۔ناشتہ کرنے بیٹھا تو کسی نے سلائس پر مکھن لگا کر اس کی طرف نہیں بڑھایا۔

وہ ادھورا ناشتہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ننھا بچہ نہیں ہوں جو ڈیڈ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔لیکن ڈیڈ۔۔۔''اس نے مٹھیاں بھینچیں۔

ڈیڈ نے اسے کس قدر اپنا عادی بنا دیا تھا۔وہ اسٹڈی میں آ گیا اور ان کی کتابیں دیکھنے لگا۔واقعی ان کی سٹڈی میں اسلامی تاریخ سے متعلق بہت سی کتابیں تھیں۔

مسلمان فلسفی، مسلمان طبیب، مسلمان کیمیادان۔۔۔وہ کتابیں دیکھتا رہا پھر تھک کر بیٹھ گیا۔اس کا جی چاہا وہ یہ ساری کتابیں پڑھے۔کچھ دیر آرام کرسی کی پشت پر سر رکھے وہ آنکھیں موندے پڑا رہا۔پھر یونہی الماریاں اور دراز دیکھنے لگا۔ایک دراز سے اسے ایک فائل مل گئی۔یہ وہی فائل تھی جو ایڈنبرا میں ڈیڈ کے پاس تھی اس نے کھولا تو وہی صفحہ نکل آیا۔جس پر ڈیڈ نے انجیل مقدس سے کچھ باتیں کوٹ کی ہوئی تھیں اور جو انہوں نے اس کے اپارٹمنٹ میں سنائی تھیں۔

''برناباس کے باب نمبر تین میں لکھا ہے کہ وہ جب آئے گا تو خدا گویا۔۔۔''

وہ پڑھتا گیا صفحے الٹتا گیا۔انھوں نے مختلف ویب سائٹ سے اکٹھی کی ہوئی بہت سی معلومات لکھ رکھی تھیں۔عیسائیت کے حوالے سے اسلام کے متعلق جس نبی کی آمد کا انجیل میں ذکر ہے اور جس کی گواہی ایک عیسائی راہب بحیرہ نے دی تھی کہ

''ہاں یہی وہ ہیں جو نبی آخرالزماں ہوں گے۔''

شاید یہ فائل ڈیڈ اس کے لیے چھوڑ گئے تھے۔''وہ آنے والا نبی ان لوگوں

سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ اور قرار دیں گے۔"

"اور مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح اللہ کے بندے اور نبی ہیں ۔"اس نے فائل بند کر دی۔

"ہاں شاید اسلام ہی سچا مذہب ہے۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا اور فائل دراز میں رکھتے ہوئے اس کی نظر ایک سنہری کتابچے پر پڑی۔اس نے اٹھالیا۔عربی زبان میں تھا۔

"یقیناً یہ مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے۔"

"تو ڈیڈ۔۔۔ڈیڈ۔۔۔کبھی بھی کریسچن نہ تھے۔وہ ہمیشہ سے مسلمان تھے لیکن۔۔۔"

اس کا دل رنج سے بھر گیا۔وہ کتابچہ وہیں دراز میں رکھ کر کھڑا ہو گیا جوزف لنچ کے لیے ٹیبل پر برتن لگا رہا تھا۔

"جوزف! کیا ڈیڈ کبھی بھی سچے کریسچن نہ تھے؟"

"وہ بہت اچھے انسان ہیں۔بہترین۔۔۔"جوزف نے ٹشو کا ڈبا ٹیبل پر رکھا۔

"کیا تم انہیں گناہگار سمجھتے ہو۔۔۔؟"

"خداوند انہیں معاف کرے۔"

جوزف نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ہنری کا ہاتھ بھی اس کی تائید میں اٹھا لیکن پھر نیچے گر گیا۔

"جوزف! کبھی تمہارے دل میں خیال آیا کہ تمہارا مذہب غلط ہے؟"

"گاڈ مجھے معاف کرے۔"جوزف نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"لیکن جوزف! ہمارے مذہب میں بہت سی باتیں غلط ہیں۔ہم لوگوں نے اصل انجیل کی غلط تشریحات کی ہیں حالانکہ انجیل مقدس میں بھی مسلمانوں کے نبی صلی

اللہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔"

اس نے خود کو کہتے سنا اور اپنے ہی کہے پر حیران رہ گیا۔

"مقدس مریم آپ پر اپنا سایہ کرے۔ کہیں آپ بھی تو ڈاکٹر صاحب کی طرح مسلمان نہیں ہو گئے؟" جوزف مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔" اس نے تیزی سے نفی میں گردن ہلائی۔

"لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ ہمارے مذہب میں بہت سی قباحتیں ہیں جب ہی تو یورپ میں تحریک اصلاح شروع ہوئی تھی اور راسمس نے 1516ء میں کلیسا پر بے حد نکتہ چینی اور پوپ پر تنقید کی تھی۔

جوزف نے پھر سینے پر صلیب بنائی۔

"شیطان نے آپ کے دماغ میں گھس کر اس پر قبضہ کر لیا ہے اس کے لیے آپ ہر اتوار گرجا میں حاضری دیں اور چرچ کی مناجات میں شریک ہوں۔"

"کیا مناجات میں شریک ہونے سے میرے ذہن سے الجھنیں سلجھ جائیں گی؟" ہنری نے پوچھا۔

"یس۔۔۔" ایک دفعہ میرے دماغ میں بھی خناس بھر گیا تھا میں بھی خداوند یسوع مسیح اور مقدس مریم کے وجود سے منکر ہو گیا تھا پھر چرچ جانے لگا تو ذہن کے جالے صاف ہو گئے۔"

"اچھا۔۔۔!" ہنری نے لنچ سرو کرنے کو کہا۔ اگلی صبح سنڈے تھا وہ چرچ چلا گیا۔

پادری کے وعظ اور مناجات سے وہ بیزار ہو گیا۔ مگر مقدس مریم کی بڑی سی تصویر کے سامنے جو اس چرچ کے ہال میں لگی تھی وہ کتنی ہی دیر کھڑا رہا۔ مصور نے کمال کی تصویر بنائی تھی۔ اس کا یقین پھر عیسائیت پر پختہ ہونے لگا۔ اس تصویر میں کیا تھا۔ دل سے جیسے وہ سارے دلائل مٹ گئے جو اسلام کی حقانیت سے متعلق ڈیڈ کی

فائل میں موجود تھے۔ وہ بے حد دل شکستہ چرچ سے باہر آیا تھا۔ کچھ دیر بے مقصد بیٹھ کر اپنی میل چیک کرنے لگا۔

پہلی میل سیسل کی تھی۔ وہ پاکستان میں قاسم کی فیملی کے ساتھ بہت خوش تھی اس نے لکھا تھا کہ سب نے اسے قبول کر لیا ہے اور اس کی پاکستانی طریقے سے بہت دھوم دھام سے شادی کی تقریب ہوئی ہے۔''

''کیا تم نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے؟''

اس نے پوچھا تھا۔'' کیا تم ابوطلحہ سے ملے تھے۔ اسلام بلاشبہ۔۔۔''

باقی میل پڑھے بغیر اس نے کمپیوٹر آف کر دیا۔ اس کا ذہن پھر الجھ رہا تھا۔ اس کے سامنے دو راستے تھے وہ دونوں کی طرف ہی لپک رہا تھا۔ کبھی ایک راستہ اسے اپنی طرف بلاتا اور کبھی دوسرا اس کا دامن کھینچتا۔

''خداوند! میں کیا کروں؟''

اس نے دونوں مٹھیوں میں اپنے بال جکڑ لئے۔ کچھ دیر وہ یونہی بیٹھا رہا۔

''خداوندا! مجھے اس عذاب سے نجات دلا۔'' اس نے سر اٹھایا تو اس کی نظر کھلے دروازے سے لاؤنج میں لگی سر جیمز رابرٹ کی تصویر پر پڑی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

لیڈی جیمز' سر جیمز رابرٹ اور ان کے درمیان میں کھڑا ننھا بچہ۔۔۔ جس کی آنکھوں اور بالوں کا رنگ بالکل جان رابرٹ کی طرح تھا۔ لیکن جس کی قدرے چپٹی ناک جان رابرٹ کی ستواں ناک جیسی نہیں تھی۔

''ان تینوں سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔'' اس نے زیر لب کہا۔

انتیس برس تک وہ اس تصویر میں موجود سر جیمز رابرٹ کو اپنا گرینڈ پا سمجھتا رہا تھا اور اس کے گرینڈ پا؟ اس کی جڑیں تو کہیں سانتا ہار کے مولوی عبدالحق کے خاندان میں جڑی تھیں۔ سر جیمز کی تصویر نے یکا یک مولوی عبدالحق کی شکل دھار لی۔ لمبی

داڑھی ہاتھ میں تسبیح' کندھے پر چارخانہ رومال' سر پر ٹوپی اور آنکھوں میں سرمے کی لکیریں۔ اس نے دو تین بار انڈین موویز دیکھی تھیں جس میں مسلمانوں کی عموماً وضع قطع دکھائی جاتی تھی۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ کر کھولیں اب تصویر میں سر جیمز مسکرا رہے تھے۔

''کاش۔۔۔اے کاش۔۔۔آپ سچ مچ میرے گرینڈ پا ہوتے۔''

اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اتنے برسوں سے اس تصویر سے قائم رشتہ یکا یک ٹوٹ گیا تھا۔

''کیا گرینڈ پا بھی ماما کی طرح جانتے تھے کہ ڈیڈ اندر سے مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے کبھی ڈیڈ کو جتایا کیوں نہیں۔ اپنے گھر سے نکال کیوں نہیں دیا۔ کیا وہ بھی سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا دین۔۔۔''

''اوہ خدایا۔۔۔!'' وہ زور سے چلایا۔

''میں سچ مچ پاگل ہو گیا ہوں' مجھے اس برزخ سے نکال۔ اے یسوع مسیح کے خدا۔۔۔! اے مسلمانوں کے خدا۔۔۔! میری مدد کر۔''

آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

''مجھے کسی ایک راستے کا راہی بنا دے۔ کسی سچے راستے کا پھر اس پر میرا دل مطمئن کر دے۔'' وہ ہولے ہولے نیچے بیٹھتا گیا۔ اب وہ دوزانوں بیٹھا تھا۔

''اے مسلمانوں کے خدا۔۔۔! اے یسوع مسیح کے خداوند۔۔۔!'' اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

اس کا پورا وجود جیسے آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''ہنری۔۔۔!'' مسز پیٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

ہنری نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ آنسوؤں سے بھری آنکھیں' گیلے

رخسار، مسز پیٹر کے دل پر جیسے کسی نے گھونسہ مارا۔

یہ بچہ چار پانچ سال کا تھا جب ان کی گود میں آیا تھا۔ یہ ان کا بیٹا نہیں تھا لیکن انہوں نے اس سے ایک بیٹے کی طرح ہی محبت کی تھی اور اب اتنے دنوں سے وہ اسے تڑپتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

''مائی سن ۔۔۔ مائی پور چائلڈ!''

وہ یکدم گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گئیں اور ہاتھ بڑھا کر اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

''ہنری ۔۔۔ ہنری ۔۔۔ مائی سن ۔۔۔ مائی پور چائلڈ ۔۔۔ پلیز مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ تمہاری کیا مدد کروں؟''

ہنری ان سے لپٹا رو رہا تھا۔

مسز پیٹر کسی ننھے بچے کی طرح اسے تھپکیاں دے رہی تھیں۔ کچھ دیر وہ یونہی سسکتا رہا۔

''ریلیکس مائی سن ۔۔۔!'' ہنری نے مسز پیٹر کے سینے سے سر اٹھایا اور ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

مقدس مریم تم پر رحم کرے تم کوئی ایک فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔'' ڈیوڈ ہمدردی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کوئی ایک فیصلہ ۔۔۔'' ہنری نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

''کوئی ایک فیصلہ ہی تو نہیں ہو پا رہا۔ اسی آگ میں تو جل رہا ہوں دونوں راستے ہی مجھے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ میں یقین و بے یقینی کے درمیان بھٹک رہا ہوں کبھی ایک راستے کی طرف بڑھتا ہوں تو دوسرا راستہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جب دوسرے راستے پر قدم رکھتا ہوں تو پہلا راستہ پیچھے سے دامن تھام لیتا ہے۔ آہ! میں بہت عذاب میں ہوں۔ بہت اذیت میں ہوں۔''

''خداوند یسوع مسیح۔ تم پر رحم کرے میرے بچے۔۔۔!'' مسز پیٹرا بھی تک گھٹنوں کے بل بیٹھی تھیں۔

''تم اپنے دل کی بات مانو۔ دل جو کہتا ہے وہ کرلو آنکھیں بند کر کے۔''

''دل۔۔۔'' ہنری نے دل پر ہاتھ رکھا۔

''سارا فساد تو دل نے ہی مچا رکھا ہے مسز پیٹر! سارا جھگڑا تو اسی کا ہے۔''

''عقل کی بات دل نہیں مانتا اور دل کی بات عقل کو قبول نہیں۔'' اس نے بے بسی سے مسز پیٹر کی طرف دیکھا۔

''کیا کوئی ایسا مقام نہیں ہے' جہاں دل اور دماغ دونوں ایک نقطے پر اتفاق کریں؟''

''کہیں وہ ایک نقطہ وہ ایک مقام مل جائے تو سکون پالوں۔''

''تم فادر ڈینس کے پاس کیوں نہیں جاتے ہنری! وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔'' ڈیوڈ نے مشورہ دیا۔

''وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں گیا تھا ان کے پاس بھی لیکن ابہام بڑھ گئے' شکوک زیادہ ہو گئے۔''

''تو تم ایسا کرو' لزا کے پاس چلے جاؤ اور پورے یقین کے ساتھ اپنی مام کا مذہب اپنا لو۔ ماں کا زیادہ حق ہوتا ہے بچے پر۔۔۔'' ڈیوڈ نے پھر مشورہ دیا۔

''میں گیا تھا مام کے پاس۔۔۔'' ہنری کے لبوں سے سسکی نکلی اور غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر گیا' جہاں ابھی بھی ہلکا سا گومڑ تھا۔

''لیکن وہ میرا مسئلہ نہیں سمجھ سکتیں' ان کے بوائے فرینڈ یا ممکن ہے ہسبینڈ ہو نے مجھے بلا وجہ مارا۔''

''بدنصیب عورت۔۔۔'' مسز پیٹر نے زیرلب کہا اور ناک سیکٹری۔

''کچن میں کچھ جل رہا ہے ڈیوڈ! تم جا کر کچن دیکھو۔''

ڈیوڈ خاموشی سے واپس مڑ گیا۔ مسز پیٹر اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو مسز پیٹر نے ہنری کے قریب ہوتے ہوئے ایک بار پھر بازو پھیلا کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''ہنری! تم صرف دل کی بات مانو۔'' ان کی آواز بہت آہستہ تھی، سرگوشی جیسی۔۔۔

''اور میں جانتی ہوں تمہارا دل کیا کہہ رہا ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

''وہ لڑکی جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو، وہ بھی مسلم ہے نا؟''

ہنری کا دل یکبارگی سے دھڑکا۔ مسز پیٹر کی آواز اور آہستہ ہو گئی۔

''تم بھی مسلم ہو جاؤ اور اس سے شادی کر لو۔'' گو ان کی آواز بہت دھیمی تھی لیکن اس میں ایک جھکار سی شامل ہو گئی تھی۔

''اسلام ایک اچھا دین ہے۔ مجھے سرجان نے بتایا تھا کہ یہ دنیا کے سارے مذاہب سے بہترین مذہب ہے۔ بلاشبہ عیسائیت بھی اللہ کا دین ہے لیکن لوگوں نے کتاب اللہ میں تحریف کر دی اور دین کے احکام نہیں مانے تو اللہ نے ایک آخری نبی کو بھیجا۔''

ہنری حیرت سے مسز پیٹر کو سن رہا تھا۔

''تم بھی اسی دین کو اپنا لو جسے تمہارے ڈیڈ نے اپنایا ہے اور اس لڑکی سے شادی کر لو لیکن سنو، شادی سے پہلے مجھے بتانا، میں سارے گھر کو سجاؤں گی۔ جب تمہاری دلہن اس گھر میں آئے گی تو میں پورے گھر کو پھولوں اور روشنیوں سے بھر دوں گی۔ بالکل ایسے جیسے سرجان کہتے تھے۔''

اس کے موٹے سیاہ ہونٹوں پر بڑی شفیق سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ممتا کے رنگ چمک رہے تھے۔

ہنری کے اندر دھڑکنوں نے اودھم مچا دی۔

''نور آن۔۔۔!نور آن۔۔۔!'' دل سے ایک ہی پکار اٹھ رہی تھی۔
''میں مسلمان ہو جاؤں پھر بھی۔۔۔پھر بھی۔۔۔نور آن تو پہلے سے ہی میرڈ ہے۔''
رقص کرتی دھڑکنیں یکدم مدھم ہو گئیں۔ایک لحہ کو تو ہنری کو یوں لگا جیسے اس کا دل ڈوب گیا ہو کسی پاتال میں گر گیا ہو اور پھر شاید کبھی نہ ابھرے۔اس نے آنکھیں موندلیں۔بند پلکوں کے پیچھے پھر پانی اکٹھا ہونے لگا تھا۔
''تم مسلمان ہو جاؤ ہنری۔۔۔!'' اسے مسز پیٹر کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔
''اس لڑکی کے لیے نہ سہی اپنے ڈیڈ کے لیے۔وہ تم سے الگ ہو کر بہت اداس ہوں گے۔تم اسی راستے پر ان کے ساتھ ساتھ چلو انہیں اکیلا مت کرو۔''
''بغیر اس دین کو سمجھے بغیر جانے؟'' ہنری نے آنکھیں کھول دیں۔
''تم عیسائیت کو کتنا جانتے ہو ہنری! کتنا سمجھتے ہو؟'' مسز پیٹر نے پوچھا۔
''لیکن تم عیسائی ہو۔''
''اس لیے کہ میرے والدین عیسائی تھے۔'' اس نے خود کو کہتے سنا۔
''تمہارا باپ عیسائی نہیں تھا۔''
اس کے اندر سے آواز آئی تو اس نے گھبرا کر مسز پیٹر کی طرف دیکھا جن کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ایسی مسکراہٹ جس کو وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔اسے لگا جیسے مسز پیٹر جانتی ہوں کہ جان رابرٹ دراصل محمد سعید تھا۔
''لیکن تمہارے ڈیڈ اب مسلمان ہو چکے ہیں۔''
''مسز پیٹر! کیا آپ بھی مسلمان ہو گئی ہیں؟'' ہنری نے اچانک پوچھا تو وہ گھبرا گئیں۔
''نو۔۔۔نو۔۔۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں بہت گناہگار ہوں۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں۔ نوعمری سے لے کر اب تک' میں بھلا ایسے اچھے دین کے قابل کب ہوں۔ یہ دین تو سرجان جیسے اچھے لوگوں کے لیے ہے۔''

''لیکن جب کوئی سچے دل سے توبہ کرلے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔'' ہنری نے حیرت سے خود کو کہتے سنا۔ پتا نہیں کب کی احمد یا عبدالمنان کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن میں رہ گئی تھی۔

''ہاں' سرجان بھی یہی کہتے تھے۔'' مسز پیٹر نے اس کی تائید کی۔

''یہ ایک اچھا دین ہے۔''

''لیکن تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اچھا دین ہے؟'' ہنری نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''سرجان کی گزشتہ زندگی میرے سامنے ہے۔ وہ بہت اچھے' مہربان اور ہمدرد تھے' اس لیے یسوع مسیح اور خداوند نے ان کو اچھے دین کے لیے چن لیا۔ جس روز وہ اسلامک سنٹر سے اسلام قبول کر کے آئے تھے تو میں نے ان کے چہرے پر جو چمک دیکھی تھی' وہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہنری ڈیئر! وہ الوہی چمک تھی میرے دل نے اسی وقت تصدیق کر دی تھی کہ سرجان نے صحیح راستہ چنا ہے۔''

ہنری نے خاموشی سے ان کی بات سنی۔ مسز پیٹر پڑھی لکھی نہیں تھیں بلکہ ہنری کو وہ ہمیشہ ایک بیوقوف عورت لگی تھیں۔ ہاں وہ اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے پوری کرتی تھیں پھر بھی اس وقت وہ جو کہہ رہی تھی' وہ ہنری کے دل میں اتر رہا تھا۔ اس نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھائیں۔

''مسز پیٹر! میں ایک ایسے دین کو کیسے قبول کرلوں جس کا میں نے صرف نام ہی سنا ہے جو اس سے پہلے کبھی میری زندگی میں شامل نہیں رہا؟''

''تو کیا تم ساری زندگی ایسے ہی گزار دو گے۔ یقین و بے یقینی کے درمیان

بستے ہوئے۔ایسے تو تم کبھی کوئی فیصلہ نہیں کر پاؤ گے ہنری ڈیئر! بس تم آنکھیں بند کر کے اس راستے پر قدم رکھ دو اور پھر اسی راستے پر چلتے جاؤ' خود بخود سب جان اور سمجھ لو گے۔"

"ہاں' ایسے کب تک گزرے گی تڑپتے' اذیت سہتے۔" ہنری نے زیرلب کہا اور سوچا۔

"کیا میں مسز پیٹر کی بات مان لوں اور اسی راستے پر چل پڑوں جو ڈیڈ کی طرف جاتا ہے جو۔۔۔جو شاید۔۔۔کبھی مجھے نور آن تک لے جائے۔" دل خوش فہم نے امید کی جھلک دکھائی۔

"آہ۔۔۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ دل کتنا خوش فہم ہے' مگر اس میں حرج ہی کیا ہے جو دل کی بات مان لوں۔"

ابو صالح نے بھی کہا تھا۔"ہنری! ایک بار تم اس راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لو پھر گرہیں خود بخود کھلتی جائیں گی۔دھند چھٹ جائے گی اور منزلیں واضح ہو جائیں گی۔تم ایک بار ارادہ تو کرو اس دین میں آنے کا۔۔۔"

"مسز پیٹر۔۔۔!" اس نے تھوڑا سا جھک کر مسز پیٹر کے ہاتھ تھام لیے۔

"میرے لیے دعا کیجئے گا۔"

"کیا تم اسلام قبول کرنے جا رہے ہو؟" مسز پیٹر کی آواز میں لرزش تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا جسے مدتوں سے سانس روک رکھا ہو اور پھر مسز پیٹر کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

"نہیں مسز پیٹر! لیکن میں نے ابو طلحہ کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے شاید آج یا کل۔۔۔جب سیٹ مل جائے۔ایک بار ابو صالح نے کہا تھا۔وہ بہت بڑے عالم ہیں۔تم انہیں سننا' ان سے پوچھنا ہمارے دین کے متعلق۔تمہارے ذہن میں

چھائے شکوک وابہام کے سارے اجالے صاف ہو جائیں گے۔ میں ان کے پاس جاؤں گا ابو صالح کے ساتھ اور اگر میں نے اس دین کو بہتر اور سچا پایا تو اسے قبول کرلوں گا۔ میں آنکھیں بند کر کے کسی دین کو صرف اس لیے نہیں اپنا سکتا مسز پیٹر! کہ وہ میرے باپ کا دین ہے۔''

''خداوند اعلیٰ! تمہاری مدد کرے اور مقدس مریم کا سایہ تمہارے سر پر رہے۔''

''مسز پیٹر! میں تو ایک ایسے راستے پر قدم رکھنے والا ہوں جس پر چل کر ہو سکتا ہے' میں یسوع مسیح کے دین کو چھوڑ دوں تو کیا پھر بھی یسوع مسیح میری مدد کریں گے؟'' وہ عجیب طرح سے ہنسا۔

''ہاں۔'' مسز پیٹر کے لہجے میں یقین تھا۔

''اس لیے کہ خداوند یسوع مسیح نے اسی دین کی پیش گوئی کی تھی۔ یوحنا نے اپنی انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا۔

''اللہ میرے بعد تمہارے لیے ایک فارقلیط بھیجے گا اور میں تمہیں یتیم نہ ہونے دوں گا۔ یہاں فارقلیط سے مراد مسلمانوں کے پیغمبر ہیں۔''

''مسز پیٹر!'' ہنری نے اپنی حیرت چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

''آپ اگر مسلم نہیں ہوتیں تو پھر بھی آپ کا دل اسلام قبول کر چکا ہے۔'' مسز پیٹر گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''اوہ۔۔۔ یہ ڈیوڈ پتا نہیں کیا کر رہا ہے۔ ہنری! تم اس وقت کچھ لینا پسند کرو گے۔''

''ہاں' ایک کپ کافی پلیز۔'' ہنری نے بغور مسز پیٹر کو دیکھا جو اس کی بات کو نظر انداز کر کے کچن کی طرف جا رہی تھیں۔

''تو کیا مسز پیٹر بھی؟'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''واہ ڈیڈ واہ۔۔۔'' اس نے ایک قہقہہ لگایا۔

''اپنے ساتھ مسز پیٹر کو بھی اور کیا خبر ڈیوڈ بھی۔'' وہ پھر ہنسا۔

''اور میرے پاس تو کوئی اور راستہ ہے بھی نہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''اگر ہنری رابرٹ' جان رابرٹ کا تیسرا عشق تھا تو جان رابرٹ ہنری کا پہلا عشق ہے تو۔۔۔تو پھر ہنری کو بھی آخر اسی راستے پر چلنا ہے جس پر جان رابرٹ چل رہا ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں ابوصالح کے پاس جانے کے فیصلے پر یقین کی مہر لگائی تو اسے لگا جیسے اتنے دنوں سے جو دل پر بوجھ سا دھرا تھا' وہ کچھ کم ہو گیا ہے وہ اس عالم برزخ سے نکل آیا ہے۔''

وہ ابوصالح کو فون کرنے کے لیے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔

اس نے دین اسلام کو سمجھنے اور جاننے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ایک ایسے راستے پر قدم رکھ دیا تھا جو ستاروں اور پھولوں سے بھرا تھا اور جس کے اختتام پر الوہی خوشیاں اس کی منتظر تھیں۔

☆......☆......☆

نجات دہندہ

"**مصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔۔۔۔۔۔۔وہ برگزیدہ اور محبوب ہستی۔۔۔۔۔۔۔۔جو اپنے عہد کی صبح درخشاں"

ہنری کے سامنے خلیل جبران کی THE PROPHET کھلی تھی اس نے اس جملے کو کوئی پندرھویں بار پڑھا اور سوچا لکھنے والا مسلمان نہیں شاید وہ ایک سچا کرسچن ہے وہ جانتا ہے کہ بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نبی ﷺ کے آنے کی پیش گوئی کی تھی شاید اس لیے THE PROPHET میں خلیل جبران نے کیا لکھا تھا وہ نہیں جانتا تھا ابھی اس نے اس کا پہلا جملہ ہی پڑھا تھا اور کتاب بند کر کے رکھ دی تھی یوحنا کی انجیل میں کیا لکھا تھا اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے پیغام کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھو اور میں بھی خدا کی بارگاہ میں دعائے خیر کروں گا اور میرے بعد اللہ تمہارے لیے PRECLETUS بھیجے گا۔''

اور یہ وہی PROPHET ہیں جن کے متعلق خلیل جبران نے لکھا ہے وہ برگزیدہ اور محبوب ہستی اور یہی مسلمانوں کے محبوب پیغمبر ہیں۔''

اس نے کتاب اٹھا کر اس کے چند اوراق الٹے اور پھر بند کر کے رکھ دی پھر کسی روز وہ اسے پڑھے گا اس وقت وہ بے حد تھکن محسوس کر رہا تھا منزل تک نہ پہنچ سکنے کی بے چینی اضطراب کب تک؟

آخر کب وہ یقین کی منزل تک پہنچے گا؟

کب وہ جان پائے گا کہ سچ کیا ہے؟

اس نے ایک سفر کا آغاز کر دیا تھا وہ گھر سے نکلا تھا تو اس نے سوچا تھا بہت جلد وہ اپنی منزل پا لے گا لیکن وہ سفر میں بھٹک رہا تھا ایک ماہ سے وہ لائبریریوں کی خاک چھان رہا تھا اسے اسلام اور عیسائیت پر جو بھی کتاب ملی تھی وہ اس نے پڑھ ڈالی تھی دوسرے مذاہب کے متعلق بھی کتابیں اس کی نظر سے گزری تھیں لیکن سب کچھ ابھی تک دھند میں تھا۔

وہ لانگ ایٹن سے جب روانہ ہوا تھا تو اس کے ذہن میں تھا کہ وہ سیدھا ابو صالح کے پاس جائے گا لیکن ابو صالح سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی تھی وہ نا جانے کہاں چلا گیا تھا شاید اپنے وطن یا شاید کہیں اور عبدالمنان اور احمد کسی کو بھی اس کے متعلق معلوم نہ تھا وہ پچھلے ایک ہفتے سے غائب ہے عبدالمنان نے اسے بتایا تھا عالیہ کہہ رہی تھی کہ صرف اسے جاتے جاتے ابو صالح ملا تھا اس کے پاس ایک بیگ تھا اور وہ بہت عجلت میں کہیں جا رہا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ شاید دس پندرہ دن تک واپس آئے گا۔ ایک بار اس نے سوچا تھا وہ خود ہی کسی روز چلا جائے اسلامک سنٹر میں سیسل نے

اسے اسلامک سنٹر کا پتا سمجھایا تو تھا جب اس نے اپنے نکاح میں شمولیت کی دعوت دی تھی اور وہاں اس طلحہ احمد نامی شخص سے مل لے جس سے ملنے کو سیسل نے کہا تھا اور ابو صالح نے بھی جن کی بہت تعریف کی تھی اور وہ ان سے جا کر کہے۔

''میں عیسائی ہوں ابو صالح اور سیسل کا دوست میں تمہارے دین کے متعلق جاننا چاہتا ہوں لیکن پھر اسی روز اسے ایک بک اسٹال پر رومانیہ کے مصنف کونسٹن ورجیل جورجیو کی ایک کتاب نظر آ گئی وہ یوں ہی کھڑا کتابوں کو دیکھ رہا تھا کہ اس کتاب پر نظر پڑ گئی تھی کتاب کا نام تھا ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ایسے پیغمبر جنہیں جاننے کی ازسرنو کوشش کرنا چاہیے۔''

اس نے غیر ارادی طور پر وہ کتاب اٹھالی وہ یہی تو جاننا چاہتا تھا اسے اپنے ہاں ہونے والی پارٹی کا منظر یاد آ گیا تھا ۔۔۔۔عبدالمنان اور نورالعین کا غصہ۔۔۔۔

ڈیڈ نے بتایا تھا یہ لوگ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کرتے ہیں اس نے دیکھا تھا ہر ملک میں لوگ ابھی تک مظاہرے کر رہے تھے اس اخبار کے ایڈیٹر کے خلاف۔

اس نے ایک لمحہ کے لیے سوچا تھا کہ اگر کوئی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ایسی بات کہتا ہے تو وہ بھی عبدالمنان اور نورالعین کی طرح تڑپ اٹھتا اسے برا تو یقیناً لگتا لیکن شاید وہ یوں بے قابو نہ ہوتا۔ آخر ایسا کیا ہے یہ مسلمان کیوں دیوانے ہو جاتے ہیں اس نے کتاب خرید لی رومانیہ کے منصف نے لکھا تھا۔

''کئی برس عرب کے صحراؤں میں گھوم کر اور بہت تحقیق کے بعد میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات پر لکھی گئی تھی ان کی پیدائش سے لیکر ان کی وفات تک۔'' اس نے اس کتاب کو بہت دھیان سے پڑھا تھا کئی جگہ پر وہ حیران ہوا تھا اور اس نے بار بار سوچا تھا آخر ہمارے بڑوں

نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی کیوں تسلیم نہیں کیا؟

مصنف نے لکھا تھا ''حضرت محمد ﷺ کے دین کو دین ابراہیم پر استوار کیا گیا تاکہ یہودی اور مسیحی قومیں ان کے دین کو بلاتردید قبول کرلیں کیونکہ حضرت ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی وہ حنیف تھے لیکن دونوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کیا۔ یہ کتاب اس کے لیے بڑی حیران کن تھی بظاہر سوانح عمری تھی لیکن اس کے اندر ایسا کچھ تھا کہ وہ پڑھتے پڑھتے چونک جاتا تھا اس کے دل میں ہلچل سی ہونے لگتی تھی عجیب سی بے چینی اور اضطراب۔۔۔ کئی بار اس نے کتاب کو پڑھتے پڑھتے چھوڑ دیا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

آخر میں کیوں اس مصیبت میں پڑ گیا ہوں مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میرے ڈیڈ مسلم ہو چکے ہیں یا وہ ہمیشہ سے مسلم ہی تھے وہ اپنی زندگی گزار چکے ہیں کتنے برس اور جئیں گے اور میری پوری زندگی پڑی ہے میں کیوں ضائع کر رہا ہوں میں خواہ مخواہ مسز پیٹر کی باتوں میں آکر اسلام کو کھوجنے نکل پڑا ہوں بھلا اس سے کیا حاصل ہونا ہے مجھے۔ ڈیڈ پاکستان میں جا چکے شاید وہ کبھی نہ آئیں اب پھر میں کس لیے اپنے آپ کو عذاب میں ڈالے ہوئے ہوں۔

کیا نور العین کے لیے۔۔۔ لیکن نور العین تو شجر ممنوعہ ہے میں نے اگر اس دین کو اپنا بھی لیا تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا میں ایک آدھ بار ڈیڈ سے بات کرلوں گا بس۔۔۔ اور۔۔۔ وہ تو میں اب بھی کر سکتا ہوں بغیر اسلام قبول کیے بھی۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ ڈیڈ مجھ سے بات نہ کریں یہ تو میں ہوں جو ان سے بات نہیں کر رہا۔ ہوسکتا ہے کسی روز میں ان سے بات کرلوں نور العین بھی تو کہتی ہے کہ والدین پر احسان کرنا چاہیے ان سے محبت کرنی چاہیے اور ان کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔

وہ گھنٹوں گاڑی لیے سڑکوں پر بے مقصد گھومتا رہا یونیورسٹی وہ صرف ایک بار ہی گیا تھا ابو صالح کا پتا کرنے اس روز اس کی نور العین سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور

اس نے نورالعین سے ملنے کا سوچا بھی نہیں تھا کیا فائدہ۔ وہ اب اسے سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی اس سے ملنا چاہتا تھا لیکن وہ صرف نورالعین نہیں تھی وہ اس کے چچا کی بیٹی بھی تھی کیا اس رشتے سے وہ اس سے نہیں مل سکتا؟

دل نے اسے اکسایا تھا کئی بار۔۔۔لیکن اس نے سختی سے اس خواہش کو دبا دیا تھا۔

اور خلیل جبران کی THE PROPHET ہاتھ میں لیے اسے پھر نورالعین یاد آ گئی تھی وہ خلیل جبران کی فین تھی ایک بار جب سب اکٹھے سیمینار ہال میں بیٹھے ہوئے تھے تو اس نے کہا تھا کہ ''خلیل جبران وہ مصنف ہے جس کی تحریر دل میں نقش ہو جاتی ہے جس کے لفظوں میں جادو ہے۔'' کمال ہے۔ اسے حیرت ہوئی مجھے نورالعین کی عام سی کہی ہوئی بات بھی یاد ہے اور پھر وہ خود ہی ہنس دیا۔

''اس میں بھلا کمال کی کیا بات ہے میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ نورالعین نے کب کب کون کون سے رنگ کے سکارف باندھے تھے اور کب کیا کہا تھا؟ کیا اس وقت مجھے نور آں کو سوچنا چاہئے؟'' اس نے خود سے پوچھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا؟۔

''اور کیا خبر ابوصالح واپس آ گیا ہو؟''

''ولسن!'' وہ اسٹڈی سے باہر آیا۔

''کیا کسی کا فون آیا تھا؟''

''یس سر!'' وہ مودٔب سا کھڑا تھا۔

''کس کا؟''

''آپ کی مام کا۔''

''اوہ!'' اس نے ہونٹ سکیڑے۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟''

''وہ کہہ رہی تھیں رقم کم ہے اور جو اپارٹمنٹ انہوں نے پسند کیا ہے وہ مہنگا ہے۔''

''اور۔'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''مسز پیٹر کا فون تھا وہ آپ کو دعا کہہ رہی تھیں۔''

''اچھا!!'' وہ ہنسا۔

''اب ان کا فون آئے تو کہنا آپ کی دعائیں خداوند تک نہیں پہنچ رہیں۔''

ولسن نے ''یس سر'' کہہ کر سر جھکا دیا۔

''او کے میں جا رہا ہوں باہر، مام کا فون آئے تو کہہ دینا انہیں مزید رقم مل جائے گی۔''

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور گاڑی میں بیٹھ گیا کچھ دیر بعد وہ ابو صالح کے کمرے کے سامنے کھڑا تھا راستے میں کسی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی حالانکہ دل نے کتنی خواہش کی تھی کہ وہ اچانک سامنے سے آتی نظر آ جائے لیکن وہ کہیں بھی نہ دکھائی دی تھی جبکہ خود وہ مسلسل دل کی اس خواہش کی نفی کر رہا تھا نہیں اس کو نور العین کو نہ دیکھنا ہے اور نہ ملنا ہے کچھ دیر وہ یوں ہی دروازے پر کھڑا رہا ابو صالح آ چکا تھا۔

یہ خبر گاڑی سے اترتے ہی اسے مل چکی تھی وہ مسعود تھا وہ کسی اور شعبے میں تھا اور ہنری نے ایک بار صرف اسے ابو صالح کے ساتھ دیکھا تھا اس نے بے اختیار ہی اسے بلایا تھا۔

''مسٹر!''

''مسعود!''

''تم ہنری ہو نا؟''

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کیا ابو صالح آ گیا ہے واپس؟''

''ہاں۔۔۔اور تم نے یونیورسٹی کیوں چھوڑ دی اگر تمہارے ڈیڈ مسلمان ہو گئے ہیں تو یہ کوئی باعث شرم بات نہیں ہے اور اگر ہوتی بھی تو یہ ان کا فعل تھا تمہارا نہیں، تم خواہ مخواہ اپنا تعلیمی سال ضائع کر رہے ہو۔''

یہ بات وہ شخص اس سے کہہ رہا تھا جسے وہ جانتا تک نہ تھا اور غالباً یونیورسٹی میں بہت سے اس بات سے باخبر تھے اور ڈاکٹر جان رابرٹ کوئی غیر معروف شخصیت تو نہ تھے کہ ان کے قبول اسلام کی کسی کو خبر نہ ہوتی اس نے دل میں اٹھنے والے غصے کو دبا لیا تھا اور مسعود کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ آیا تھا۔

یقیناً وہ اپنے ڈیڈ کے فعل کا ذمہ دار نہ تھا لیکن وہ انجانے میں اسی راستے پر چل پڑا تھا اور وہ یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہا تھا؟ وہ خود نہیں جانتا تھا یکا یک ہی پڑھائی سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا ہر چیز بے معنی ہو گئی تھی حتیٰ کہ نور العین بھی۔۔۔یہ اس کا خیال تھا جبکہ دل اس پر بہت ہنسا تھا کیا نور العین بھی بے معنی ہو سکتی ہے زندگی میں معنی تو صرف اسی کی ذات سے تھے۔ کچھ دیر دروازے کے باہر کھڑے رہنے کے بعد اس نے دستک دی۔

''کم آن۔'' اندر سے ابو صالح کی تھکی تھکی آواز سنائی دی تھی وہ نیم دراز تھا اس کی شیو بڑھی ہوئی اور آنکھیں بے حد سرخ تھیں۔

''تم خیریت سے تو ہو نا ابو صالح!'' اس سے ہاتھ ملانے کے بعد ہنری نے پوچھا۔

''تم اچانک کہاں چلے گئے تھے؟ تمہارے گھر میں تو سب خیریت تھی نا۔''

''ہاں تم کیسے ہو؟'' ابو صالح سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''میں ٹھیک نہیں ہوں بہت اپ سیٹ ہوں بہت مضطرب اور بے چین ہوں میں نے جس راہ پر قدم رکھا ہے مجھے لگتا ہے میں ساری زندگی اسی راہ میں بھٹکتا رہوں گا انہیں بھول بھلیوں میں الجھا رہوں گا اور منزل تک نہ پہنچ پاؤں گا۔'' اس نے سوچا

لیکن کہا نہیں بس ہولے سے مسکرا دیا۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔''

''اور ڈیڈ۔۔۔؟'' ابوصالح نے پوچھا۔

''ڈیڈ۔۔۔!'' اسکے لب بھنچ گئے۔

''پتا نہیں۔۔۔''

اس نے نورالعین سے نمبر تو لے لیا تھا لیکن ابھی تک فون نہیں کیا تھا اور ڈیڈ نے پھر کون سا فون کیا تھا۔۔۔ بھول گئے تھے شاید اپنوں میں کھو کر۔

''اور وہ کس بنا پر پھر فون کرتے۔'' دل نے سرزنش کی۔

''تم نے کب ان کا فون اٹینڈ کیا تھا؟''

''تمہارے ڈیڈ پاکستان کیوں گے؟ کیا وہ ابھی تک وہاں ہی ہیں؟ کیا کسی سیمینار میں شرکت کرنے۔۔۔؟''

ایک لمحہ کو اس کا جی چاہا وہ ابوصالح کو بتا دے کہ اس کے ڈیڈ کیوں پاکستان گئے ہیں لیکن جب وہ بولا تو اس نے جو سوچا تھا وہ نہیں کیا بلکہ پہلے کی طرح کندھے اچکاتے ہوئے پتا نہیں کہہ دیا۔

''تمہیں اپنے ڈیڈ کے قبول اسلام کا بہت دکھ ہے ہنری؟''

''تم کیا ان سے ناراض ہو؟'' ابوصالح نے پھر پوچھا۔

''نہیں۔۔۔ شاید نہیں۔'' اس نے دہرایا اور موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''تم نے بتایا نہیں تم کہاں گئے تھے؟''

''میں۔۔۔ ابوصالح نے ایک گہری سانس لی۔''

''اگر میں تمہیں سچ بتا دوں تو شاید تمہیں برا لگے اور تمہیں میری بات پسند نہ آئے اور عین ممکن ہے کہ تم میرے کمرے سے اٹھ کر باہر چلے جاؤ۔''

''کیا تم کسی خودکش حملے میں شرکت کرنے یا دہشت گردی کرنے گئے

تھے؟'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔ ابو صالح بے ساختہ ہنس دیا۔

''ایسا نہیں ہے ہنری!'' وہ یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

''ہم مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں یہ تمہارے میڈیا کا پروپیگنڈا ہے۔۔۔ دہشت گرد کون ہے؟ تم اسے دہشت گرد کہتے ہو جو آزادی کے لیے لڑتا ہے۔۔۔ جو بے غیرتی کی زندگی سے بچنا چاہتا ہے۔۔۔ دہشت گرد تو ظلم کرنے والا ہے اور تم بتاؤ اس وقت ساری دنیا کے مسلمانوں پر کون ظلم کر رہا ہے؟ سب سے بڑا دہشت گرد کون ہے؟

کون بے گناہ بچوں اور معصوم شہریوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہا ہے؟''

''او کے میں نے مان لیا تم مسلمان دہشت گرد نہیں ہو۔'' ہنری نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

اب بتاؤ تم کہاں گئے تھے میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ تو تمہارے کمرے سے جاؤں گا نہ تمہارے متعلق اپنی رائے تبدیل کروں گا۔'' ہنری کو خواہ مخواہ تجسس ہو رہا تھا

''ہنری میں اس شخص کی تلاش میں گیا تھا جس نے ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی میں اسے قتل کرنے کے ارادے سے گیا تھا لیکن۔۔۔''

''قتل کرنے۔۔۔؟'' ہنری نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں قتل کرنے۔'' ابو صالح نے اسے اطمینان سے جواب دیا۔

''میرے خیال میں وہ واجب قتل ہے میرے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا شخص اس زمین پر سانس لے رہا تھا ان ہواؤں سے زندگی کشید کر رہا تھا اس آسمان تلے رہتا تھا مجھے تو راتوں کو نیند نہیں آتی تھی ہنری! میرے دل آگ بھڑک رہی تھی۔''

''اور اس کا انجام۔۔۔؟'' ابو صالح نے اپنے لبوں پر زبان پھیری۔

''ایک خوبصورت موت، ایک ایسی موت جو اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کی خاطر ملے وہ موت کتنی خوبصورت موت ہوگی تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو ایک ایسی موت جس کو گلے لگانے کے بعد اپنے آقا ﷺ کا قرب ملے وہ موت کسے قبول نہیں ہوگی ہنری!''

''وہ جیسے خواب دیکھ رہا تھا۔''

''تو پھر اس شخص کو قتل کیے بغیر واپس کیوں آگئے ابو صالح محمد!''

ہنری کے لہجے میں انجانے میں طنز آ گیا تو ابو صالح کی رنگت پھیکی پڑ گئی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی اور اس کے منہ سے آہ نکل گئی۔

''آہ! میری بدنصیبی ہنری! میں نے بہت کوشش کی اس تک پہنچنے کی لیکن میری رسائی نہ ہوسکی اس تک۔۔۔''

''پتا نہیں تم ابو صالح محمد! تم بہت عجیب ہو بھلا اسطرح بھی کوئی اپنی ذات داؤ پر لگاتا ہے۔''

''تم نہیں سمجھ سکو گے ہنری رابرٹ! یہ عشق و محبت کی باتیں ہیں اور ہماری اسلامی تاریخ ایسے عاشقانِ رسول ﷺ سے بھری پڑی ہے وہ محبوب خدا ہیں ہنری! جس ہستی کو خدا چاہے وہ ہم سب کی محبوب کیوں نہ ہو ہم کیوں نا اس کی ناموس کی خاطر اپنی حقیر جان قربان کر دیں۔''

اور رومانیہ کے منصف جورجیو نے بھی تو لکھا تھا!

''سورۃ ''والضحیٰ'' ایسی مسرت بخش سورۃ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے محبت کا اظہار کیا ہے اور پہلی آیت میں قسم اٹھائی دو چیزوں کی والضحیٰ' والیل اذا سجی' پہلی قسم طلوع آفتاب کی اور دوسری قسم تاریک شب کے چھا جانے کی جب انسان اس کو پڑھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے وہ موسم بہار کی دل نشین صبح کو سبزے سے بھری ہوئی ایسی سرزمین پر جہاں تمام شگوفے کھل اٹھے ہوں سورج کے

طلوع ہونے کا نظارہ کر رہا ہو۔"

اس نے لکھا تھا "مغربی قاری جو عربی نہیں جانتا وہ اس کی لطافت اور حسن کو محسوس نہیں کر سکتا کاش! وہ عربی جانتا ہوتا اور مسلمانوں کی اس مذہبی کتاب کو پڑھ سکتا۔" یکایک اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اور وہ اپنی اس خواہش پر خود ہی حیران رہ گیا اس نے ابو صالح کی طرف دیکھا جو افسردہ سا بیٹھا تھا۔

"ابو صالح تم اپنے نبی کریم ﷺ سے اتنی شدید محبت کرتے ہو مجھے علم نہیں تھا۔"

"صرف میں نہیں ہم سب مسلمان کچھ کم کچھ زیادہ لیکن ہم سب اپنے نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں میں تمہیں ایک واقعہ سناؤں حضرت اویس قرنی کا اگر تم بوریت محسوس نہ کرو۔"

"ہاں سناؤ۔" ہنری نے کہا۔

"میں بور نہیں ہوں گا۔"

ابو صالح بتا رہا تھا اور ہنری حیرت سے سن رہا تھا۔

"نہیں۔"

اس نے بے یقینی سے ابو صالح کی طرف دیکھا۔

"کیا ایسا ممکن ہے کہ انہوں نے محض اس لیے اپنے سارے دانت توڑ دیے تھے کہ ان کے محبوب ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا اور وہ نہیں جانتے تھے وہ کونسا عشق ہے؟"

"عشق میں سب ممکن ہے میری جان!" ابو صالح نے یقین سے کہا۔

"کیا وہ اپنے خداوند یسوع مسیح سے اتنی ہی محبت کرتا ہے۔" ہنری نے اپنے دل کو ٹٹولا لیکن وہ کچھ جان نہ پایا دل پر یکدم دباؤ بڑھ گیا تھا جیسے کوئی زور سے دبا رہا ہے کھینچ رہا ہوں۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے جنہیں اس نے

دائیں ہاتھ کی پشت سے پونچھا۔

''ہنری! کیا کبھی تم نے کسی سے محبت کی ہے؟'' ابوصالح نے اچانک پوچھا

''محبت۔۔۔''

ہنری خالی خالی نظروں سے ابوصالح کو دیکھ رہا تھا۔

''اپنے ڈیڈ سے۔۔۔''

''وہ تو فطری ہے خون میں رچی ہوتی ہے کسی اور سے۔۔۔؟'' ابوصالح اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''نور آن۔'' دل نے سرگوشی کی۔

''نور العین سے۔'' لیکن لب خاموش تھے۔

''اگر تم نے کسی سے محبت کی ہو خالص محبت جس میں طمع نہ ہو' ہوس نہ ہو' لالچ نہ ہو۔ بس وہ محبت ہو صرف محبت تو محبوب کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھو گے تم بے چین ہو جاؤ گے یہ محبت تمہیں راتوں کو جگاتی ہے تمہیں اپنے شکنجے میں کس کر بالکل خالص کر دیتی ہے ہنری۔۔۔ لیکن جس محبت کا میں ذکر کر رہا تھا یہ محبت سے بہت آگے کی چیز ہے تم اسے محبت کی انتہا کہہ سکتے ہو یہ عشق ہے ہنری! اپنے رسول کریم ﷺ سے عشق ہے جو حضرت اویس قرنیؓ کو کہتا ہے کہ اپنے دانت توڑ دو۔''

''ہاں عشق ہے۔''

اس کے دل کو جیسے پھر کسی نے زور سے دبایا وہ بھی نور العین سے محبت کرتا ہے لیکن اس کے دل میں اسے پانے کی خواہش تھی تو وہ اس کی رفاقت کا بھی متمنی ہے اس کے دل میں لالچ بھی تو ہے ہوس بھی تو ہے لیکن وہ محبت جس میں پانے کی طلب نہ ہو وہ بھلا کیا محبت ہوئی لیکن وہ نور العین سے اب بھی محبت کرتا ہے حالانکہ وہ اسے پا نہیں سکتا حالانکہ وہ اس سے نفرت کرنا چاہتا ہے اتنی نفرت کہ اس نفرت کی آگ سے وہ جل کر طلسم ہو جائے لیکن وہ اس سے نفرت نہیں کر سکا ایک لمحے کے لیے بھی

نہیں جب سے وہ ابو صالح کے پاس آیا تھا تب سے دل میں یہ خواہش چٹکیاں لے رہی تھی کہ وہ آجائے اچانک ابو صالح کے کمرے یا پھر باہر کہیں نظر آجائے انجانے میں اسکی نظروں نے یہاں تک آتے ہوئے اسے چاروں طرف کھوجا تھا وہ نور العین ایک عام سی لڑکی ہے اس جیسی تو۔۔۔وہ اس سے اتنی محبت کرتا ہے اور وہ ہستی جو خلیل جبران کے بقول اس عہد کی صبح درخشاں ہے وہ۔۔۔"

اس نے ابو صالح کی بات پر یقین کرلیا اور ابو صالح کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"کیا تم پھر جاؤ گے پھر کوشش کرو گے اس شخص تک پہنچنے کی۔"

"پتا نہیں۔" ابو صالح نے کندھے اچکائے۔

"یہ ساری بات اندر کی کیفیات کی ہوتی ہے ہنری! کچھ کہہ نہیں سکتا کب کیا کیفیت ہو۔ ہوسکتا ہے یہ آگ اتنی بھڑک اٹھے کہ میں لمحوں میں سب کچھ چھوڑ کر چل پڑوں اور ہوسکتا ہے یہ آگ اتنی مدھم ہوجائے کہ میں خود کو دنیا میں گم کردوں اور پھر کسی لمحے اچانک۔۔۔ہنری! یہ دل بھی بس عجیب شے ہے اس کو سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہے جب میں یہاں سے نکلا تھا تو جل رہا تھا تڑپ رہا تھا اس وقت اگر اس تک رسائی ہو جاتی تو شاید وہ میرے ہاتھوں نہ بچ پاتا لیکن پندرہ دن ادھر اُدھر ٹھوکریں کھانے کے بعد میں لوٹ آیا ہوں شاید میرا عشق خام ہے میرے جذبے میں ابھی پختگی نہیں آئی ابھی اسے پکنا ہے ابھی کچا ہے یہ۔۔۔"

"ابو صالح کے چہرے پر شرمندگی سی نظر آئی" منزل تک پہنچنے کے لیے جذبۂ صادق کی ضرورت ہوتی ہے ہنری! شاید میرے اندر کہیں دنیا کی زندگی کی چاہ موجود تھی شاید اسے تلاشتے ہوئے میں نے اپنے والدین اور بہن بھائیوں کا بھی سوچا تھا شاید اسی لیے ناکام رہا۔ طلحہ احمد کہتے ہیں جب میں سفر پر نکلا تھا تو مجھے دنیا یہاں ہی چھوڑ جانا چاہیے تھی لیکن میں نے واپسی کی کوئی امید بھی ساتھ باندھ رکھی تھی پھر کیسے

کامیاب ہوتا ہنری!‘‘

ہنری نے اس کے ایک ایک لفظ کو سنا اور سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

منزل تک پہنچنے کے لیے جذبہء صادق کی ضرورت ہے لیکن میرے پاس تو جذبہء صادق نہیں ہے میں تو بس اس لیے اس راستے پر چل پڑا ہوں کہ میرے ڈیڈ اس راستے کے مسافر تھے اور میں دوراہے پر اکیلا کھڑا رہ گیا تھا ہاں اور ناں کے درمیان پنڈولیم کی طرح لٹکتا کبھی ایک کی طرف لپکتا اور کبھی دوسرے کی طرف لپکتا۔

میں نے تو بس اس عالم برزخ سے نکلنے کی سعی کی ہے میرے اندر یہ جذبہء صادق تو سرے سے ہے ہی نہیں پھر بھی میں اس راستے پر چلنا چاہتا ہوں میں اسے کھوجنا چاہتا ہوں کیا پتا چلتے چلتے یہ جذبہء صادق بھی دل میں پیدا ہو جائے۔‘‘ ہنری نے سوچا

’’خیر اسے چھوڑو ہنری! تم بتاؤ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہے تھے۔ احمد نے مجھے بتایا تھا کہ تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟‘‘ ابو صالح نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

’’ہاں!‘‘ ہنری چونکا۔

’’میں آیا تھا پہلے بھی۔ بلکہ میں لانگ ایٹن سے صرف تمہارے لیے ہی آیا تھا مجھے تمہاری ضرورت ہے ابو صالح!‘‘

’’ہاں ہاں کہو میں تمہارے کام آسکا تو مجھے خوشی ہوگی۔‘‘ ابو صالح نے بڑے خلوص سے کہا۔

’’احمد نے بتایا تھا تم کچھ اپ سیٹ ہو تم نے یونیورسٹی بھی چھوڑ دی ہے کیا تم نے اب تک اپنے ڈیڈ کے قبول اسلام سے سمجھوتا نہیں کیا ہے۔‘‘

’’پتا نہیں۔‘‘ ہنری نے بے حد بے بسی محسوس کی۔

’’اچھا کہو میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟‘‘

’’ہاں شاید تم ہی میری مدد کر سکتے ہو ابو صالح محمد! لیکن میں پھر آؤں گا پھر کسی روز اس وقت تم آرام کرو۔‘‘

ہنری یکدم کھڑا ہو گیا۔ دل پر دھرا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ دل پر رکھ کر ایک لمبی سانس لی جیسے اندر موجود آکسیجن یکدم ختم ہو گئی ہو۔

''میں پریشان رہوں گا ہنری!'' ابو صالح نے اسی خلوص سے کہا۔

''میں آؤں گا جلد ہی۔ تمہارے پاس ہی آؤں گا۔''

''میں تمہارے کسی کام آسکا تو مجھے دلی خوشی ہو گی۔'' ابو صالح بھی کھڑا ہو گیا

''تم بیٹھو ابو صالح میں چلتا ہوں۔'' ہنری نے ابو صالح سے ہاتھ ملایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

''پاکستان کی سرزمین بے ہمتوں اور بے حوصلوں کے لیے نہیں ہے عبدالوحید! یہ دیوانگان عشق اور سروران محبت کے لیے ہے جو تلخی دوراں میں بھی نوید شب وصل کی شیرینی گھولتے ہیں۔'' مولوی عبدالحق نے عبدالوحید کو اونچا اونچا بولتے سنا تھا تو اچانک ہی کمرے میں آگئے تھے۔

''تم نوجوانوں کے ساتھ یہ مصیبت ہے کہ تم جلدی جذباتی ہو جاتے ہو' حالات وواقعات کو سمجھتے نہیں ہو اور مایوس ہو جاتے ہو۔''

عبدالوحید یونیورسٹی میں تھا اور آج اس نے یونیورسٹی کے ان طالب علموں کیساتھ جلوس میں شرکت کی تھی جو ایوب خان کی حکومت کا خاتمہ چاہتے تھے قائداعظم کے بعد کتنے ہی سربراہ آئے تھے لیاقت علی خان، ملک غلام محمد، محمد علی جوہر، چوہدری محمد میر، جنرل سکندر مرزا اور پھر صدر ایوب خان ملک کے سربراہ تھے فیلڈ مارشل ایوب خان نے ملک میں مارشل لا لگا کر فوجی حکومت قائم کی تھی ابتدا میں لوگ خوش تھے پھر ہولے ہولے مخالفین بڑھتے گئے۔ یہ مارچ 1969 تھا اور اس کے ٹھیک تین دن بعد بھی مارچ میں ہی ایوب خان نے اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کر دیا تھا۔

''تم جو اتنا بڑھ بڑھ کے بول رہے ہو عبدالوحید کیا جانتے ہو تم۔۔۔؟''

مولوی عبدالحق اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

''تم نے کیسے کہہ دیا کہ پاکستان خدانخواستہ قائم نہیں رہ سکتا اور پاکستان نے ان بائیس برسوں میں کوئی ترقی نہیں کی۔ بدقسمتی سے تمہیں لوگ استعمال کر رہے ہیں جو پاکستان کے دشمن ہیں میں تمہیں بتاتا ہوں غور سے سنو۔ پاکستان کو تقسیم کے وقت فوجی، اقتصادی، انتظامی اعتبار سے ختم کرنے کی سازش کی گئی تھی یہ سازش اس قدر گہری تھی کہ پاکستان چھ دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا لیکن بفضل خدا پاکستان قائم ودائم ہے اور روز آخر تک قائم رہے گا انشاءاللہ'' ان کی آواز قدرے بلند ہوگئی۔

''ہندوستان کو سولہ آرڈیننس فیکٹریاں ملیں، پاکستان کو ایک بھی نہیں۔ اسلحہ اور بارود کی تقسیم منصفانہ نہیں تھی۔ پاکستان کے حصے میں چھ پیادہ ڈویژن ایک اور ایک آمرڈ بریگیڈ آئے فوج اور اسلحے کی تقسیم کے کمانڈر نے خود برطانوی حکومت کو لکھا کہ ہندوستانی کابینہ افواج کی تقسیم کے سلسلے میں رکاوٹ ڈال رہی ہے ہندوستان نے سارے ہوائی جہاز اپنے لیے مخصوص کر لیے پنجاب کی تقسیم کے لیے سرحدی کمیشن بیٹھا اس نے ایسی ضرب لگائی کہ پاکستان اور پنجاب کو بڑے علاقے سے محروم کر دیا۔ فیروز پور ہیڈ ورکس اور اپر باری دو آب ہیڈ ورکس ہندوستان کی طرف چلے گئے معاہدے کے مطابق 375 کروڑ پاکستان کے حصے میں آئے اور ہندوستان نے صرف 100 کروڑ دیئے بعد میں سنا ہے کہ بقایا رقم بھی دے دی گئی تھی لیکن خدا کے فضل وکرم سے کیا نہیں ہے اب پاکستان میں تم لوگ صرف باتیں کرنا جانتے ہو عبدالوحید صرف گلے اور شکوے۔۔۔ ہندوستان کو اگر کوئی غلط فہمی تھی تو 65 کی جنگ میں نکل گئی ہوگی اور تم لوگ صرف نعرے لگانا جانتے ہو۔''

''سوری، ابا جان!'' عبدالوحید شرمندہ ہوگیا تھا۔

''وہاں یونیورسٹی میں لوگ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔''

''کیا؟'' مولوی عبدالحق نے پوچھا۔

''وہ کہتے ہیں وہاں مشرقی پاکستان کے حالات ٹھیک نہیں کہ وہاں ایک کھچڑی پک رہی ہے وہ ہمارے خلاف ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ تو صاف صاف کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جائے گا۔''

''تو اس کا یہ حل سوچا ہے تم نے کہ سڑکوں پر نکل آؤ اپنی ہی املاک کو نقصان پہنچاؤ۔'' مولوی عبدالحق بے چین ہو گئے تھے۔

''تمہیں تو چاہیے کہ کوئی کام کرو کوئی ایسا کام جو تمہیں متحد کر لے تمہیں مضبوط کر لے نہ کہ بکھیر دے۔ مجھے یاد ہے پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم نے مشرقی پاکستان میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہندوستان نے پاکستان میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے صوبائیت کی صورت میں وہ یہ زہر تمہاری رگوں میں اتار رہے ہیں تم اس زہر کو اپنے جسم سے خارج نہ کر دیا تو کبھی سیسہ پلائی قوم نہ بن سکو گے۔''

اور تم آج کے نو جوان اس سازش کا شکار ہو رہے ہو عبدالوحید!'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''یہ کبھی نہ بھولنا کہ اس وطن کو حاصل کرنے کے لیے تمہارے آباؤ اجداد نے بڑی قربانیاں دی تھیں اس تاریخ کو فراموش نہ کرنا جس کا لفظ لفظ لہو سے لکھا گیا ہے۔''

مولوی عبدالحق کی ساری بات دھیان سے سنتی نجم النساء نے چونک کر عبدالوحید کو دیکھا تھا جو شرمندہ سا سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''تمہارے چچا اور اسکا خاندان بھی ان شہیدوں میں شامل ہیں جن کا لہو اس پاک وطن کے لیے بہا اور شاید محمد سعید بھی نجم النساء کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔''

''ہاں وہ بھی۔۔۔'' مولوی عبدالحق کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی اور کتنے دنوں بعد اس روز نجم النساء نے پھر محمد سعید کو بہت یاد کیا تھا ایک ایک بات یاد کرتے

ہوئے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے آتا رہا تھا اور وہ ان یادوں میں ایسے کھوئی ہوئی تھی کہ جب اس کے نو سالہ بیٹے نے اسے آواز دی تو وہ کتنی ہی دیر تک خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''ماما گھر کب چلیں گے؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''شام کو۔'' اسکی بات کا جواب دے کر وہ پھر یادوں میں کھو گئی تھی ہاجرہ کی طبیعت پچھلے کئی دن سے خراب تھی اس لیے وہ میکے آئی ہوئی تھی آج وہ کچھ بہتر تھی اس لیے اس نے گھر جانے کو سوچا تھا لیکن مولوی عبدالحق نے جیسے یادوں کے ٹانکے کھول دیئے تھے وہ ایک ایک ٹانکا کھول رہی تھی جب ہاجرہ نے اسے آواز دی تھی مولوی عبدالحق اور عبدالوحید جانے کب کمرے سے نکل گئے تھے اب وہ اکیلی تھی ہاجرہ تھی جو چارپائی پر لیٹی اسے دیکھ رہی تھی۔

''جی اماں!'' وقارالنساء کا کوئی خط آیا۔

''بہت دن ہو گئے ہیں آیا تھا۔''

''کیا کہتی تھی آنے کے متعلق؟''

''اماں وہ جلد آنے کا کہہ رہی تھی اسے لکھو دیر نہ کرے مرنے سے پہلے اسے دیکھنا چاہتی ہوں کتنے برس ہو گئے نجم النساء تمہاری چھوٹی کی پیدائش کے بعد میں اور تمہارے ابا گئے تھے ملنے۔''

''جی اماں! ڈاکٹر صاحب سے کہوں گی فون کر دیں گے نہیں نہیں خط لکھ دینا گھبرا جائے گی ہاجرہ نے ٹوکا لیکن بس لکھنا کہ جلدی آئے بچوں کو لے کر، سب سے مل لوں گی اور۔۔۔''

''اور اماں کیا۔۔۔ اماں کیا۔۔۔؟''

''کچھ نہیں۔۔۔'' ہاجرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

''تمہیں سعید یاد ہے نجم النساء!'' کچھ دیر بعد ہاجرہ نے پوچھا۔

''ابھی تم اس کا نام لے رہی تھی نا۔۔۔!''

''ہاں اماں! بھلا میں اسے بھول سکتی ہوں۔''

''کیا تجھے بھی مولوی صاحب کی طرح یقین ہے کہ تمہارے چچا کے ساتھ ہی شہید ہو گیا تھا۔''

''ابا کو اپنی دعا کی قبولیت پر یقین ہے اماں اور تجھے۔۔۔'' نجم النساء چپ ہو گئی۔

''پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے وہ زندہ ہے شاید کہیں راہ چلتے کسی سڑک پر کسی گلی میں کسی ویگن یا بس میں دکھائی دے جائے۔'' اماں نے کہا۔

نجم النساء اب بھی خاموش رہی بس اس کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے تھے اب وہ ہاجرہ کو کیا بتاتی کہ اسے محمد سعید بھولا ہی کب تھا تین بچوں کی ماں بن کر بھی وہ جب رات کو سونے کے لیے لیٹتی تو وہ تصور میں چلا آتا اور وہ بھی ہاجرہ کی طرح سوچنے لگی۔

''کیا خبر۔۔۔وہ زندہ ہے کیا خبر۔۔۔؟''

''اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ نجم النساء کے سر پر رکھ دیا۔

''مت رو۔۔۔نجم النساء! مت رو۔۔۔بس اس کے لیے دعا کرتی رہا کر زندہ ہے تو اسے خدا نیکی کے راہ پر چلائے اور مر گیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے بس دعا کرتی رہا کر۔'' اور نجم النساء ہاجرہ کے پلنگ کی پٹی پر سر رکھ کر رونے لگی یوں جیسے محمد سعید آج بچھڑا ہے جیسے ابھی ابھی اس نے مولوی عبدالحق کے منہ سے اس کی موت کی خبر سنی۔

☆......☆......☆

''ابو صالح۔۔۔'' ہنری نے ابو صالح کے پاس بیٹھے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''میں بہت تھک گیا ہوں مجھے لگتا ہے جیسے مجھے چلتے چلتے صدیاں بیت گئی ہوں میرے پاؤں میں پھوٹتے آبلوں کی جلن ہے اور میری رگوں میں صدیوں کے سفر کی تھکن اتر رہی ہے۔''

''ابوصالح۔۔۔''اس نے بے بسی سے ابوصالح کی طرف دیکھا۔

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے اگر تم نے میری مدد نہ کی تو میں مجھے لگتا ہے جیسے میں کسی ایسے شخص کی موت مروں گا جو صحرا میں کسی ٹھنڈے میٹھے چشمے کی تلاش میں بھٹک رہا ہو اور پھر وہیں صحرا میں ہی پیاسا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے میرے اندر عجیب سی پیاس ہے جو بجھتی نہیں جسے تسلی نہیں ہوتی کوئی ایک گھونٹ جو ذہن و دل کی تشنگی ایک ساتھ مٹا دے۔''

''ہنری!''ابوصالح نے اس کے ہاتھوں سے اپنا دایاں ہاتھ چھڑاتے ہوئے اس کے کندھے پر رکھا۔

''میں نے تم سے کہا تو تھا کہ تم طلحہ احمد سے مل لو مجھے یقین ہے کہ ان کے پاس جا کر اور ان کی مدلل اور موثر گفتگو سن کر تمہارے لیے کسی ایک راستے کا انتخاب کرنا آسان ہو جائے گا۔''

ہنری کے وجود میں یکدم اضطراب و بے چینی کی لہریں اٹھنے لگیں۔

''میں نے راستے کا انتخاب کر لیا تھا لیکن ابھی تک راستوں میں ہی بھٹک رہا ہوں اتنی بھول بھلیاں ہیں کہ میں تو ان بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ گیا ہوں بس چکراتا پھر رہا ہوں منزل سے دور ابوصالح محمد! مسز پیٹر نے مجھ سے کہا تھا کسی ایک راہ پر آنکھیں بند کر کے چل پڑو اگر وہ صحیح راستہ ہو تو دروازے خود بخود کھلتے جائیں گے خداوند یسوع مسیح تمہاری مدد کریں گے دروازے کھلے تو ہوئے ہیں لیکن میں ان میں داخل نہیں ہو پاتا میرے اندر جانے کیسی رکاوٹیں ہیں کہ مجھے لگتا ہے جیسے میں اک عمر اس راستے پر چلتا رہوں تو بھی یقین کی منزل تک نہیں پہنچ پاؤں گا۔''

ابو صالح نے ہنری کے کندھے پر رکھے اپنے ہاتھوں کو اضطراری طور پر اٹھایا اور پھر اسی اضطرار کے عالم میں دوبارہ ہنری کے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

''تم نے کس راستے پر قدم رکھا ہے ہنری!؟''

''میں نے۔۔۔؟'' ہنری کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی

''ہاں تم کہہ رہے تھے نا اس روز کہ تمہارے سامنے دو راستے ہیں ایک وہ جو تمہیں تمہاری مام کے دین کی طرف بلاتا ہے اور دوسرا وہ جو تمہارے ڈیڈ نے اختیار کیا ہے اپنی مرضی اور رضا سے۔۔۔''

''ہاں ایسا ہی تھا لیکن تم مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو ابو صالح محمد!''

''میں۔۔۔'' ابو صالح نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے سے ہٹا کر بغور اسے دیکھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم جس راستے پر قدم رکھو پورے یقین کے ساتھ رکھو اپنی بصیرت سے فیصلہ کرو۔''

''اور یقین ہی تو نہیں ہے میرے پاس۔'' اس کے لہجے سے پھر بے بسی جھلکنے لگی۔

''میں جانتا ہوں چاہے تم کہو یا نہ کہو لیکن تم، عبدالمنان، احمد، سب کے دل میں ہی خواہش ہے کہ میں تمہارا دین اپنا لوں اگر ایسی کوئی خواہش ہے بھی ہمارے دل میں ہے تو یہ ایسی غلط بات بھی نہیں ہے۔'' ابو صالح مسکرایا

''لیکن اس کے باوجود ہم چاہتے ہیں کہ فیصلہ تم خود کرو دل کی پوری رضامندی اور خوشی کے ساتھ ہنری! ہر شخص کے لیے اس کا دین بہت محترم ہوتا ہے اور اسے عزیز بھی ہوتا ہے وہ دین جو پیدا ہوتے ہی اسے ورثے میں ملتا ہے اسے چھوڑنا آسان نہیں ہوتا اس لیے اس کے ساتھ بہت سے تعلق اور رشتے جڑے ہوتے ہیں ہزار دفعہ سوچنا پڑتا ہے لیکن جب دل میں حق کی طلب جاگ اٹھے تو پھر رشتے بے معنی

ہو جاتے ہیں۔" ابو صالح ہمیشہ دلیل سے بات کرتا تھا ہنری بہت دھیان سے سن رہا تھا۔

"تمہارے ساتھ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ تم اس دین کا دامن تھامو گے تو تمہارے رشتے دار تم سے بچھڑ جائیں گے تمہارے ڈیڈ نے پہلے ہی حق کے راستے پر قدم رکھ دیا ہے تم سوچ سکتے ہو ہنری ؟ کہ آخر کیا تھا کہ اس عمر میں انہوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا تم ان سے کیوں رہنمائی نہیں لیتے ہنری! ہو سکتا ہے تمہارے دل کو یقین کا کوئی سرا مل جائے۔"

"میرے ڈیڈ۔۔۔" ہنری نے ایک گہری طویل سانس لی۔

"تمہیں یہ سوچ کر حیرت ہوگی ابو صالح محمد! کہ میرے ڈیڈ کو بھی یہ دین ورثے میں ملا تھا وہ پیدائشی مسلمان تھے انہیں میری طرح سفر نہیں کرنا پڑا انہوں نے میری طرح یقین و بے یقینی کی اذیت نہیں سہی۔"

آج اس نے ابو صالح کو وہ راز بتا دیا تھا جو ابھی تک اس کے اور نور العین کے درمیان تھا ابو صالح بہت حیرت سے ہنری کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے اس کی دماغی صحت پر شبہ ہو۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں ابو صالح!" ہنری نے نگاہیں جھکالیں۔

"یہ اس وقت کی بات ہے جب برصغیر تقسیم ہوا میرے ڈیڈ تب بارہ تیرہ برس کے تھے اور اپنے خاندان سے بچھڑ گئے سر جیمز نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا اور اپنے ساتھ اسے انگلستان لے آئے۔"

اس نے ڈیڈ کا شاید بھرم رکھنے کی کوشش کی تھی اور وہی کچھ ابو صالح کو بتایا تھا جو نور العین سے سنا تھا۔

"ڈیڈ کو سب یاد تھا والدین اپنے بہن بھائی پتا نہیں کس بات نے انہیں اتنا عرصہ تک یہاں روکے رکھا لیکن اب وہ اپنے دین کی طرف پلٹ گئے ہیں اور اپنے

عزیزوں کے پاس پاکستان چلے گئے ہیں۔'' اس نے اپنے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر زور سے مارا۔

مجھے۔۔۔ ہنری رابرٹ کو چھوڑ کر۔۔۔ میں جس نے انتیس برس تک خود کو کرسچن سمجھا ڈاکٹر جان رابرٹ کا بیٹا۔۔۔ ابو صالح! تم میری کیفیت سمجھ سکتے ہو میرے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کا اندازہ لگا سکتے ہو۔'' وہ ہولے ہولے دھیمے لہجے میں اپنی کیفیت ابو صالح کو بتا رہا تھا۔

ابو صالح بالکل خاموش دونوں ہاتھ گود میں دھرے اس کی باتیں سن رہا تھا اس نے بیچ میں ایک بار بھی ہنری کو نہیں ٹوکا تھا۔

''میں نے سوچا تھا ابو صالح محمد! کہ میری ماں ایک سچی کرسچن ہے پیدائشی کرسچن اور میں اپنی مام کا دین ہی اپناؤں گا مجھے ڈیڈ پر بہت غصہ تھا بہت ناراض تھا میں۔ اس لیے میں مام کے پاس چلا گیا لیکن ابو صالح محمد! تمہارے اللہ کو شاید یہ پسند نہیں آیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں مام کا مذہب اپناؤں مام کے فرینڈ نے مجھے مار کر وہاں سے بھگا دیا تم یقین کرو گے ابو صالح! بلاوجہ اس نے مجھے مارا میں لانگ ایٹن آ گیا اور مسز پیٹر نے مجھ سے کہا ''میں کسی بھی راستے پر آنکھیں بند کر کے چل پڑوں خداوند یسوع مسیح خود میری مدد فرمائیں گے اگر میں صحیح راستے پر ہوا تو آگے بڑھتا جاؤں گا اور غلط ہوا تو خود ہی پلٹ آؤں گا۔'' مسز پیٹر پڑھی لکھی نہیں ہیں اور وہ کوئی بہت ذہین اور عقلمند عورت بھی نہیں ہیں میں نے بچپن سے لے کر اب تک اکثر انہیں احمقانہ باتیں کرتے سنا ہے پھر بھی میں نے وہی کیا جو انہوں نے کہا تھا۔''

ابو صالح نے اتنی دیر کی خاموشی کے بعد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے تمہارے دین کی طرف جانے والے رستے پر قدم رکھ دیا لیکن ابو صالح محمد! تشنگی ہے کہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے کچھ اور جاننے کی طلب اور ایسا جہاں روح و دل پرسکون ہو جائیں میں ایک ماہ سے بھٹک رہا

ہوں میں نے کئی لائبریریوں کی خاک چھان ماری ہے تمہارے اور دوسرے مذاہب کے متعلق ڈھیروں کتابیں پڑھ ڈالی ہیں میرا دل اس دین کی صداقت کی تصدیق تو کرتا ہے لیکن پھر بھی بہت تشنہ ہے بہت سے سوالوں کے بھنور میرے ذہن میں اٹھتے ہیں اور سب کچھ پراگندہ کر دیتے ہیں میرے اندر کسی یقین کی کمی ہے ابو صالح! کہ میں فیصلہ کرتے کرتے ٹھہر جاتا ہوں کئی بار میں نے سوچا کہ میں تمہارے پاس آؤں اور تم سے کہوں ابو صالح محمد! میں نے تمہارا دین قبول کیا، کئی بار سوچا ڈیڈ کو فون کروں ڈیڈ مجھے بھی اللہ کی وحدانیت کا یقین ہے اور میں اس کے نبی ﷺ پر ایمان لایا کہ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں لیکن پھر جیسے میرے آگے دیواریں کھڑی ہو گئیں یہ دیواریں میرے اندر سے ہی اٹھتی ہیں ابو صالح۔۔۔!''

وہ جیسے تھک کر خاموش ہو گیا اور اس نے سر جھکا لیا اور بے چینی سے اپنی انگلیاں مسلنے لگا۔

''تمہیں اس وقت کسی کی راہنمائی کی اشد ضرورت ہے کسی ایسے شخص کی راہنمائی کی جو تمہارے سارے شکوک ختم کر دے جو تمہیں دھند سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور تمہارے ہاتھ میں یقین کی رسی تھما دے اور ایسا شخص طلحہ احمد کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ہنری! آج شام تم میرے ساتھ طلحہ احمد کی طرف چلو۔''

''تم بھی کیا سوچتے ہو گے ابو صالح! کہ میں خواہ مخواہ تمہیں تنگ کرنے آ جاتا ہوں۔'' ہنری کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''بخدا! ہرگز نہیں، میں نے ایک لمحہ کو بھی ایسا نہیں سوچا۔'' ابو صالح نے بے اختیار کہا۔

بلکہ مجھے تو خوشی ہے کہ تم نے مجھے اس قابل جانا کہ اپنا مسئلہ ڈسکس کیا۔''

اس وقت اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔'' ابھی طلحہ احمد اپنے آفس میں ہوں گے وہ مغرب کے وقت سنٹر میں آتے ہیں اور پھر عشاء کی نماز بھی وہاں

پڑھتے ہیں اور نماز کے بعد دیر تک مذہبی امور پر بات چیت ہوتی ہے غیر مسلم بھی کبھی کبھار آجاتے ہیں وہاں کئی نو مسلم لڑکے بھی ہوتے ہیں۔ ہنری! تمہیں وہاں اجنبیت نہیں ہوگی آج تم ضرور میرے ساتھ چلنا۔"

"ابو صالح! اگر میں مطمئن نہ ہو سکا اگر میرے دل نے اس کی گواہی نہ دی تو۔۔۔؟" ہنری نے جھجکتے ہوئے بات مکمل کی۔

ابو صالح کی آنکھوں کی چمک یکدم بڑھ گئی

"ایسا نہیں ہوگا ہنری!" اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ ایک لمحہ کے لیے ہنری خاموش ہوگیا۔

"تمہیں اتنا یقین کیوں ہے؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ دین اسلام ایک سچا دین ہے وہ صرف مذہب ہی نہیں ہے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہمیں رہبانیت کا سبق نہیں دیتا، دنیا ترک کرنے کو نہیں کہتا وہ ایک متوازن دین ہے۔"

"ایک بار پھر ہنری خاموش ہوگیا۔" ابھی اسلامک سنٹر جانے میں کافی وقت ہے چلو عبدالمنان کی طرف جاتے ہیں اس کا تھیس پبلش ہوگیا ہے اور اس ماہ کے اختتام یا اگلے ماہ کے آغاز میں وہ واپس وطن چلا جائے گا میں ہمیشہ اس کے خلوص کو مس کروں گا۔" ہنری نے کہا۔

"نور العین بھی چند دنوں تک پاکستان جارہی ہے شاید اٹھارہ دن کے لیے اور ان اٹھارہ چھٹیوں میں اس کی شادی ہورہی ہے۔" ابو صالح نے مزید بتایا۔

"نور العین کی شادی ہورہی ہے یکدم دل مچلا شادی کے بعد وہ اگلا سمسٹر مکمل کر کے اپنے ہسبنڈ کے ساتھ امریکہ چلی جائے گی۔" ابو صالح بتا رہا تھا۔

"نور آن کی شادی ہو رہی ہے؟" اس کا دل یکدم مچلا۔

"وہ چلی جائے گی اس کی شادی ہوجائے گی اور وہ میری نہیں ہوگی وہ

نورآن جس کی اس دل نے بہت چاہ کی تھی پھر یہ ساری تگ و دو کس لیے۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ بے چین پھرتا ہوں کیوں اس کے دین کی کھوج میں ہوں وہ نہیں ہوگی تو پھر کس لیے۔۔۔؟'' اس کا دل چاہا وہ ابوصالح کو منع کر دے کہ اسے طلحہ احمد سے ملنے نہیں جانا لیکن وہ ابوصالح سے یہ سب نہ کہہ سکا۔

''یہ تو مجھے پہلے بھی علم تھا جانتا تھا میں۔۔۔ جب میں نے اس راہ پر قدم رکھا تھا تب بھی جانتا تھا لیکن شاید اندر کہیں امید کا دیا جلتا تھا کہیں چراغ روشن تھا اور کیا خبر اب بھی کوئی معجزہ ہو جائے نورالعین کی شادی نہ ہو سکے۔'' اور وہ اپنے دل کی کمینگی پر شرمندہ سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''چلو، عبدالمنان اس وقت کمرے میں ہی ہوگا نا۔''

''ہاں! تمہارے آنے سے پہلے میں نے اسے اپنے روم کی طرف جاتے دیکھا تھا۔'' ابوصالح بھی کھڑا ہو گیا۔

عبدالمنان اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

''ارے ہنری! میں تمہیں بہت یاد کر رہا تھا آج صبح ہی میں نے خدیجہ سے کہا تھا کہ میں کسی روز ہنری سے ملنے جاؤں گا۔''

ہنری کو بھی سانولا سلونا بنگالی لڑکا ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔

''خدیجہ کہاں ہے؟'' ابوصالح نے ہنری کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اور نورالعین شاپنگ کے لیے گئی ہیں تقریباً تین چار گھنٹوں سے۔''

''نورآن!''

ہنری کے دل میں ارتعاش سا پیدا ہوا یکایک اس کے دل میں بڑی شدت سے اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی کاش کچھ ایسا ہو کہ ساری زنجیریں کٹ جائیں، سارے فاصلے مٹ جائیں، زندگی میں کچھ نہ ملے بس اک لڑکی مل جائے، وہ بے دھیانی میں دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اسکا پورا وجود جیسے آنکھیں بن گیا تھا

دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی دروازہ کھلے گا اور ابھی وہ اندر داخل ہو کر مسکراتے ہوئے کہے گی۔

''ارے ہنری! تم میرا انتظار کر رہے ہو۔

''اور وہ کہے گا نور العین تم بہت انتظار کرواتی ہو۔اور پھر وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے باہر نکل جائیں گے اور طویل رستوں پر یوں ہی چلتے رہیں گے۔''

وہ اردگرد سے بالکل بے خبر سا ہو گیا تھا جب عبدالمنان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہنری! تمہارے ڈیڈ کیسے ہیں بوب کہہ رہا تھا وہ پاکستان چلے گئے ہیں یا پھر کسی اسلامی ملک میں۔۔۔''

''ہاں وہ ٹھیک ہیں۔'' وہ چونکا۔

''یہ بوب بہت فضول بول رہا تھا مذہب تو انسان کا ذاتی مسئلہ ہے۔''

''کیا کہہ رہا تھا بوب!''

''یونہی بکواس کر رہا تھا۔'' عبدالمنان کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

''میری تو اس سے لڑائی بھی ہو گئی ایک طرح کی۔۔۔''

''تمہیں یونیورسٹی نہیں چھوڑنا چاہیے تھی ہنری! پتا ہے وہ کیا کہتا پھرتا ہے کہ ہنری اپنے فادر کی اس حرکت کی وجہ سے اتنا شرمسار ہے کہ منہ چھپاتا پھرتا ہے۔''

ہنری خاموش رہا اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

لیکن ابوصالح نے قدرے ناگواری سے کہا تھا۔

''اس کے ڈیڈ نے کچھ ایسا غلط کام نہیں کیا جس پر ہنری کو شرمندگی ہو۔''

تب ہی خدیجہ اور نور العین باتیں کرتی ہوئیں اندر داخل ہوئیں دونوں کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھے خدیجہ نے بیگ بیڈ پر پھینکے اور اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

''کیا خوب خریداری ہو رہی ہے سسٹر!'' ابو صالح نے مسکرا کر خدیجہ کو دیکھا

''ہاں تمہیں پتا تو ہے عبدالمنان کی فیملی بہت بڑی ہے چھوٹا چھوٹا گفٹ بھی خریدو تو بہت ہو جاتا ہے۔''

وہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئی نورالعین ابھی تک کھڑی تھی ہنری کی نظروں نے بس ایک لمحہ کے لیے اسے اپنے حصار میں لیا تھا پھر فوراً ہی ہنری نے نظریں ہٹا لیں اسے لگا تھا جیسے نورالعین کو دیکھنا اس کے بس میں نہیں اگر وہ کچھ دیر اور اسے دیکھے گا تو اس کا دل پھٹنے لگے گا۔

''کیسے ہو ہنری! نورالعین نے بھی شاپنگ بیگز نیچے رکھے اور خالی صوفہ پر بیٹھ گئی۔

''پتا نہیں۔۔۔؟'' ہنری کے لبوں سے نکلا۔

نورالعین کی آنکھوں میں حیرت سی نمودار ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا دی۔

''پتا ہونا چاہیے اپنے آپ سے ایسی بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔''

''کیا اچھا ہوتا ہے۔۔۔ کیا نہیں۔۔۔'' ہنری نے سوچا۔

''میرے ساتھ تو کچھ بھی اچھا نہیں ہے، میرے ڈیڈ نے مجھے چھوڑ دیا یوں جیسے میں کبھی تھا ہی نہیں، میرے دل نے اس لڑکی کی چاہ کی جو کبھی بھی میری نہیں ہو سکتی جسے میں چھو نہیں سکتا جس کے لبوں کی، جس کی آنکھوں کی، جس کی نزاکتوں کی میں تعریف نہیں کر سکتا جسے میں وہ سب کچھ کہہ نہیں سکتا جو سینکڑوں ہزاروں بار اس کے لیے میں نے راتوں کی تنہائی میں سوچا ہے اور جس سے میں نفرت نہیں کر سکتا حالانکہ میں جس سے نفرت کرنا چاہتا ہوں اور جس سے میں نے نفرت کرنے کی بہت کوشش کی۔ہے لیکن پتا نہیں کیوں میں اس سے نفرت نہیں کر سکا حالانکہ میری پرسکون اور ہنستی کھیلتی زندگی میں اسی نے آگ لگائی ہے۔''

''میں نے ایک بار تمہارے اپارٹمنٹ میں فون کیا تھا تو ولسن نے بتایا تھا تم لندن گئے ہوئے ہو اپنی مام سے ملنے۔'' اسے خاموش دیکھ کر نور العین نے کہا۔

''ہاں مام۔۔۔!'' وہ چونکا۔

''تمہاری مام ٹھیک ہیں ہنری؟'' خدیجہ کو ایسی باتوں کا خیال رہتا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہیں۔''

''کافی پیو گے۔'' خدیجہ نے پوچھا۔

''ہم سب پئیں گے۔'' نور العین کے لہجے میں شگفتگی تھی۔

بے اختیار ہی ہنری کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں اس نے ہمیشہ جیسا ہی لباس پہن رکھا تھا ٹراوزر اور لانگ شرٹ فل سلیو اور سر پر بلو سکارف اور نیلا رنگ اس پر کتنا سج رہا تھا اور یہ سچ ہے کہ ہر رنگ گویا اس کے لیے ہی بنا ہے ہنری کے دل نے چپکے سے اسے سراہا۔

''خدیجہ کافی اچھی بناتی ہے کم از کم اس کی کافی میں کچی مچھلی کی بو تو نہیں آتی ہے نا عبدالمنان!'' اس نے عبدالمنان کی طرف دیکھا تو اس نے تائید میں سر ہلایا۔

''میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' خدیجہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

عبدالمنان کمپیوٹر پر ابو صالح کو کچھ دکھانے لگا ہنری نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

''ان سارے دنوں میں صرف ایک دو بار ہی گھر بات ہوئی ہے اور وہ بھی صرف بابا سے سب ٹھیک ہیں وہاں۔۔۔'' نور العین نے خود ہی اسے بتایا اس کی آواز آہستہ تھی۔

''اور یہاں اس کمرے میں موجود کسی بھی فرد کو نہیں معلوم کہ اس لڑکی کے ساتھ میرا رشتہ کیا ہے یہ لڑکی جو ایک الگ مذہب اور زبان کی ہے میری کتنی قریبی رشتہ دار ہے حتیٰ کہ ابو صالح کو بھی اس نے ڈیڈ کے متعلق بتانے کے باوجود یہ نہیں بتایا تھا کہ

نورالعین اس کے ڈیڈ کے سگے بھائی کی بیٹی ہے۔"

"تم نے اپنے ڈیڈ کو فون کیا تھا ہنری!" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" ہنری نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟" اس کی سوالیہ نظریں ہنری کی طرف اٹھی۔

"تمہارے ڈیڈ نے ایک بار بھی تم سے یہ نہیں کہا تم اپنا مذہب بدل لو مسلمان ہو جاؤ، پھر تم ان سے کیوں ناراض ہو؟ کیوں خفا ہو؟"

"یہ بات میں تمہیں نہیں بتا سکتا نور آن۔۔۔!" اس نے سوچا میں خود بھی نہیں جانتا۔

"بہت سارے پاکستانی مرد یہاں شادیاں کر لیتے ہیں ان کی بیویاں کرسچن ہوتی ہیں اور وہ مسلمان بچے بڑے ہو کر جو مذہب چاہیں اختیار کر لیں لیکن وہ اس کے لیے والدین سے ناراض نہیں ہوتے۔" وہ ہولے ہولے سمجھا رہی تھی وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔

"میں ان سے ناراض نہیں ہوں۔" وہ اپنی بات پر خود بھی حیران ہوا۔

"Really" وہ خوش ہو گئی والدین کو دکھ دینے سے ہمارے مذہب میں منع کیا گیا ہے ہنری! پتا ہے والدین کی طرف ایک پیار بھری نظر ڈالنے کا بھی اجر ملتا ہے۔"

ہنری خاموش ہی رہا تو کچھ توقف کے بعد نورالعین نے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسا کیوں نہیں کرتے ہنری! تم میرے ساتھ ہی چلو پاکستان۔ تمہارے ڈیڈ تمہیں اچانک دیکھ کر کتنے خوش ہوں گے۔"

"تمہارے ساتھ۔۔۔؟"

اس کی آنکھوں میں حسرت اتر آئی۔ "میں تمہارے ساتھ چل سکتا تھا

نور آن! میں تمہارا مذہب بھی اپنا سکتا تھا بغیر پرکھے سمجھے اگر تم۔۔۔'' وہ بولتے بولتے رک گیا۔

نور العین کے مسکراتے لب بھنچ گئے تھے اور آنکھوں سے ناگواری جھلکنے لگی تھی

''یہ بات پہلے بھی ہمارے درمیان ہو چکی ہے ہنری! اور میرا خیال تم جانتے ہو کہ میں جو تم سے بات کرتی ہوں تو اس لیے کہ تم میرے بابا کے سگے بھائی کے بیٹے ہو۔ پتا نہیں کیوں تم غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہو۔'' اس کی آواز آہستہ تھی لیکن اس میں موجود تلخی اور ناراضگی کو ہنری نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔

''اور غلط فہمی کب تھی اسے وہ تو جانتا تھا لیکن پتا نہیں کیوں وہ اس کے سامنے بے خود ہو جاتا تھا سارے اختیار ہاتھوں سے چلے جاتے تھے۔''

''Sorry'' اس نے سر اٹھا کر کہنا چاہا لیکن وہ اٹھ کر کچن میں جا چکی تھی ابو صالح اور عبدالمنان کمپیوٹر پر جھکے کوئی ویب سائیٹ کھولنے کی کوشش میں تھے وہ یکدم کھڑا ہو گیا۔

''او کے عبدالمنان! ابو صالح! میں چلتا ہوں کافی نہیں پیو گے کیا۔۔۔؟''

عبدالمنان فوراً اس کی طرف پلٹا تھا اور ابو صالح نے بھی بے اختیار پوچھا تھا

''لیکن ہمیں تو طلحہ احمد کی طرف جانا تھا۔۔۔؟''

''ہاں پھر کسی روز سہی اس وقت مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔'' اس نے پوری کوشش سے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی۔

''اور خدیجہ سے میری طرف سے اس کافی کے لیے معذرت کر لینا۔'' وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔

''اب وہ نور العین کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا یہ لڑکی اس کے سامنے آ کر بہت کچھ اتھل پتھل کر دیتی تھی جب یہ میری نہیں ہو سکتی تو پھر کیوں آتی ہے میرے سامنے۔۔۔؟''

اس نے حسب عادت ہاتھ کا مکا بنا کر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارا اور گاڑی کا دروازہ کھولا تب ہی اسے موبائل کی بیل سنائی دی گاڑی پارکنگ سے نکالتے نکالتے کئی بار بیل ہوئی تو اس نے موبائل پاکٹ سے نکالا تو کرسٹین کا نمبر سکرین پر چمک رہا تھا۔

''ہیلو کرسٹی کیسی ہو تم۔۔۔!''

اتنے دنوں بعد اچانک کرسٹی کی آواز سن کر اسے خوشی ہوئی۔

''کیسے ہو ڈیر!'' کرسٹین نے چہکتی آواز میں پوچھا۔

''سبز آنکھوں اور بادامی زلفوں والی کرسٹین۔'' ہنری نے سوچا۔

''اچھا ہوں۔''

''میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں کتنا اچھا ہوتا اگر تم میرے ساتھ آتے لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم اپنی بی لوڈ۔۔۔''

''اس کی شادی ہو رہی ہے کرسٹی! اور وہ میری بی لوڈ نہیں ہے۔'' اسے اپنی آواز بھرائی ہوئی سی لگی۔

''اوہ! واقعی کرسٹین کی آواز میں چہکار تھی تم جانتے ہو ہنری!

I am fell in love with you

''اور میں آئی لو یو ٹو کرسٹی۔۔۔'' وہ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس نے خود کو حیرت سے کہتے سنا۔ اس نے کرسٹی سے محبت نہیں کی تھی وہ کرسٹی سے محبت نہیں کرتا تھا بالکل بھی نہیں اپنے تمام تر حسن کے باوجود وہ اسے متاثر نہیں کر سکی تھی پھر بھی اس نے اس سے آئی لو یو کہا تھا کیا نور آن کی ضد میں، لیکن نور آن یہاں کہاں تھی۔

''اوہ! کیا کہا تم نے ہنری! ذرا پھر سے کہنا۔'' کرسٹی کی آواز میں نشہ سا اترنے لگا تھا۔

''کرسٹی میں ڈرائیو کر رہا ہوں پھر بات کریں گے۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسی۔

''تم کسی مشرقی لڑکی کی طرح شرمیلے ہو ہنری! پتا ہے میں یہاں آ کر بہت خوش ہوئی ہوں ہم نے اپنا کام سٹارٹ کر دیا ہے لیکن مشن مجھے اور میرے ایک ساتھی کو پاکستان بھیج رہا ہے اچانک ہی ہائی کمان سے آرڈر آیا ہے وہاں مجھے ایک این جی او کو چلانا ہے یہ این جی او پاکستان میں دیہاتی خواتین کی فلاح و بہبود پر کام کر رہی ہے، میں نے یہی بتانے کے لیے تمہیں فون کیا تھا اور ہنری کیا مجھے اپنے ڈیڈ کا اڈریس دو گے میں ان سے مل کر انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گی تا کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ اپنے مذہب کی طرف پلٹ آئیں۔''

''انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے۔ کرسٹی!'' غیر ارادی طور پر اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا وہ۔۔۔ انہوں نے اسلام کو خیر آباد کہہ دیا ہے یہ اتنی بڑی خوش خبری تم اب سنا رہے ہو میرا کارڈ ختم ہونیوالا ہے ہنری! میں پھر رنگ کروں گی تمہیں اور سنو! مشن کی اب بھی خواہش ہے کہ تم ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ او کے۔'' فون آف ہو گیا تھا۔

وہ کچھ دیر یوں ہی موبائل کی سکرین پر نظریں جمائے رہا تھا پھر اس نے فون ساتھ والی سیٹ پر رکھ دیا۔

''کرسٹی میں کیا نہیں ہے جو نور رالعین میں ہے کیوں نہ میں اسکی بات مان لوں اور اس کے ساتھ شادی کر کے ایک بہترین اور پرسکون زندگی گزارنے لگوں وہ خوبصورت ہے ایجوکیٹڈ ہے اور پھر مجھ سے محبت بھی کرنے لگی ہے۔'' وہ غیر ارادی طور پر کرسٹی کے متعلق سوچنے لگا تھا اور پھر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور میں خواہ مخواہ سفر کر رہا ہوں اور اس کھوج میں مجھے حاصل کچھ نہیں ہونا اس کی نگاہیں سڑک پر تھیں لیکن وہ شاید دیکھ نہیں رہا تھا۔

''میں کرسٹی سے شادی کروں اور ایک خوبصورت زندگی گزاروں میرے بچے ہوں پیارے پیارے ایک مکمل گھر اور میرے بچوں کو میری طرح سفر نہ کرنا پڑے گا کہ دونوں ہی میں اور کرسٹی ایک ہی مذہب کے پیروکار ہوں گے اور جب میں کرسٹی کو یہ بات بتاؤں گا کہ میں نے اس سے شادی کا فیصلہ کرلیا ہے تو وہ خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔''

اس نے تصور میں کرسٹی کو بلانا چاہا اور غیر ارادی طور پر ایکسیلٹر پر اسکے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا اور پھر خوفناک دھماکہ ہوا اس کے ہاتھ سے اسٹیرنگ چھوٹ گیا اور اس نے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس منی ٹرک کو آتے نہیں دیکھا تھا پتا نہیں آسمان سے اترا تھا یا زمین نے اسے اگلا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا ونڈ سکرین کے شیشے اس کی پیشانی پر لگے تھے اور پیشانی سے خون بہہ رہا تھا غالباً اس نے دایاں ہاتھ اٹھا کر پونچھنا چاہا لیکن دایاں ہاتھ بھی نیچے گر گیا دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہاسپٹل کے کمرے میں تھا ایک خوبصورت سی نرس اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھی اور بالکل سامنے سٹول پر عبدالمنان بیٹھا تھا کچھ دیر تو وہ سمجھ ہی نہ سکا لیکن پھر اسے یاد آ گیا وہ سامنے آنے والے منی ٹرک کو نہ دیکھ سکا تھا پتا نہیں اس کا دھیان کہاں تھا اور پھر اس کی رفتار بھی زیادہ تھی غلطی سراسر اس کی تھی وہ کرسٹی کے تصور میں کھویا اس کی بادامی زلفوں کو اپنے کندھے پر لہراتا محسوس کر رہا تھا کہ اس نے بازو اٹھانے کی کوشش کی تو اس کے لبوں سے کراہ نکل گئی نرس نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

''مارننگ مسٹر ہنری!''

''مارننگ۔''

اس نے حیرت سے سوچا ''تو کیا وہ ساری رات بے ہوش رہا ہے؟''

''بی پی نارمل ہے اب۔ ڈاکٹر صاحب ابھی راؤنڈ پر آتے ہیں اس سے

پہلے کوئی دوسرا شخص اندر نہیں آئے گا۔'' نرس عبدالمنان کو بتا کر باہر چلی گئی۔

''مانان! تمہیں کیسے پتا چلا؟'' ہنری نے عبدالمنان کی طرف دیکھا جو اٹھ کر اس کے بیڈ کے پاس آ گیا تھا اور اسکے بازو کو پیار سے تھپتھپا رہا تھا۔

''یہ محض اتفاق تھا فرینک اس وقت یہاں سے گزر رہا تھا اس نے ہی ہمیں فون کیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ کچھ بڑا مسئلہ نہیں بنا بازو کی ہڈی کا معمولی سا فیکچر ہوا ہے ہاں بلڈ کچھ ضائع ہو گیا ہے اور جسم پر بھی چوٹیں آئیں ہیں گوشت پھٹ گیا ہے لیکن ہنری اللہ کا شکر ہے کہ ہڈیاں وغیرہ سب ٹھیک ہیں حالانکہ تمہاری گاڑی کا جو حشر ہوا ہے اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ تم زندہ سلامت ہو گے۔''

''تھینک یو مانان! کیا تم رات سے یہاں ہی ہو؟'' ہنری نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''ہاں۔''

''کل رات ابو صالح تھا تمہارے پاس اس سے پہلے دو دن تو ہم دونوں ہی باری باری ڈیوٹی دیتے رہے ہیں میں گارڈن میں سوتا تھا اور وہ ادھر تمہارے پاس ہوتا تھا۔''

''اوہ تو کیا میں چار راتوں سے یہاں ہوں؟'' ہنری کو حیرت ہوئی۔

''لیکن تم کہہ رہے ہو کہ زیادہ سیریس نہیں ہوں میں بے ہوش تھا۔''

''نہیں تمہیں ہوش تو جلد آ گیا تھا لیکن تمہاری تکلیف کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلسل سکون آور ادویات دی جا رہی تھیں جب ذرا دیر کو بھی تم جاگتے تو درد کی شدت سے بہت چیختے تھے۔'' عبدالمنان نے اسے تفصیل بتائی۔

''اس وقت کیا تم درد محسوس کر رہے ہو؟''

''ہاں لیکن کم، زیادہ نہیں۔'' ہنری متشکر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ابو صالح اور نور العین نے تمہیں خون دیا ہے میں نے بتایا نا تمہارا خون

بہت ضائع ہو گیا تھا ان دونوں کا گروپ تم سے مل گیا تھا ورنہ میں نے خدیجہ احمد عالیہ سب نے ہی بلڈ چیک کروایا تھا۔"

"نور آن نے مجھے خون دیا تھا۔ نور آن نے۔۔۔" اسکے لبوں سے نکلا تھا۔

عبدالمنان نے سادگی سے کہا سب ہی روز آتے ہیں وزیٹرز آورز میں تمہیں دیکھنے عالیہ فاطمہ ڈورتھی ابو صالح احمد فرینک بوب بھی آیا تھا ایک روز۔"

ہنری نے عبدالمنان کی بات سنی تھی لیکن اس کا دل جیسے پانی ہو رہا تھا وہ صرف نور العین کے متعلق سوچ رہا تھا اور میں نور العین سے نفرت کرنا چاہتا تھا اور میں نے ہمیشہ اس کا دل دکھانے کی کوشش کی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اپنے کزن کے ساتھ لمیٹڈ ہے اسے ہر بار شادی کی پیشکش کی حتیٰ کہ اس روز بھی جب وہ شادی کے لیے اپنے وطن جانے والی تھی۔

"تف ہے تم پر ہنری رابرٹ! تم جیسا کمینہ شخص کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" وہ خود کو لعنت اور ملامت کر رہا تھا جب عبدالمنان ہولے سے بولا ایک اور صاحب بھی تم سے ملاقات کرنے کی غرض سے باہر چار دن سے تشریف فرما ہے۔

"کون؟" اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔

"پولیس۔۔۔ لیکن ڈاکٹر نے ابھی اسے بیان لینے کی اجازت نہیں دی ویسے ولسن نے فون کر کے تمہارے وکیل کو بھی بلالیا ہے اور کل شام تمہارے وکیل massage دے گئے تھے کہ تم ان سے ملاقات کرنے سے پہلے کوئی بیان نہیں دو گے۔"

"ویسے غلطی شاید میری تھی۔" ہنری نے آہستگی سے کہا۔

"میں بہت رفتار سے جا رہا تھا۔"

"ہاں ایک بات تمہارے حق میں جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ میڈیکل رپورٹ کے مطابق تمہارے معدے میں الکحل نہیں تھی یعنی تم نشے میں نہیں تھے اور ٹرک کا

ڈرائیور بھی غیر متوقع طور ہر بچ گیا ہے معمولی زخمی ہوا تھا ویسے تمہارا وکیل اس سے معاملہ سیٹ کرنے میں لگا ہوا ہے۔'' عبدالمنان واپس سٹول پر بیٹھ گیا تھا کیونکہ نرس اسے انجیکشن لگانے آ گئی تھی۔

''ولسن نے اطلاع پاتے ہی فوراً تمہارے لیے یہ پرائیویٹ روم لے لیا تھا ڈیوڈ بھی لانگ ایلین سے آ گیا ہے۔'' نرس کے جانے کے بعد عبدالمنان نے بتایا۔

''ہاں یہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' ہنری کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر نرس نے آ کر اسے ایک اور انجکشن بازو میں لگا دیا اور پھر یونہی سوچتے سوچتے وہ گہری نیند میں چلا گیا غالباً نرس نے نیند کا انجکشن لگایا ہوگا۔

پھر اس کی آنکھ ہلکی ہلکی باتوں کی آواز سے کھلی تھی وہ اس کے روم میں موجود تھے ابوصالح، احمد، خدیجہ، عالیہ اور اس نے ابوصالح کے ساتھ بیٹھے شخص کو دیکھا جو اس کے لیے اجنبی تھا کشادہ پیشانی بڑی بڑی خوفناک آنکھوں میں عجب طلسم داڑھی کے سیاہ بالوں میں کہیں کہیں سفید بال ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ۔۔۔

''ہنری! یہ طلحہ احمد ہیں۔'' ابوصالح نے تعارف کروایا طلحہ احمد اس نے ذہن پر زور دیا اور پھر اپنا دایاں ہاتھ مصافحے کے لیے اٹھانے کی کوشش کی اور لبوں سے سسکی نکل گئی طلحہ احمد نے اسے روکا اور اٹھ کر اس کے بیڈ کے قریب آ کر اسکا بایاں ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر گرم جوشی سے دبایا۔

''کیسے ہیں ینگ مین؟''

وہ مسکرایا طلحہ احمد اسے اچھے لگے تھے دیکھنے میں چالیس پینتالیس سال کے لگ رہے تھے لیکن ان کی شخصیت میں بلا کی جاذبیت تھی اس نے اٹھنا چاہا لیکن انہوں نے اسکے سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے سے روکا۔

''لیٹے رہو۔ انشاء اللہ اب آپ سے ملاقات بھی ہوتی رہے گی اور باتیں بھی۔''

''ابو صالح نے ہنری کی طرف دیکھا میں نے طلحہ احمد کو تمہارے متعلق بتایا تھا ہنری!''

''مجھے ایک ضروری کام جانا ہے ورنہ ضرور کچھ دیر اور آپ کے پاس بیٹھتا آپ سوچئے گا کہ اتنے شدید حادثے کے بعد جو اللہ نے آپ کو زندگی دی ہے تو یقیناً اسے آپ کو کوئی اعزاز دینا ہے۔''

وہ حیرت سے ان کی بات سن رہا تھا وہ خدا حافظ کہہ کر چلے گئے لیکن حیران سا سوچ رہا تھا بھلا مجھے اللہ نے کیا اعزاز دینا ہے اور پھر اس نے ابو صالح کی طرف دیکھا۔

''ابو صالح میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے مجھے اپنا بلڈ دیا۔''

''نو شکریہ۔''ابو صالح نے جو اس کے بیڈ کے بالکل قریب بیٹھا تھا اس کا بازو تھپتھپایا۔

''ہم دوست ہیں۔''

''دوست۔۔۔؟''اس نے باری باری سب کے چہرے دیکھے یہ سب جو اس کے قریب بیٹھے تھے جنہوں نے راتوں کو ہاسپٹل میں جاگ کر ڈیوٹیاں دی تھیں ان میں نہ فرینک تھا نہ بوب۔۔۔؟

یہ ایک خود غرض معاشرہ ہے ایک بار نہ جانے ڈیڈ نے کس بات پر کہا تھا۔

''یہاں لوگ اپنے لیے جیتے ہیں انہیں دوسروں کی پرواہ نہیں ہوتی اس لئے ہر شخص تنہا ہے۔''تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر نور العین اندر داخل ہوئی اسکے ہاتھ میں بکے تھا۔

''کیسے ہو ہنری!''

''فائین۔''

وہ عالیہ اور فاطمہ کے پاس بیٹھ گئی اور یہ لڑکی اس کی بدتمیزیوں تک کو نظرو

انداز کر کے نہ صرف اس کی مزاج پرسی کرنے آئی تھی بلکہ اسے بلڈ بھی دیا تھا وہ دل ہی دل میں نادم ہوا کیا صرف اس لیے کہ وہ کے باپ کے سگے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے اسے ایک بار بھی اسے اس رشتے کے حوالے سے نہیں دیکھا تھا شاید اس نے دل سے اس رشتے کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا وہ اس کے لیے صرف ایک لڑکی نور آن تھی جسے اس نے پسند کیا تھا۔

''تھینک یو نور العین!'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''احتیاط سے۔'' احمد نے ٹوکا۔

''کہیں ڈرپ کی سوئی نہ نکل جائے۔''

نور العین نے اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو'' اس میں بھلا شکریے کی کیا بات ہے۔ تم میرے کزن ہو میرا فرض بنتا تھا۔''

''تم سب لوگ بہت اچھے ہو۔'' اس نے سب کی طرف دیکھا۔

''نو فارمیلٹی فرینڈ!'' احمد نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

''یہ نور العین کل جا رہی ہے پاکستان!'' خدیجہ نے بتایا۔

''نہیں کل تو میں بھائی کے پاس جا رہی ہوں اور پھر وہاں سے ہی پاکستان چلی جاؤں گی اگر تمہاری شادی کچھ تاخیر سے ہوتی تو میں کم از کم تمہاری شادی میں ضرور شریک ہوتی۔'' فاطمہ نے خوشدلی سے کہا۔

''مجھے پاکستانی شادی کے رسم رواج دیکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''اگلے سال تک میری پھپھو کی نواسی اور نواسے کی شادی ہوگی میں تمہیں انوائیٹ کروں گی۔''

''میں ضرور آؤں گی۔'' فاطمہ نے خوشی سے کہا۔

تب ہی ولسن نے اندر آ کر کہا'' کوپ بیان لینا چاہتا ہے اور وکیل صاحب بھی آ گئے ہیں ڈاکٹر نے بھی اجازت دے دی۔''

فاطمہ عالیہ اور احمد بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ہم چلتے ہیں اب کل آئیں گے ہنری نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا۔

''ابو صالح! تم رات میں رکو گے یا پھر میں رک جاؤں۔'' احمد نے پوچھا۔

''نہیں! نہیں! آپ دونوں چلے جائیں ولسن ہے نا ابو صالح! میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔'' ہنری نے جواباً کہا۔

''ہر گز نہیں۔'' ابو صالح مسکرایا۔

''اور ولسن پہلے بھی تھا لیکن میں نے اسے گھر بھیج دیا تھا کم از کم آج رات میں مزید رکوں گا اور کل ولسن کو روک لینا بلکہ میرا خیال ہے کل تک وہ تمہیں فارغ کر دیں گے۔''

ہنری اس خلوص کے سامنے بے بس ہو گیا تھا نور العین بھی کھڑی ہو گئی۔

''میں بھی چلتی ہوں میری کافی پیکنگ ابھی رہتی ہے۔''

''وش یو گڈ لک نور آن!'' ہنری نے پورے خلوص سے اسے وش کہا۔

''تھینک یو ہنری! اپنا خیال رکھنا۔''

ہنری نے کچھ نہیں کہا ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا ابو صالح بھی احمد وغیرہ کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔

''کچھ کہنا چاہتے ہو، نور العین جاتے جاتے رک گئی تھی ڈیڈ کو مت بتانا نور آن! اس حادثے کا وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں پریشان ہو جائیں گے او کے۔''

''اور نور آن! I am sory وہ جو کچھ میں نے تم سے کہا تھا سب کے لیے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''تب ہی کوپ اور وکیل اندر داخل ہوئے اور وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر کمرے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

یہ 1971 تھا سدید بابو نے مولوی عبدالحق کو لکھا تھا ''عبدالحق بھائی! وہاں کے لوگوں سے کہو پاکستان توڑنے کی بات نہ کریں مجیب کی بات مان لیں۔''

اور مولوی عبدالحق سدید بابو کا خط جیب میں ڈالے پریشان سے اخبارات کے دفتروں کے چکر لگاتے پھر رہے تھے لیکن کوئی بھی ان کی بات نہیں سن رہا اور نہ کوئی چھاپنے کو تیار تھا۔

''مشرقی پاکستان کے حالات بگڑ رہے ہیں ڈاکٹر مالک بھی ناکام گورنر ثابت ہوا۔''

ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے ریڈیو بنگلہ دیش کے نام سے پروگرام نشر ہو رہا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ یہ ریڈیو اسٹیشن ایک ٹرک پر قائم کیا گیا ہے عوامی لیگ اپنے چھ نکات منوانے کی کوشش میں سڑکوں پر نکل آئی تھی ایسے میں وقارالنساء کی آمد نے سب کو ہی حیران کر دیا تھا۔

وہ اپنے چھوٹے بیٹے تیرہ سالہ عبدالواحد کے ساتھ آئی پچھلے سال ہاجرہ کی بیماری پر وہ باوجود کوشش کے نہ آسکی تھی پہلے زبیر مرزا بیمار ہوئے ان کا ایک آپریشن ہوا وہ ذرا بہتر ہوئے تو مدبرالدولہ اور بڑے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہاجرہ کی طبیعت بھی سنبھل گئی تھی اس کا آنا تاخیر کا شکار ہوتا گیا اب آئی تو مولوی عبدالحق اور ہاجرہ خوش ہو گئے تھے نجم النساء بھی کچھ دنوں کے لیے بچوں کے ساتھ آگئی تھی مولوی عبدالحق بہت دیر تک ان سے وہاں کے حالات پوچھتے رہے۔

''وہاں سانتاہار میں سب ٹھیک ہی لگتا ہے البتہ بھائی صاحب اور سدید بابو بہت پریشان دکھتے ہیں۔''

''زبیر اور بچوں کو کیوں نہیں لائی ہاجرہ کو تشویش ہوئی دونوں بچے اپنی پڑھائی کی وجہ سے نہیں آسکے اور زبیر اپنے کام کی وجہ سے۔''

''اچھا خیر اب آئی ہو تو کچھ دیر ٹھہرنا عبدالوحید کی منگنی کر کے ہی جانا۔'' ہاجرہ نے کہا تھا۔

''لڑکی دیکھ رکھی ہے کیا؟''

''اب تم آ گئی ہو تو دونوں بہنیں مل کر تلاش کرنا ہاں آپا عظیم کے جاننے والوں میں ایک دو فیملیز کے ہاں لڑکیاں ہیں کسی روز چلیں گے۔''

دن گزرنے کا تو پتا ہی نہیں چلا تھا وقار النساء کو آئے پندرہ دن گزر گئے تھے جب ایک دوپہر نجم النساء گھبرائی ہوئی سی آئی۔

''آپا! عظیم کہہ رہے تھے عوامی لیگ نے یکم مارچ کو ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کر دیا تھا اور وہاں سے کچھ اچھی خبریں نہیں آ رہی ہیں ان کے ایک ڈاکٹر نے فون کیا تھا وہ لوگ اردو بولنے والوں پر حملہ کر رہے ہیں اور وقار النساء کا دل ڈوب سا گیا تھا اور پھر وہ سارا دن رابطہ کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن رابطہ نہیں ہو رہا تھا پھر پتا چلا چھم چھم پور، میمن سنگھ، کومیلا جیسور، پاربتی پور، ہر جگہ اردو دانوں کی بستیاں جلا دی گئیں وقار النساء تو چپ ہو گئی تھی ایک دم خاموش ساکت۔۔۔ عبدالعزیز' عبدالرحمٰن' وحید' مولوی عبدالحق سب ہی اپنی سی کوشش کر رہے تھے کہ کچھ پتا چلے سدید بابو سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا نجم النساء جب وقار النساء کو دیکھتیں تو دل کٹنے لگتا رو رو کر سب کی زندگیوں کے لیے دعا مانگتی رہیں۔

''آپا! تم بھی دعا کرو اللہ ضرور ہماری دعا سنے گا۔'' لیکن صورت حال روز بروز بگڑتی جا رہی تھی کسی کے متعلق خبر نہیں مل رہی تھی پھر سننے میں آیا کہ بھاشانی نے 23 مارچ پلٹن میدان میں پاکستان ڈے پر پاکستانی قومی پرچم کے بجائے بنگلہ دیش کا پرچم لہرا دیا۔

23 اور 24 کی درمیانی شب کو فوج نے ایکشن لے لیا لیکن اس سے صرف ایک دن پہلے کریسنٹ جوٹ مل میں اڑھائی سو اردو بولنے والے مزدوروں کو مل کے

اندر ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ سانتا ہار کا پورا شہر موت کی نیند سلا دیا گیا صرف دو ہی بنگالی خاندان وہاں اب تک آباد تھے جنہیں چھوڑ دیا گیا تھا ایسی پچاسوں بستیاں لاشوں سے اٹ گئی تھیں گھر میں کہرام مچا تھا مولوی عبدالحق کبھی بیوی کو دلاسہ دیتے۔ کبھی وقار النساء کو سینے سے لگاتے۔ وہاں سدید بابو ہیں وہ تو ہمارے اپنے ہیں تم پریشان نہ ہوانہوں نے ضرور بچالیا ہوگا۔

''کہہ دیا ہوگا مکتی باہنی والوں سے یہ ہمارے اپنے ہیں انہیں کچھ نہ کہو اور پھر نواب صاحب کا خاندان۔ وہاں تو سب ہی ان کا احترام کرتے تھے کیا کیا قربانیاں نہیں دی تھیں انہوں نے پاکستان کے لیے۔''

وقار النساء سے زیادہ خود کو تسلی دے رہے تھے پھر عبدالعزیز نے فون کر کے ایکشن کے ہفتہ بھر بعد کوشش کر کے ڈھاکہ کے لیے پی آئی اے میں دو سیٹیں لے لی تھیں اور مولوی عبدالحق بڑی امید کے ساتھ سب کو تسلی دے کر ڈھاکہ روانہ ہوئے تھے اور پھر وہاں سے عبدالعزیز کے ایک کرنل دوست کے ساتھ سانتا ہار پہنچے تو سدید بابو اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے مل گئے بکھرے بالوں اور پریشان حلیے کے ساتھ۔

''مولوی صاحب!'' سدید بابو ان کے گلے لگ کر رونے لگے۔

''سب ختم ہو گئے سب۔۔۔ مجھے معاف کر دینا میں کچھ بھی نہیں کر سکا کچھ بھی نہیں، میں تو اس روز سلہٹ گیا ہوا تھا جلال بابو کی خانقاہ پر منت چڑھانے عبدالرب بھی میرے ساتھ تھا۔''

''سب ختم ہو چکا تھا کوئی بھی نہیں کوئی بھی نہیں بچا۔'' مولوی عبدالحق کی آواز جیسے گلے میں پھنس گئی تھی۔

میں نے خود سب کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا بڑے نواب دبیر مرزا کو، مدبر الدولہ کو اور دونوں بچوں کو۔'' وہ دھاڑیں مار مار رونے لگے تھے۔

مولوی عبدالحق واپس آ گئے خالی ہاتھ نامراد۔

اور وقار النساء کو تسلی دیتے دیتے نجم النساء غیر ارادی طور پر محمد سعید کے متعلق سوچنے لگتی۔

''اگر جو وہ زندہ ہوا اور بھولے بھٹکے کبھی اس طرف نکل آیا تو۔۔۔'' اور پھر سر جھٹک کر وقار النساء کے آنسو پوچھنے لگی لیکن یہ غم ایسا نہیں تھا کہ ختم ہو جاتا یہ گھاؤ بھرنے والا نہیں تھا دو جوان بیٹے شوہر جیٹھ۔

''صبر کرو بیٹی اللہ کی رضا تھی۔''

مولوی عبدالحق کے پاس جیسے لفظ ختم ہو جاتے تھے وہ اس کے پاس بیٹھتے تھے کہ اسے سمجھائیں گے لیکن لفظ ساتھ چھوڑ جاتے یہ گھاؤ جلد بھرنے والا نہ تھا ابھی اس سے خون رس رہا تھا کہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا اور مولوی عبدالحق کا دل پتا نہیں کیوں ہر لحہ ڈوبتا رہتا ہے اے کاش اے کاش بیٹھے بیٹھے وہ بے بسی سے ہاتھ ملنے لگتے اور سب کو اونچی آواز میں بلاتے عبدالعزیز! عبدالوحید! وقار النساء! ہاجرہ! سب مل کر دعا کرو ''ہمارا پاکستان قائم و دائم رہے دشمن کی سازش کامیاب نہ ہو۔''

لیکن ساری دعائیں ہتھیلیوں میں ہی پڑی رہ گئیں۔

سولہ دسمبر کو پاکستانی فوج نے سرینڈر کر دیا سرکاری عمارتوں پر بنگلہ دیش کا پرچم لہرانے لگا اور پاک سرزمین کی بجائے ریڈیو پر ''امار شونا بانگلہ آمی تو مائے بھالو باشی'' کی دھن بجنے لگی۔

اس روز مولوی عبدالحق دھاڑیں مار مار کر روئے اسطرح تو وہ وقار النساء کے اجڑنے پر نہیں روئے تھے اور ہاجرہ ہاتھ جوڑے ان کے سامنے کھڑی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو اور نجم النساء اپنے چھوٹے بیٹے کا ہاتھ تھامے حیران سی کھڑی سوچ رہی تھی۔

''ابا اس طرح تو اس روز بھی نہیں روئے تھے جب چچا اور اس کے خاندان

کی شہادت کی خبر ملی تھی جب انہوں نے اماں کو محمد سعید کا فاتحہ دلوانے کو کہا تھا۔''

اور اس کے سامنے سانتاہار کے گھر گزارے ہر دن کا منظر آرہا تھا جب سعید گیا تھا جب چچا کا خط آیا تھا جب ان کی شہادت کا پتا چلا جب عبداللہ اس کے پاس بیٹھ کر سعید کو یاد کرتا تھا اور مولوی عبدالحق اسی بے قراری سے رو رہے تھے تڑپ رہے تھے۔

☆......☆......☆

''اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے اور توحید کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو شرک سے پاک ماننا، جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو نہ مانیں۔'' طلحہ احمد بول رہے تھے اور ہنری ایک کونے میں بیٹھا خاموشی سے سن رہا تھا وہ پچھلے کئی دن سے ان کے پاس آرہا تھا انہیں سن رہا تھا بہت کچھ واضح ہو گیا تھا لیکن ابھی جیسے بہت کچھ دھند میں چھپا تھا۔

''پس جب معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حیات عارضی نہیں ہماری زندگی فانی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ باقی ہے تو شرک ختم ہو گیا۔''

آج طلحہ احمد کو توحید اور شرک میں فرق بتا رہے تھے انہیں بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا لفظ، لفظ جیسے دل میں بیٹھا چلا جاتا تھا گرہیں کھلتی جاتی تھیں۔

سورۃ الصٰفٰت میں ہے۔

''قطار در قطار صف باندھنے والوں کی قسم، پھر ان کی قسم جو ڈانٹنے پھٹکارنے والے ہیں، پھر ان کی قسم جو کلام نصیحت سنانے والے ہیں۔ تمہارا معبودِ حقیقی بس ایک ہی ہے وہ جو زمین آسمانوں اور ان تمام چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔'' طلحہ احمد کہہ رہے تھے۔

وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوا تو ابو صالح کے ساتھ طلحہ احمد کے پاس آیا طلحہ احمد نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

"سر! اللہ تعالیٰ مجھے کیا اعزاز دینا چاہتا ہے اس نے اس روز ان کی کہی بات دہرائی تھی۔" طلحہ احمد مسکرائے تھے۔

"اللہ تمہیں دین اسلام کے اعزاز سے نوازنا چاہتا ہے۔" اور وہ ان کے لہجے کے یقین پر حیران رہ گیا تھا۔

"ابوصالح نے بھی ایسی ہی بات کی تھی کیا اس کے چہرے پر لکھا ہے لیکن وہ اب ایسے ہی دین اسلام کو قبول نہیں کرے گا اچھی طرح پرکھے گا سمجھے گا جانے تب۔۔۔؟"

"مخلوق خالق کی محتاج ہے خالق کے وجود کے بغیر مخلوق کا وجود نہیں ہوسکتا۔" طلحہ احمد نرم لہجے میں بول رہے تھے۔

پتہ نہیں کیوں آج اس کا ارتکاز بار بار ٹوٹ جاتا تھا پاکٹ میں رکھے موبائل کی تھرتھراہٹ سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی کا میسج آ رہا ہے شاید کرسٹی کا جب وہ ہاسپٹل سے فارغ ہو کر گھر آیا تھا تو اس نے دیکھا اس کے موبائل پر کرسٹی کی کتنی ہی Missed Calls اور Message آئے ہوئے تھے لیکن اس نے نہ اسے کوئی Massage دیا تھا اور نہ ہی کوئی کال کی تھی اور دو تین دن کی خاموشی کے بعد اب وہ پھر دن میں کئی بار اسے بیل دیتی اور Message کر رہی تھی اس نے اپنا دھیان کرسٹی کی طرف سے ہٹا کر طلحہ احمد کی طرف کر دیا وہ کہہ رہے تھے۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کے سامنے تعلیم رسالت پیش کی تو ان سے کہا۔

"اور اچھا کرتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو اور مردے کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے حکم سے۔" سورۃ آل عمران

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"باذن اللہ یعنی اللہ کے اذن سے۔۔۔ جہاں اذن الٰہی آجائے وہاں

شرک چلا جاتا ہے یہی اذن الٰہی ہونا اور نہ ہونا توحید اور شرک کا بنیادی نکتہ ہے۔" طلحہ احمد نے اپنی بات ختم کر کے سب کیطرف دیکھا کسی کو کوئی سوال کرنا ہے لوگ اٹھ اٹھ کر سوال کرنے لگے وہ بڑے تحمل سے ہر ایک کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے اور ہنری دیکھ رہا تھا کہ ان کے جواب سے سوال کرنے والے کی تشفی ہو جاتی تھی وہ بے حد مطمئن سا نظر آنے لگتا تھا طلحہ احمد سب کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے کہ کسی شخص نے باہر سے آ کر ان سے کچھ کہا تو وہ معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے آپ لوگ بیٹھیں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں وہ اس شخص کے ساتھ سنٹر کے اس ہال نما کمرے سے باہر نکل آئے جہاں اس وقت تقریباً پچیس اشخاص موجود تھے جن میں سے زیادہ نومسلم تھے ہنری نے اپنے قریب بیٹھے افریقی سے یونہی پوچھا۔

"تم مسلمان کیوں ہوئے؟" وہ مسکرایا۔

"اس لیے کہ اسلام ایک انقلابی نظام ہے جامد تحریک نہیں اس کا مقصد اچھائی کو نافذ کرنا اور برائی کو روکنا ہے پھر اس میں مساوات ہے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں سب برابر ہیں لیکن یہ سب تو مجھے بعد میں پتا چلا تھا میں پہلے مسلمانوں کی انسان دوستی سے متاثر ہوا تھا میں روانڈہ کا رہنے والا ہوں۔ روانڈہ ایک افریقی ملک ہے 1990 میں وہاں ہوتو اور ٹوسی قبائل میں لڑائی ہو گئی ایک اندازے کے مطابق آٹھ لاکھ انسان مارے گئے وہاں تین لاکھ یا اس سے بھی کم مسلمان تھے باقی کیتھولک عیسائی تھے کیا تم یقین کرو گے مسٹر کہ جب لوگ بھاگ کر چرچ میں پناہ لینے جاتے تو وہاں بھی فادر مارنے والوں کو اکسا رہے تھے مجھے اور میرے باپ کو ایک مسلمان گھرانے نے پناہ دی تھی میری ماں اور بہن ماری گئی تھیں میری بہن نے نیو جرسی یونیورسٹی سے فزکس کی ڈگری لی تھی اس کی شادی ہونے والی تھی میرا تعلق ہوتو سے تھا میں اس مسلمان گھرانے سے متاثر ہوا اس گھرانے میں ٹوسی قبائل کی عورتوں نے بھی پناہ لے رکھی تھی۔" اس کی آواز بھر آئی۔

''میں کچھ دن اس خاندان کے ساتھ رہا اور میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا میں نہیں جانتا تھا کہ میں کیوں ایسا کر رہا ہوں لیکن میں نے کہا اسلام کی حقیقت کوتو میں نے بعد میں ہی جانا اور جوں جوں جانتا گیا میرا یقین پختہ ہوتا گیا۔''

''کیا تم نے بھی اسلام قبول کرلیا ہے؟''بات مکمل کر کے اس نے پوچھا۔

''میں نے۔۔۔''ہنری چونکا۔

''نہیں! میں مسلمان نہیں ہونا چاہتا پتا نہیں کیوں؟''اس کے لبوں سے نکلا اور اپنی بات پر خود اسے حیرت ہوئی۔

''غلط۔۔۔''وہ افریقی مسکرایا۔

''تم اس راستے پر قدم رکھ چکے ہو ورنہ یہاں نظر نہ آتے اور تم بہت جلد اسلام قبول کرلو گے۔''اس کے لہجے میں بھی وہی یقین تھا جو طلحہ احمد اور ابو صالح کے لہجے میں تھا۔

وہ جھنجلا گیا آخران کو اتنا یقین کیوں ہے ابھی میں جاننے کی منزل سے گزر رہا ہوں تب ہی طلحہ احمد واپس آ گئے لوگ پھر سوال کرنے لگے تھے۔

''کیا ہے' کیا ہے آخر ایسا اس مذہب میں کہ جو بندے کو اتنا یقین دلاتا ہے کہ اس راستے پر چلنے والا اس کی کھوج کرنے والا آخر اس کے سامنے سر جھکا دے گا اگر ابو صالح یا عبدالمنان میرے راستے پر قدم رکھیں میرے مذہب کو کھوجنے کی سعی کریں تو میں شاید۔۔۔شاید اس یقین سے نہیں کہہ سکوں گا۔ میرے اندر یہ یقین کیوں نہیں ہے۔''

اس نے خود سے پوچھا پھر اندر سوال وجواب کا ایک سلسلہ چل نکلا وہ اردگرد سے بے خبر ہو گیا اور ایسا پچھلے کئی دن سے ہو رہا تھا وہ بیٹھے بیٹھے بے خبر ہو جاتا اور اندر سوال وجواب کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا سوالوں کے بھنور اٹھتے بنتے رہتے اسلام کیا ہے؟ اس نے وہاں ہی بیٹھے بیٹھے سوچا تھا پھر جورجیوں کی کتاب کے چند

جملے دل کی زمین پر ابھرنے لگے۔ جورجیو نے لکھا تھا۔

''اسلام عربی زبان کے خوبصورت کلمات میں سے ایک ہے اس کا مطلب ہے مشیت الٰہی کے سامنے تسلیم ہو جانا یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا کی مرضی کے سامنے سر تسلیم کر دے۔''

اس نے جورجیو کی کتاب ایک بار نہیں کئی بار پڑھی تھی بظاہر یہ آپ ﷺ کے حالات زندگی تھے سادہ الفاظ میں، ان کی پوری سوانح عمری کو جورجیو نے قلمبند کیا تھا ڈیڈ کی لائبریری میں بھی اس نے سیرت النبی ﷺ پر کئی کتابیں دیکھی تھیں لیکن چند صفحے پڑھ کر چھوڑ دی تھیں پھر کیا تھا اس کتاب میں شاید اس کا لکھنے والا اس کا ہم مذہب تھا اور اسے وہ ایک مسلمان مصنف کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد لگا تھا کچھ بھی تھا اس نے اس کتاب کو اتنی بار پڑھا تھا کہ کبھی بھی جب تنہا بیٹھا ہوتا تو اسے لگتا جیسے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے محسوس کر رہا ہو۔

''حضرت آمنہؓ کے گھر بیٹے کی آمد۔۔۔ حضرت عبدالمطلب کی خوشی۔۔۔ بچے کا حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کرنا۔۔۔ آپ ﷺ کا جنگل میں بکریاں چرانا۔۔۔ وغیرہ

یہ منظر ایک کے بعد ایک آنکھوں کے سامنے آتے تھے وہ محسوس کرتا وہ برگزیدہ ہستی کوہ صفا سے لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دے رہی ہے۔۔۔ وہ غار حرا میں غور و فکر میں مصروف ہیں۔۔۔ قریش کے ظلم و ستم کا وار اور اس ہستی کا صبر اور استقامت۔۔۔ اور پھر لوگوں کا جوق در جوق اس دین میں شامل ہونا، حضرت بلالؓ کو تپتی ریت پر لٹا دینا۔۔۔ رسی سے باندھ دینا۔۔۔''

اور پھر دل پر دباؤ بڑھ جاتا جیسے کوئی دونوں ہاتھ دل پر دھرے اسے دبا رہا ہو دھکیل رہا ہو وہ اپنے آپ سے یوں بے خبر بیٹھا تھا کہ اسے خبر تک نہ ہوئی کب طلحہ احمد کی گفتگو ختم ہوئی کب لوگ چلے گئے وہ تو گھٹنوں پر سر رکھے اندر اٹھتے سوال و جواب

کے بھنور میں ڈوب اور ابھر رہا تھا جب طلحہ احمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' طلحہ احمد اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے مسکرا رہے تھے۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے چاروں طرف دیکھا ہال میں صرف وہ اور طلحہ احمد تنہا رہ گئے تھے۔

''اوہ۔۔۔ سب چلے گئے۔'' وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوا اور اٹھنے لگا لیکن طلحہ احمد نے اس کے کندھوں پر اپنے ہاتھوں سے دباؤ ڈالا۔

''بیٹھے کچھ دیر اور اتنے لوگوں کی موجودگی میں آپ سے خصوصی طور بات نہیں ہو سکی۔'' وہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔ طلحہ احمد بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گئے پورے ہال میں چٹائیاں بچھی تھیں اور سب زمین پر بیٹھے تھے۔

''بازو کیسا ہے پلاسٹر کب کھلنا ہے۔'' وہ نارمل سے انداز میں پوچھ رہے تھے

''کل ہاسپٹل جانا ہے چیک کروانے۔'' ہنری نے بتایا۔

''اور کیس کا کیا بنا؟''

''میرے وکیل نے ٹرک ڈرائیور سے معاملہ طے کر لیا تھا ہرجانہ دے دیا ہے۔'' ہنری بے حد سنجیدہ سا تھا اور اسے طلحہ احمد کی گفتگو پر حیرت ہوئی تھی وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے اس کی تعلیم، اس کی دلچسپیاں، اس کے شوق، کون سے رائیٹرز کو پڑھ رکھا ہے کون پسند ہے شیکسپیئر کے متعلق کیا خیال ہے کتنا پسند ہے وہ بے حد سنجیدہ ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

جب بالکل اچانک طلحہ احمد نے پوچھا'' کیا کبھی طلب کی کیفیت سے گزرے ہو ہنری رابرٹ؟''

''طلب کی کیفیت۔۔۔؟'' ہنری طلحہ احمد کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔

''ہاں طلب۔۔۔'' اسے تو بچپن سے لیکر اب تک سب بن طلب کئے ہی ملا

تھا کبھی اسے کچھ مانگنا نہیں پڑا کسی بات کے لیے ضد نہیں کرنا پڑی تھی۔

طلحہ احمد نے اس کی آنکھوں میں تیرتی الجھن محسوس کی اور دھیمے سے مسکرائے۔

''یعنی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے اور وہ تمہیں نہیں مل رہی اور تم اس کے لیے اپنے خدا سے دعا مانگتے ہو تڑپ تڑپ کر دعا مانگتے ہو کہ اللہ تمہیں وہ عنائت کر دے۔''

''نہیں۔'' ہنری نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اسکو سب ہی کچھ تو ملا تھا جو بھی چاہا ہاں نور آن۔۔۔لیکن نور آن کے لیے بھی وہ کبھی اس کیفیت سے نہیں گزرا وہ جانتا تھا وہ مسلم ہے وہ میریڈ ہے اس نے اسے طلب نہیں کیا تھا اپنے خداوند سے اس کی رفاقت کی دعا نہیں مانگی تھی۔''

''طلب کرنا انسان کی ضرورت ہے اور دینا اللہ کی صفت جب بندہ اس سے کچھ طلب کرتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرتا طلب میں عجز ہے انکساری ہے ''سورۃ فاتحہ'' ہماری الہامی کتاب میں قرآن مجید کی ایک صورت ہے۔'' طلحہ احمد نے وضاحت کی۔

''اللہ تعالیٰ سورہ فاتحہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ہم کو سیدھے راستے پر چلا ان کا راستہ جن پر تو نے اپنا احسان کیا نہ ان کا کہ جن پر تیرا غضب ہوا۔''

ہم اللہ سے صراط مستقیم کی طلب کرتے ہیں۔ انسان کو اپنے رب سے دنیا کی نعمتوں کے ساتھ وہ چیز بھی طلب کرنی چاہئے جو اسے آخرت میں کامیاب کرے تم جو ابھی تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچے ہو پریشان اور سرگرداں ہو سب جاننے کے باوجود ماننے کے باوجود الجھے ہوئے ہو تو اپنے رب سے رہنمائی طلب کیوں نہیں کرتے کہ

''اے جہاں کو پیدا کرنے والے! میری عمر کے جتنے دن رہ گئے ہیں تو مجھے ان میں وہ چیز عنایت کر دے جو مرنے کے بعد بھی مجھے عذاب سے بچائے۔'' طلب

کرو ہنری! مانگو عجز سے رو رو کر تڑپ کرو پھر دیکھو اللہ تمہیں کیا دیتا ہے بندہ نجات طلب کرے اور اللہ اسے رد کر دے یہ ناممکن ہے۔"

"اگر میں نے اللہ سے نور العین کو مانگا تو کیا وہ مجھے نور آن کو دے دے گا؟" اس نے بیوقوفی سے سوچا اور پھر خود ہی اپنی سوچ پر شرمندہ ہو گیا۔

طلحہ احمد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اب جہاں خاموش سمندروں کا سا سکون تھا۔

"ہاں ہنری! جیسے بھی جس طرح بھی ہو دن رات اس سے طلب کرتے رہو مانگتے رہو اللہ کو عجز بہت پسند ہے وہ طلب کرنے والے کو مانگنے والے کو بے حساب دیتا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"اور ہاں میں کچھ دن کے لیے لندن جا رہا ہوں انشاء اللہ دو تین دن کے بعد ملاقات ہوگی اس دوران ــــ" وہ اٹھے اور ایک سائیڈ ٹیبل پر رکھے ریک سے کچھ سی ڈیز اٹھا کر اسے دیں۔

"انہیں سننا اور غور کرنا۔" اس نے سی ڈیز لے لیں اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"او کے وش یو گڈ لک۔" وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے باہر تک آئے تھے وہ ان سے ہاتھ ملا کر پارکنگ کی طرف بڑھ گیا طلحہ احمد واپس مڑے تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی وہ اسی اسلامی سنٹر کے فرسٹ فلو پر رہائش پذیر تھے۔

ہنری نے گاڑی کا دروازہ کھولنے سے پہلے مڑ کر دیکھا طلحہ احمد نظر نہیں آئے تھے غالباً وہ اندر چلے گئے تھے۔

"مانگو، طلب کرو عجز سے مانگو دینے والا صرف وہی ہے۔" اس کے کانوں میں طلحہ احمد کی آواز گونج رہی تھی وہ طلب کی کیفیت سے نا آشنا تھا۔

"کیسے مانگے، کیسے طلب کرے یہ تو اس نے پوچھا ہی نہیں تھا طلب کرنے کے لیے بھلا کسی قرینے قاعدے کی کیا ضرورت ہے۔" دل نے سرگوشی کی۔

''بس اس پیدا کرنے والے کو پکارو اور مانگو طلب کرو اس سے جس نے کائنات کی ایک بھی شے کو بے مقصد نہیں پیدا کیا۔'' عجیب سی کیفیات میں گھرا گھر پہنچا تو کوریڈور میں رکھے فون کی بل ہو رہی تھی۔

''مس کرسٹین ہوں گی پہلے بھی کئی بار کر چکی ہیں۔'' ولسن کسی کونے سے برآمد ہوا تھا اس نے سر ہلا کر فون اٹھالیا۔

'' اوہ کہاں غائب ہو تم ہنری! میں فون کر کر کے تھک گئی کتنے ہی Text کیے تم نے جواب نہیں دیا اب ولسن نے تمہارے ایکسیڈنٹ کا بتایا اوہ گاڈ اب تم کیسے ہو۔۔۔؟''

''میں ٹھیک ہوں۔''

''اور مجھے اپ سٹ کر کے پھر تم نے فون ہی نہیں کیا۔ ہنری! آئی لو یو۔''

''اسی روز میرا حادثہ ہوا تھا۔'' ہنری اس گفتگو کو یاد کرنے لگا جو حادثے سے پہلے اس نے کرسٹین سے کی تھی۔

''میں پاکستان آ گئی ہوں ہنری! یہ تو بہت خوبصورت جگہ ہے میرے تصور سے بالکل مختلف یہاں جس دیہی علاقے میں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بہت خوبصورت ہے چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا یہاں کی عورتیں بہت سادہ ہیں اور خوش ہیں کہ ہم ان کی مدد کے لیے آئے ہیں ہم فوری طور ان کے لیے ایک انڈسٹریل ہوم بنا رہے ہیں جہاں انہیں مزدوری دی جائے گی ان کے بچوں کے لیے اس ہوم میں ایک ڈے سنٹر بھی بنا رہے ہیں یہاں کرنے کو بہت کام ہے مجھے لگتا ہے کہ مجھے یہاں بہت عرصہ لگ جائے گا میں لاہور بھی گئی تھی وہ کافی ترقی یافتہ ہے عورتیں جینز اور ٹی شرٹ پہن کر گھومتی ہیں۔''

وہ بتا رہی تھی اور ہنری بے دھیانی سے سن رہا تھا۔

''سنو! میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں تم آ جاؤ نا ہمیں جوائن کر لو میرے

لیے ہنری!"

"طلب کرو۔۔۔ مانگو۔۔۔" طلحہ احمد کہہ رہے تھے۔ اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے فون کے رسیور کو گھورا۔

"کرسٹی! سوری مجھے اس وقت کچھ کام ہے ہم پھر بات کریں گے۔"

"سٹوپڈ! اب میں فون نہیں کروں گی خود کرنا جب ضرورت محسوس ہو۔" کرسٹین کو پتہ نہیں کیوں غصہ آ گیا تھا اس نے حیرانی سے سوچا اور ریسیور کریڈل پر رکھ کر ولسن کو آواز دی وہ کسی جن کی طرح اس کے سامنے تھا۔

"میرے لئے ایک کپ کافی بناؤ اور میری گاڑی سے سی ڈیز لے آؤ پسنجر سیٹ پر ہوں گی۔" ولسن نے سر جھکایا اور وہیں کھڑا رہا۔

"کیا بات ہے؟"

ولسن نے اسے کھڑا دیکھ کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کا فون آیا تھا۔" اس کی آواز آہستہ تھی اور اس نے جھجکتے ہوئے بات مکمل کی تھی ہنری چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ڈیڈ کا فون۔۔۔؟"

پاکستان جانے کے بعد پہلی بار ان کا فون آیا تھا کیا نور آن نے انہیں میرے ایکسیڈنٹ کا بتا دیا؟"

"کیا کہہ رہے تھے وہ۔۔۔؟" سوالیہ نظروں سے ولسن کو دیکھنے لگا۔

"بس آپ کا پوچھا تھا کہ آپ ٹھیک تو ہیں۔۔۔؟"

"اور۔۔۔؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"میں نے بتا دیا کہ ٹھیک ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کچھ دنوں سے وہ خواب میں آپ کو اپ سیٹ اور بیمار دیکھ رہے تھے۔"

"اچھا جاؤ۔" ہنری لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

''یہ کیا رشتہ ہے؟ کیا تعلق ہے جو ٹوٹتا نہیں ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی ڈیڈ اس کی تکلیف کو محسوس کر رہے ہیں شاید دل کے تار جڑے ہوتے ہیں۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اور میں سمجھ رہا تھا ڈیڈ نے مجھے بھلا دیا۔'' اس کا یکا یک جی چاہا کہ وہ ڈیڈ کو فون کر کے ان کی آواز سنے ان کی خیریت پوچھے سی ایل آئی پر ان کا نمبر تو ضرور ہو گا پاکستان سے دو ہی فون آئے تھے کرسٹین کا اور ڈیڈ کا۔

''ڈیڈ پتا نہیں کیسے ہونگے شاید بہت خوش یا شاید کچھ اداس۔'' وہ غیرارادی طور پر ڈیڈ کے متعلق سوچنے لگا جن دنوں وہ گھر پر نہیں ہوتا وہ بہت اداس رہتے تھے۔

'' آجاؤ ڈیئر! وہ اسے فون کرتے، تمہارے بنا بہت اداس ہوں آجاؤ تو دونوں مل کر عیاشیاں کریں گے۔''

''اور ڈیڈ کی عیاشیاں۔۔۔'' اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

''اچھا سا کھانا ڈیوڈ کے ہاتھ کا اور دیر تک باتیں کرنا۔''

''اوہ ڈیڈ! یہ آپ کی عیاشیاں ہیں جن کا لالچ دے کر مجھے آپ نے بلایا تھا اور میں بے چارہ بھاگا چلا آیا آپ کو پتا ہے میں نے کتنی ڈانس پارٹیاں چھوڑیں اور کتنے اہم ڈنر مس کر دیے ہیں۔''

''اوہ' یہ تو بہت برا ہوا جان۔۔۔!'' ڈیڈ معصوم سا بن کر کہتے۔

''اب ایسا کرو واپس جا کر یہ سب اٹینڈ کر لو، مس باربی ڈانسنگ گرل نے تمہیں ڈنر پر انوائیٹ نہ کیا تو میں سفارش کر دوں گا تو وہ ڈاکٹر جان رابرٹ کی بات ٹالے گی نہیں۔'' اور پھر وہ دونوں ہاتھوں پر ہاتھ مار کر ہنستے وہ ڈیڈ کی رفاقت کو کتنا انجوائے کرتا تھا حالانکہ پچھلے تین چار سالوں سے وہ صرف سال میں زیادہ سے زیادہ ایک دو ماہ ان کیساتھ رہ پاتا تھا پھر بھی اب تو۔۔۔''

''اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔۔۔

سب خواب ہوئیں

وہ رفاقتیں

وہ محبتیں

وہ عنائتیں۔۔۔وہ عداوتیں"

وہ ہولے سے ہنسا۔

کبھی کبھی وہ ان سے گلہ کرتا تھا۔

"ڈیڈ! آپ نے میرے ساتھ بڑی دشمنی کی۔"

"کیسی دشمنی جان من!" ڈیڈ کی آنکھوں میں کتنی چمک تھی۔

"خود تو ساری زندگی اپنے اوپر دنیا کی ہر لذت حرام کیئے رکھی مجھے بھی محروم کر دیا۔"

"نہیں بھئی! وہ کیسے۔۔۔؟"

"وہ ایسے کہ میں کہیں بھی ایڈجسٹ نہیں کر پاتا ہوں۔۔۔کسی لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پر جاتے جاتے رہ جاتا ہوں کہ ڈیڈ تو کبھی نہیں گئے۔۔۔ڈرنک کرنے لگتا ہوں تو دو گھونٹ بھر کر رہ جاتا ہوں۔۔۔اوہ ڈیڈ آپ نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔"

"اوہ ویری سوری ہنری۔۔۔!" وہ اس سے معذرت کرتے، لیکن ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی۔

"میں تو حیران ہوں ڈیڈ! اس سب کے بغیر آپ نے اس معاشرے میں سروائیو کیسے کیا۔ سچ بتایئے اس سب کے پیچھے کیا تھا۔۔۔؟ کوئی المناک لو سٹوری۔۔۔؟"

وہ مسکراتے رہتے، وہ جانتے تھے کہ اسٹوری تو المناک تھی۔ بس وہ اس طرح کی لو سٹوری نہ تھی جس طرح کی وہ سوچتا تھا۔

"تم ایسا کرو کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر لو ہنری! مجھے گرینڈ پاپا بننے کا

بے حد شوق ہے۔

سنو ہنری! میں تمہارے بنا رہ نہیں پاؤں گا اس لیے دیکھ بھال کر شادی کرنا کہیں تمہاری مسز مجھے دھکے دے کر گھر سے باہر نہ نکال دے۔''

اور وہ اب اس کے بغیر رہ رہے تھے انہوں نے اس سے بات تک کرنے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی اور محض ولسن سے اس کی خیریت پوچھ لی تھی۔ دل ہی دل میں وہ بہت ہی کبیدہ خاطر ہوا لیکن وہ بھلا اس سے کیسے بات کرتے اس نے تو خود ہی ہاں خود ہی ان سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

''آہ ڈیڈ! آپ نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا میں نے نہیں۔'' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تو اس نے آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے سر ٹیک لیا۔

☆......☆......☆

''چھوٹی آپا آپ نہیں پوچھیں گی بیتے ہوئے ساٹھ برسوں کی کہانی۔۔۔ میں کہاں تھا۔۔۔؟ کیا کرتا تھا۔۔۔؟ کدھر تھا۔۔۔؟'' وہ کارپٹ پر نجم النساء کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے پوچھ رہے تھے۔

''اتنے دن ہو گئے مجھے آئے ہوئے آپ نے ایک بار بھی نہیں پوچھا۔ محمد سعید! تو اچانک کہاں چلا گیا تھا ہم سب کو چھوڑ کر؟''

''جو گزر گیا سو گزر گیا محمد سعید! اب کیا یاد کرنا اور دہرانا؟''

''چھوٹی آپا! میں بہت گناہگار ہوں میں نے آپ سب کو بہت تکلیف دی ابا اماں سب کو، بڑی آپا تو مجھے بہت یاد کرتی ہوں گی اور وہ عبدالرحمٰن نے بھی کبھی یاد کیا تھا کہ نہیں۔۔۔؟''

''کوئی بھی تجھے نہیں بھولا تھا محمد سعید! دل میں کبھی کبھی ہوکا اٹھتا تھا تو اماں کہتی تھیں کیا خبر وہ زندہ ہو پر ابا کو یقین تھا کہ تم نہیں رہے وہ کہتے تھے انہوں نے نماز حاجت پڑھ کر رو رو کر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ تمہیں مسلمان کی حیثیت سے اس

دنیا سے اٹھائے۔" اور اللہ نے ابا کی دعا سن لی تھی وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مرنے کے لیے آ گئے تھے۔

ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اور مولوی عبدالحق نہیں جانتے تھے کہ ان کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔

"آہ۔۔۔" انہوں نے دل میں ہلکے سے درد کو اٹھتے اور پھر پورے وجود میں پھیلتے محسوس کیا اور آنسو بڑی روانی سے رخساروں پر بہنے لگے۔

"بس کر۔۔۔ بس کر۔۔۔ محمد سعید!" نجم النساء نے بے قراری سے کہا۔

"اتنے دن ہو گئے ہیں تجھے روتے کرلاتے بس کر اب۔۔۔"

"چھوٹی آپا! میں نے اتنی دیر کر دی آنے میں ابا ہوتے تو میں ان کے پاؤں پکڑ لیتا ان کی منتیں کرتا کہ وہ میرے لیے دعا کریں میری بخشش کی اللہ نے ان کی ایک دعا سن لی تھی دوسری بھی سن لیتا ان کے آنسوؤں میں اور روانی آ گئی۔" انہوں نے اپنا سر نجم النساء کے گھٹنوں پر رکھ دیا وہ بے چینی سے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"ابا کو بڑی آپا کے اجڑنے کا، مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کا بڑا دکھ تھا محمد سعید! وہ دونوں دکھ نہ سہہ سکے تھے اور۔۔۔ اور۔۔۔ سقوط ڈھاکہ کے صرف تین سال بعد انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور اماں۔۔۔ اماں تو ان کے بعد سال بھر بھی نہ جی سکیں وہ تو سقوط ڈھاکہ کے بعد بالکل چپ کر گئی تھیں بہت کم بات کرتی تھیں میں جب بھی آتی کہتی۔

"اماں کچھ تو بولا کریں آپ تو بالکل چپ ہو گئی ہیں اور نہیں تو بڑی آپا سے ہی کچھ باتیں کیا کریں ان کا دل بہلنے لگے گا۔"

"دل بھلا باتوں سے بہلتا ہے نجم النساء!" وہ کہتیں۔

"اولاد کی جدائی کا گھاؤ کبھی بھرا ہے۔۔۔؟ تو نہیں جانتی۔ میرا سینہ چیر کر

دیکھ نجم النساء! وہاں ابھی بھی دل کے ایک ایک کونے سے خون رستا ہوگا محمد سعید کی جدائی کا خون اتنے برس گزر جانے کے بعد اور وقار النساء نے تو اپنے دونوں شہزادوں کو گنوا دیا ماں بیٹی کے نصیب ایک جیسے۔۔۔ نہ لاشیں دیکھیں۔ نہ ہاتھوں سے قبر پر مٹی ڈالی۔'' ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''اور کیا بولوں میں۔۔۔ مجھے تو شرمندگی ہوتی ہے وقار النساء سے، مولوی صاحب سے جیسے میں نے کیا ہو سب کچھ وہ سب بھی تو میری ہی قوم کے تھے۔''

''اماں آپ بھی بس۔۔۔'' میں ان کا ہاتھ تھام لیتی انہیں گلے سے لگاتی۔

''کون جانے اماں! آگ کس نے لگائی اور کس نے دلوں میں زہر گھولا؟ ورنہ کون نہیں جانتا کہ پاکستان تو ہم سب کا مشترکہ خواب تھا چاہے وہ بنگال کے مسلمان ہوں چاہے پنجاب اور سرحد کے۔۔۔''

محمد سعید کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

پچھتاوے۔۔۔ نداتیں۔۔۔ انہیں اندر باہر سے بھگو رہی تھیں کیسے پیارے پیارے چہرے منوں مٹی کے نیچے چھپ گئے تھے وہ انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے اب اس خیال سے دل پھٹنے لگتا تھا وہ عبدالعلی کے ساتھ قبرستان گئے تھے مولوی عبدالحق، ہاجرہ، وقار النساء عبدالرحمٰن سب کی قبریں ساتھ ساتھ تھیں وہ کتنی دیر تک قبروں کے پاس بیٹھے بلکتے رہے تھے عبدالعلی نے انہیں زبردستی اٹھایا۔

''عبدالعلی! یہ جو ابا کے پاؤں کی طرف تھوڑی سی خالی جگہ ہے مجھے یہاں ہی دفن کرنا۔''

وہ جو زندگی میں اپنی مرضی سے چھوڑ گئے تھے اب مر کر ان کے قریب دفن ہونا چاہتے تھے کس نے ان سے کچھ نہیں پوچھا تھا وہ کہاں تھے اب تک لوٹے کیوں نہیں تھے وہ۔۔۔ اور وہ خود کیا بتاتے کسی کو۔۔۔؟ بس نجم النساء تھی جس کے پاس بیٹھتے تو آبلے پھوٹنے لگتے تھے ابا ہوتے تو باز پرس کرتے۔ اماں ہوتی تو ضرور گلہ کرتی

لیکن دونوں نہیں تھے اور کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا سب خوش تھے کہ سالوں کے بچھڑے محمد سعید ان سے آملے تھے۔

''چھوٹی آپا!'' انہوں نے روتے روتے سر اٹھایا تھا۔

''سب۔۔۔سب۔۔۔مجھ سے نفرت کرتے ہوں گے آپ، بڑی آپا، اماں، ابا۔۔۔؟''

''نفرت۔۔۔؟'' نجم النساء نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''نہیں محمد سعید! بھلا نفرت کیسے کر سکتے تھے سب۔ اماں، ابا کی تم اولاد تھے ہمارے بھائی تھے تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں آرہا ہے محمد سعید۔۔۔؟''

''بس یوں ہی چھوٹی آپا!'' وہ ہاتھوں کی پشت سے آنسو پوچھتے تو آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر آتیں۔

''بھلا اپنے خون سے بھی نفرت ہو سکتی ہے محمد سعید۔۔۔!'' چھوٹی آپا پوچھ رہی تھی اور انہیں ہنری کا خیال آرہا تھا۔

''کیا وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا ہوگا، کیا اب بھی مجھ سے بات نہیں کرے گا کبھی نہیں۔۔۔''

''اماں تو تمہارا آخری دن تک فاتحہ دلواتی رہیں تمہاری موت کا یقین نہ ہونے کے باوجود وہ مجھ سے کہتی تھیں کہ سعید کے لیے دعا کیا کرو اگر وہ زندہ ہے تو خدا اسے نیک ہدایت دے اور اگر نہیں تو اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔''

اور شاید یہ سب کی دعائیں ہی تھیں کہ وہ لوٹ آئے تھے اتنے سالوں بعد اللہ نے نور العین کو وسیلہ بنا دیا تھا۔ عبدالمنان کو، سانتاہار کے عبدالمنان کو انگلینڈ بھیج دیا تھا اور پھر ان سے ملوا بھی دیا تھا اللہ بھی کیسے کیسے اپنے بندوں کی دعائیں پوری کرتا ہے اور اگر وہ ہنری کے لیے دعائیں کریں تو کیا اللہ نہیں سنے گا؟''

''لیکن میری دعا۔۔۔کیا اللہ مجھ جیسے شخص کی دعا سنے گا؟''

ان کا دل چاہا کہ وہ نجم النساء کو ہنری کے متعلق بتا دیں اور پھر ان سے درخواست کریں کہ وہ ہنری کے لیے دعا کریں کہ اللہ اس کے دل کو بھی ایمان کی روشنی سے منور کر دے لیکن ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''چھوٹی آپا۔۔۔!'' دو بار انہوں نے منہ کھولا کچھ کہنا چاہا لیکن لفظ اندر ہی کہیں چکرا کر گم ہو گئے جس روز وہ آئے تھے اس سے اگلی صبح عبدالعلی نے پوچھا تھا۔

''بھائی! آپ کے بیوی بچے؟'' تو افسردگی سے مسکرا دیئے۔

''کیا شادی نہیں کی؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''کی تھی نبھی نہیں۔''

''اور بچے؟'' اور ابھی وہ جواب نہیں دے پائے تھے کہ عبدالوحید آ گیا وہ اس سے ملنے لگے اس کو انہوں نے دیکھا نہیں تھا یہ ان کے جانے کے بعد پیدا ہوا تھا وہ بالکل مولوی عبدالحق کی کاپی لگ رہا تھا وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتے رہے پھر کسی نے پوچھا ہی نہیں اور انہوں نے بتایا ہی نہیں ایک خوف سا تھا کوئی یہاں ہنری کو قبول بھی کرے گا یا نہیں حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ وقت' زمانہ اور ماحول بہت بدل گیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا لڑکے لڑکیاں پڑھ رہی تھیں نجم النساء کی نواسیاں خود گاڑیاں ڈرائیو کرتیں پھر بھی سب گھروں میں اسلامی ماحول تھا وہ تینوں بھائیوں کے گھر رہے تھے نجم النساء کے گھر بھی رہے تھے اور اب مولوی عبدالحق کے گھر آ گئے تھے یہ گھر جو انہوں نے وقار النساء کو دے دیا تھا اب وہاں ان کا بیٹا رہتا تھا اور عبدالوحید اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ زبردستی انہیں ادھر لے آیا تھا اور وہ خود بھی یہاں رہنا چاہتے تھے اس گھر میں اماں، ابا اور بڑی آپا کی خوشبو تھی وہ وہاں بیٹھتے تو وہ تصور میں انہیں چلتے پھرتے محسوس کرتے۔

''یہ نانا ابا کا کمرا تھا۔'' عبدالوحید نے انہیں بتایا تھا اور ان کا جی چاہتا وہ سارا وقت یہاں اسی کمرے میں بیٹھے رہیں رات کے کھانے پر سب ہی کہیں نہ کہیں کسی نہ

کسی گھر میں اکٹھے ہو جاتے تھے سب میں محبتیں تھیں پیار تھا تینوں بھائیوں کے گھر ڈیفنس میں ساتھ ساتھ ہی تھے۔

''یہ سب اماں، ابا کی تربیت کا نتیجہ ہے۔'' نجم النساء نے انہیں بتایا تھا۔

''ہماری اولادیں اور پھر ان کے بچے سب ہی اسلام کی روح کو جانتے اور سمجھتے ہیں ورنہ ماحول بہت خراب ہو گیا ہے۔ محمد سعید!

کیبل نے نوجوان نسل کو تباہ کر دیا ہے ہم مسلمان تنزلی کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں مجھے تو کبھی کبھی خوف آنے لگتا ہے کہ کہیں ہم اسلام سے دور ہی نہ ہو جائیں۔'' نجم النساء دل گرفتہ ہو جاتیں تھیں جب پاکستان اور مسلمانوں کی بات کرتیں تو دل کا گداز آنکھوں میں اترتا۔

''محمد سعید! تمہیں کیا بتائیں تم تو جانتے ہو گے سب، اتنے باخبر ملک سے آئے ہو سب پتا ہو گا تمہیں کیسے سازشیں ہو رہی ہیں مسلمانوں کے خلاف اور پاکستان کے خلاف۔۔۔''

پچھلے ایک سال سے انہوں نے پاکستان اور مسلمانوں کے حالات جاننے کی سعی شروع کی تھی اور جو جانا تھا اس پر ان کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ آج صبح سے وہ نجم النساء کی طرف آئے ہوئے تھے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے اتنے دن ہنری سے بات نہ کی ہو وہ تو اکثر دن میں دو بار بھی اسے کال کر لیا کرتے تھے چاہے وہ جہاں بھی ہوتا ایک بار اس نے کہا تھا۔

''ڈیڈ! میں اس وقت گرل فرینڈ کے ساتھ ہوں اور وہ مجھ پر ہنس رہی ہے کہ میں ابھی تک بے بی ہوں۔'' تب وہ کتنا ہنسے تھے۔

''سوری ڈیئر! اپنی گرل فرینڈ کو میری طرف سے ڈنر کھلا دو لیکن ڈنر پر جانے سے پہلے مجھے بتا دینا کہیں ایسا نہ ہو۔۔۔'' وہ پھر ہنسے۔

''اوہ ڈیڈ! آپ نے۔۔۔'' انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

لیکن کچھ دیر بعد وہ خود ہی انہیں فون کر رہا تھا۔

''ہاں ڈیڈ! کیسے ہیں آپ!''

''چھوٹی آپا!'' انہوں نے دونوں ہاتھوں کی پشت سے اچھی طرح اپنا چہرہ پونچھا سوجی ہوئی آنکھیں افسردہ چہرہ۔

''کیا کبھی اس کا دکھ کم ہوگا۔'' نجم النساء نے اداسی سے سوچا۔

''مجھے آپ کو ایک بات بتانا تھی۔'' انہوں نے ہمت کر کے کہا۔

''میرا ایک بیٹا بھی ہے۔''

''ارے تم نے ابھی تک بتایا کیوں نہیں؟'' چھوٹی آپا خوش ہوگئیں۔

''کہاں ہے وہ شادی ہوگئی ہوگی بچے ہیں؟''

''چھوٹی آپا!'' انہیں لگا جیسے ان کا حلق خشک ہو گیا تھا اور اس میں ہزاروں کانٹے اگ آئے ہوں۔

''وہ وہاں ہے انگلینڈ میں اور اس نے شادی نہیں کی ابھی انتیس سال کا ہے میں نے ابہت لیٹ ایج میں شادی کی تھی وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اس کی ماں نے طلاق لے لی تھی پھر میں نے شادی نہیں کی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہے تھے۔

''حد کرتے ہو تم بھی محمد سعید! اسے بھی ساتھ لاتے تا اسے بھی تو اپنے رشتے داروں اور عزیزوں کا پتا چلتا۔''

''چھوٹی آپا! میں نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کی تھی لزا۔۔۔لزا نام تھا اس کا۔'' انہوں نے نگاہیں جھکا لی تھیں۔

''ہاں کئی پاکستانی وہاں شادیاں کر لیتے ہیں۔'' نجم النساء کو کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی تھی انہوں نے مختصر کہا۔

''کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے؟''

''نہیں۔''

''اچھا الگ رہتا ہوگا۔'' انہوں نے خود اندازہ لگا لیا۔

''عبدالوحید کا بیٹا اکثر بتاتا رہتا ہے کہ وہاں بچے الگ رہتے ہیں جب اٹھارہ سال کے ہو جاتے ہیں خیر تم اسے بلاؤ نا زندگی میں تمہارے بیٹے کو بھی دیکھ لوں کیا نام ہے اسکا۔۔۔؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ہنری!'' ان کے لبوں سے بمشکل نکلا۔

''ہاں یہ بڑا المیہ ہے۔'' انہوں نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

''ہمارے مسلمان لڑکے جب وہاں شادیاں کرتے ہیں تو اولاد نہ مسلمان ہوتی ہے نہ کرسچن۔ آدھا نام یورپین آدھا مسلم یہ عظیم کے دوست کا بیٹا ہے اس نے بھی وہاں ہی شادی کر لی اس کے بچوں کے نام ابھی ایسے ہیں فرسٹ نیم کرسچوں جیسا سیکنڈ نیم مسلمانوں والا لیکن بلاتے فرسٹ نیم سے ہیں جان منیر، لوسی فاطمہ بس ایسے ہی نام ہیں ان کے بچوں کے۔''

''لیکن یہاں تو نہ فرسٹ نیم مسلمانوں والا تھا نہ سیکنڈ وہ تو ہنری رابرٹ تھا اور چھوٹی آپا کو بھی کیا پتہ کہ وہ بھی ایک ماہ پہلے تک جان رابرٹ تھے اور یہ اچھا تھا کسی ۔ ان سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ نجم النساء کو بتانا بھی چاہتے تھے لیکن انہوں نے خود ہی منع کر دیا تھا کیا فائدہ پرانے قصے دہرانے کا، جو بیت گیا سو بیت گیا۔''

''کیسا ہے وہ؟'' انہوں نے جیسے اس کے نام کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

''میرے جیسا ہے۔ بس آنکھیں اپنی ماں جیسی ہیں۔''

''اچھا محمد سعید! تم اسے فون کرو اور بلاؤ یہاں۔ حد ہو گئی اب کیا وہ ہمارا کچھ نہیں لگتا تھا کہ اتنے دن تک تم نے ذکر ہی نہیں کیا۔ اب وہ کیا بتاتے کہ وہ تو ان سے خفا تھا' ناراض تھا' اس نے تو انہیں خدا حافظ تک کہنا گوارہ نہیں کیا تھا حالانکہ انہوں نے کتنی ہی بار فون کیا تھا' التجا کی تھی کہ صرف ایک بار ان سے بات کر لے۔''

''اور ہاں یہ بھی اچھا ہے کہ اس کی شادی نہیں ہوئی یہاں کسی اچھی دیندار

فیملی میں شادی کریں گے ورنہ تمہاری طرح وہاں ہی کر لے گا۔"

انہیں نجم النساء کی سادگی پر پیار آیا کتنی سادہ تھی چھوٹی آپا اور پھر چھوٹی آپا ہی کیا کسی نے بھی تو نہیں پوچھا تھا اس سے کچھ۔ بس وہ آ گئے تو سب خوش تھے اب وہ کیا کہتے خاموش ہو رہے۔

"آج ہی فون کرنا اسے۔۔۔"

"جی اچھا چھوٹی آپا!"

انہوں نے کہہ تو دیا تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ وہ ان سے بات نہیں کرے گا۔ دل میں پھر درد سا اٹھا تھا وہ چھوٹی آپا سے دعا کے لئے نہیں کہہ سکتے تھے خود تو دعا کر سکتے ہیں اس کے لیے اور اللہ۔۔۔ میرا اللہ۔۔۔ تو اتنا رحیم و کریم ہے کہ اس نے مجھ جیسے گناہگار کا بھرم رکھا اپنوں سے ملایا مجھے توبہ کی توفیق دی تو کیا اب وہ میری دعا نہیں سنے گا۔ وہ جس نے مجھ جیسے قبل گردن زنی کو دوبارہ اپنے دین کی طرف پلٹنے کی توفیق دی۔

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"اس عمر میں زمین پر بیٹھ جاؤ تو اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے محمد سعید!" نجم النساء انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں تو بالکل نہیں بیٹھ سکتی بس اللہ اب چلتے پھرتے اٹھا لے دنیا سے کسی پر بوجھ نہ بنائے تمہیں دیکھ لیا اب کوئی حسرت نہیں رہی تمہارے بیٹے کو بھی دیکھ لوں گی اللہ نے چاہا تو۔۔۔"

"جی۔" محمد سعید صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"اسے کہنا دیر نہ کرے ہم تو یہاں چراغ سحری ہیں بجھے کہ بجھے۔"

"جی۔"

محمد سعید کا سر جھکا ہوا تھا اور نجم النساء انہیں بڑے جوش و خروش سے اپنے

حلقہ احباب میں موجود لڑکیوں کی تفصیل بتا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

"تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہیں جو اپنی قدرت اور قوت کی وجہ سے ہر ایک سے اونچا اور اپنے مکمل فضل اور احسان کیوجہ سے ہر ایک سے نزدیک ہے وہ ہمیشہ سے ہے۔ ہر چیز سے پہلے ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے راستہ دکھائے کیونکہ راستہ دکھانے والوں میں سے وہ ہی سب سے قریب ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور بھیجے ہوئے رسول ہیں۔"

ہنری آنکھیں موندے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے حسب عادت سامنے پڑی سنٹر ٹیبل پر پاؤں رکھے ہوئے نیم دراز تھا اور سی ڈی پلیئر میں سی ڈی لگی ہوئی تھی یہ ان سی ڈیز میں ایک تھی جو طلحہ احمد نے اسے دی تھی یہ سی ڈی حضرت علیؓ کے فرمودات پر مبنی تھی اور انگریزی ترجمہ تھا۔ سب سی ڈیز انگریزی میں تھیں حضرت محمد ﷺ کا آخری خطبہ، کچھ احادیث، چاروں خلفائے راشدین کے متعلق معلومات اور چند قرآنی صورتوں کا انگریزی میں ترجمہ۔

اس نے بہت دھیان سے ساری سی ڈیز سنی تھیں ان تین دنوں میں اس نے صرف یہی کام کیا تھا ان سی ڈیز کے علاوہ اس نے کتنی ہی مزید کتابیں پڑھ ڈالی تھیں اور یہ سب لکھنے والے عیسائی مذہب کے پیروکار تھے آرسی بوڈلے کی The Messenger سر ولیم کی Life of Muhammad بھی تھی۔

بی سمتھ کی Muhammad and Muhammad anisin

اور ای بلائین کی Christanity Islam and Negrole ان سب کتابوں میں لکھنے والوں نے اسلام کی حقانیت اور آپ ﷺ کو نبی تسلیم کیا ہے۔

جارج برنارڈ شاہ نے لکھا تھا کہ "عیسائی راہبوں نے اسلام کی نہایت بھیانک تصویر پیش کی ہے جو بالکل غلط ہے جبکہ آپ ﷺ ایک عظیم ہستی اور صحیح

معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔"

بی سمتھ نے لکھا تھا کہ" اگر کسی انسان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ رضائے الٰہی سے حکمرانی کر رہے تھے تو وہ صرف اور صرف محمد ﷺ ہیں۔" اس نے ان ساری کتابوں کو پڑھا تھا۔

ولسن جو کچھ دیر پہلے دبے پاؤں اندر آیا تھا کافی کے خالی برتن اٹھا کر جا چکا تھا اس نے دھیان سی ڈی کی طرف جمانے کی کوشش کی۔

" یاد رکھو! دنیا کا چشمہ گدلا اور گھاٹ دلدلی ہے یہ دیکھنے میں بھلی اور اندر سے تباہ کر دینے والی ہے یہ مٹ جانے والا دھوکا، ڈھل جانے والا سایہ اور ڈوب جانے والی روشنی ہے۔

خدا کے بندو! یہ وقت غنیمت ہے ابھی ہدیت کے راستے کھلے ہیں ابھی زندگی کی گھڑیاں باقی ہیں۔"

ہنری نے ٹیبل سے ٹانگیں ہٹا کر نیچے رکھیں اور سیدھا بیٹھ گیا اور سوچا طلحہ احمد واپس آچکے ہوں گے مجھے یہ سی ڈیز انہیں واپس کر دینی چاہیے اس نے اٹھ کر سی ڈی پلیئر آف کیا اور ساری سی ڈیز سمیٹ کر شاپنگ بیگ میں ڈالیں ٹیبل سے موبائل اٹھایا ،کرسٹی نے پھر فون نہیں کیا تھا۔ اوہ! آج کیا تاریخ ہے 6 مئی ---6 مئی --- ابو صالح، احمد، عالیہ سب چھٹیاں گزار کر واپس آگئے ہوں گے۔ پتا نہیں ان چھٹیوں میں وہ کہاں گئے ہوں گے اور نور آن بھی تو واپس آگئی ہو گی۔

" نور آن" اس کے دل کو دھکا سا لگا۔

" نور آن کی شادی ہو گئی ہو گی اور وہ بہت خوش ہو گی پتا نہیں شادی کے بعد کیسی لگے گی شاید اجنبی اجنبی سی اور خدیجہ کہہ رہی تھی شادی کے بعد مشرقی لڑکیاں بہت خوبصورت لگنے لگتی ہیں پتا نہیں وہ ہوسٹل آگئی ہو گی یا اپنے بھائی کے گھر ہو گی۔"

اس نے سوچا۔

''طلحہ احمد کو سی ڈیز دے کر ہوسٹل جاؤں گا ابو صالح سے ملنے کیا خبر وہ بھی نظر آ جائے، مشرقی دلہن!'' وہ ہولے سے ہنسا اور ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔

''ولسن میں جا رہا ہوں اور ڈنر باہر ہی کروں گا۔''

''اتنے دن گھر میں بند رہ کر اس کا دل گھبرا رہا تھا آج لمبی ڈرائیو کروں گا کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کروں گا اور انجوائے کروں گا کیا خبر یہ جو دل پر بوجھ سا ہے کم ہو جائے۔'' ولسن کو بتا کر وہ یونہی بالوں میں انگلیاں پھیرتا ہوا باہر نکل آیا۔

آج سنٹر میں بہت رونق تھی عام دنوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ لوگ تھے اور پرجوش سے کسی موضوع پر بات کر رہے تھے طلحہ احمد بھی ایک طرف کھڑے کسی سے بات چیت کر رہے تھے ابو صالح بھی اسے ایک کونے میں کھڑا نظر آ گیا اس نے سی ڈیز کا پیکٹ طلحہ احمد کو پکڑایا اور ابو صالح کی طرف بڑھ گیا۔ ابو صالح کی آنکھوں میں چمک تھی اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا ابو صالح! تم ٹھیک ہو نا؟'' اس نے ابو صالح کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں۔'' ابو صالح نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہنری! تم۔۔ نے سنا انہوں نے اسے مار دیا۔۔۔ شہید کر دیا۔''

''کسے؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اسے۔۔۔ عامر چیمہ کو۔ وہ ایک پاکستانی لڑکا تھا اور مشن گلیڈ باخ کی یونیورسٹی آف اپلائیڈ سائنسز کا سٹوڈنٹ تھا، وہ پہنچ گیا تھا اس تک۔ جرمن اخبار ڈیولیٹ کے ایڈیٹر تک اسے مارنے کے لیے۔ انہوں نے اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا۔''

ہنری ہونق سا بنا ابو صالح کی طرف دیکھ رہا تھا

''میری طرح ہنری! میری طرح۔۔۔ وہ بھی اسے قتل کرنے گیا تھا جس

نے میرے آقا ﷺ۔۔۔"

ابو صالح کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہنری اب سمجھا تھا تو ابو صالح جیسا کوئی دیوانہ تھا جو مارنے گیا اور پھر مارا گیا

"انہوں نے اسے پکڑ لیا اور برلن میں Moabit Prison میں ڈال دیا اور 44 دن اذیتیں دے دے کر چارمئی کو شہید کر دیا۔ وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی ناموس پر قربان ہو گیا اور میں بدنصیب۔۔۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تو اس نے انگلیوں کے پوروں سے آنسو صاف کیے۔

"اس کا جذبہ صادق تھا ہنری! میرے اندر کہیں کھوٹ تھا دنیا چھپی بیٹھی تھی اندر تب ہی تو۔۔۔ کتنا خوش نصیب تھا۔"

ہنری حیران سا ابو صالح کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں دکھ تھا حسرت تھی

"کیا موت بھی اتنی خوبصورت ہو سکتی ہے کہ اس کے نہ ملنے پر پچھتاوا اور حیرت ہو۔"

"یہ بہت بڑا اعزاز ہے بہت بڑا مرتبہ جو وہ اٹھائیس سالہ لڑکا حاصل کر گیا۔"

لوگ ٹولیوں میں ادھر ادھر بیٹھے ہوئے مسلسل اسی موضوع پر باتیں کر رہے تھے اور ہنری ان کی باتوں پر حیران ہو رہا تھا کچھ انگریزی میں بات کر رہے تھے ہنری دیکھ رہا تھا اکثر کی کیفیت ابو صالح جیسی ہی تھی پھر طلحہ احمد نے کچھ کہا تھا کہ سب خاموش ہو گئے تھے ایک شخص نے جو چہرے سے عربی لگتا تھا اذان دی ہنری کے دل پر ہر لفظ ضرب لگا رہا تھا۔

حالانکہ وہ اس کا مطلب نہیں سمجھتا تھا پھر صفیں درست ہوئیں اور ایک صاحب نے امامت کرائی، ہنری ہال کے ایک کونے میں خاموش بیٹھا انہیں نماز پڑھتے دیکھ رہا تھا اس سے پہلے وہ کبھی نماز کے ٹائم پر نہیں آیا تھا وہ ہمیشہ عشاء کی نماز

کے بعد آتا تھا لیکن آج اس کا خیال ہوسٹل جانے کا تھا اس لیے وہ جلدی نکل آیا نماز میں وہ لوگوں کو سجدہ کرتے، اٹھتے اور بیٹھے دیکھتا رہا۔

''اپنے رب کے حضور جھک جا۔'' کسی سی ڈی کا جملہ دل پر آ کر گرا تھا یہ منظر اس کے دل پر ہیبت سی طاری کر رہا تھا اور سحر بھی۔

نماز کے بعد سب نے دعا مانگی عامر شہید کے لیے خصوصی دعا کی گئی وہ خاموش بیٹھا دیکھتا رہا جو کچھ کہا جا رہا تھا وہ اس کے معنی نہیں سمجھ پا رہا تھا نماز کے بعد طلحہ احمد نے مختصر سا عامر شہید کے متعلق بتایا اور ان سب لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے آج تک آپ ﷺ کی ناموس کی خاطر جانیں قربان کی تھیں کئی لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ابو صالح بھی ان میں سے ایک تھا وہ حیرانی سے لوگوں کو دیکھ رہا تھا تب ہی ایک کونے میں سے کوئی بولا وہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا اس کی داڑھی کے آدھے سے زیادہ بال سفید تھے اور شاید کچھ گا رہا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں آواز بلند تھی یکدم سب خاموش ہو گئے ہال میں صرف اس کی آواز گونج رہی تھی۔

دیروز در بستان سرا
ہمہ طوطیاں خوشنوا
پڑھتی تھیں نعت مصطفے ﷺ
بلغ العلےٰ بکمالہ
اور قمریوں بھی شوق سے
ڈالے سر طوق میں
کہتی تھیں اپنے ذوق میں
كشف الدجىٰ بجماله
بلبلیں بھی کو بکو
لے لے کے ہر اک گل کی بو

کرتی تھیں چرچا چارسو

حسنت جمیع خصالہ

ہنری سمجھ نہیں رہا تھا لیکن اس شخص کی آواز میں سوز تھا دل پگھلتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔

چڑیوں کے سن کر چہچہے

انسان بھلا کیوں چپ رہے

لازم ہے اس کو یوں کہے

صلو علیہ و آلہ صلو علیہ و آلہ

صلو علیہ و آلہ صلو علیہ و آلہ

سب نے اس کی آواز کے ساتھ آواز ملائی تھی ہال میں ایک گونج سی تھی۔

صلو علیہ و آلہ صلو علیہ و آلہ

اس نے رخ موڑ کر ابوصالح کی طرف دیکھا وہ بھی آنکھیں بند کیے ہوئے جھوم رہا تھا۔

''صلو علیہ و آلہ....''اس نے خود کو بھی کہتے سنا دل پر ایک زوردار ضرب پڑی تھی اور ایک عجیب سی جذب کی کیفیت میں وہ کہہ رہا تھا۔

''صلو علیہ و آلہ''اس کی آواز خودبخود بلند ہوگئی پھر یکایک ہال میں خاموشی ہوگئی۔صرف اس کی آواز سنائی دے رہی تھی ابوصالح نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا وہ بھی خاموش ہو کر حیران سا اسے دیکھنے لگا

''یہ ابھی وہ کیا کہہ رہا تھا؟''اس نے ایک نظر ہال میں دوڑائی کئی لوگ آنسو پونچھ رہے تھے اس نے اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرا تو اس کے رخسار بھی گیلے ہو رہے تھے وہ حیران سا ہاتھ اپنے سامنے پھیلائے انہیں دیکھ رہا تھا کیا اس پر کوئی سحر طاری کر دیا تھا۔

''یہ شخص ابھی کیا گا رہا تھا۔'' اس نے ابو صالح سے پوچھا۔

''یہ آپ ﷺ کی ثنا میں کہا گیا کلام گا رہا تھا۔

''محمد مصطفیٰ ﷺ برگزیدہ ہستی ہیں

محمد مصطفیٰ ﷺ ایک سچے نبی۔۔۔''

جورجیو کی کتاب کے اوراق اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔

''وہ ہستی جو انسانیت کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے جنہوں نے اس ذلت میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو برائیوں کے اندھیرے سے نکالا۔''

آج طلحہ احمد سیرت النبی ﷺ پر بول رہے تھے آج ان کا لہجہ اور آواز آنسوؤں میں ڈوبی تھی ہر روز سے زیادہ سحر طاری کرتی دل میں اترتی ہنری مبہوت سا بن گیا تھا وہ وہی کچھ بیان کر رہے تھے اس نے جورجیو کی کتاب میں پڑھا تھا لیکن آج لفظ دل پر جو تاثر چھوڑ رہے تھے وہ بہت مختلف تھے دل اور روح کو جھنجھوڑتے ہوئے سے۔ طلحہ احمد بول رہے تھے اور سب ساکت سن رہے تھے دل گواہی دے رہا تھا۔

''ہاں وہی ہستی ہے برگزیدہ سب کے لیے نجات دہندہ۔'' دل گواہی دے رہا تھا لیکن ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔

لوگ رخصت ہوتے ہوئے ایک بار پھر عامر چیمہ کے متعلق باتیں کر رہے تھے وہ ابو صالح کے ساتھ ہی طلحہ احمد کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا تھا۔

''تم چھٹیوں میں کہیں گئے تھے ابو صالح!'' وہ جس کیفیت میں گھرا ہوا تھا اس نے اس سے باہر آنے کی کوشش کی۔

''نہیں، میں برمنگھم چلا گیا تھا اپنے کزن کے پاس۔'' ابو صالح اب بھی افسردہ سا تھا۔

''باقی سب لوگ بھی آ گئے ہوں گے؟''

''اپنے گروپ کے سب لوگ یہاں ہی تھے سوائے فرینک اور بوب کے۔''

''اچھا۔۔۔'' نورالعین کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ آگئی ہے لیکن اس نے نہیں پوچھا۔

''آؤ میں تمہیں ڈراپ کردوں۔'' اس نے ابوصالح کی طرف دیکھا۔

''تم کہاں جارہے ہو اب۔۔۔؟''

''گھر۔'' اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''آج دل بہت اداس ہے ہنری!'' ابوصالح نے اس کی طرف دیکھا۔

''تم لوگ۔۔۔'' ہنری کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگیا تھا ابوصالح کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر سر جھکا لیا۔

''ہاں نورالعین بھی واپس آگئی۔'' کچھ دیر بعد اسے یاد آیا۔

''لیکن خدیجہ بتارہی تھی اس کی شادی نہیں ہوسکی۔''

''کیا۔۔۔؟'' اس کا ہاتھ کانپا۔

لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''تمہیں ابھی ڈرائیو نہیں کرنی چاہیے ہنری!''

''ابھی تمہارا بازو۔۔۔''

''نہیں کوئی پرابلم نہیں۔۔۔ تم کہو کیا کہہ رہے تھے۔'' بظاہر اس نے نارمل انداز میں کہا لیکن اندر دھڑکنوں نے اودھم مچا دیا تھا۔

''کچھ خاص نہیں' نورآن کی شادی ملتوی ہوگئی ہے اس کے جس کزن کے ساتھ اس کی شادی ہونا تھی' چچا کی ڈیتھ ہوگئی تھی وہ لوگ امریکہ سے نہیں آسکے تھے اور نورالعین صرف پندرہ دن کے لیے تو گئی تھی سو اب دو ماہ بعد اس کے فارغ ہونے کے بعد ہی شادی ہوگی۔'' ابوصالح نے خدیجہ سے سنی ساری بات بتادی۔

''اوہ! میں شاید اس لڑکی کو کبھی دل سے نکال نہ سکوں گا۔'' دل پر یکدم مایوسی طاری ہوگئی کچھ دیر پہلے جو اچانک چراغاں ہوا تھا وہ ماند پڑھ گیا تھا۔

''میں نے کب اسے طلب کیا؟ کب اسے مانگا جو خوشی میں مبتلا ہو گیا تھا۔''

''طلب کرو، مانگو، وہ دے گا وہ کبھی اپنے بندے کی التجا رد نہیں کرتا۔'' طلحہ احمد کہہ رہے تھے۔

''لیکن دنیا کے بجائے آخرت مانگو، راہ نجات طلب کرو، صراط مستقیم کے لیے جھولی پھیلاؤ۔۔۔''

ابو صالح کو وہ ڈراپ کر کے سیدھا گھر آیا تھا ڈنر کا موڈ نہیں تھا عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی دل مختلف کیفیات کی زد میں تھا۔

''نجات دہندہ صرف وہی ہیں۔ دنیا کفر کے اندھیروں میں گھری تھی کہ اللہ نے انہیں پیغام دے کر بھیجا اور پھر روشنی اتنی پھیلی کہ اس کی چکا چوند سے اندھے لوگوں کو بینائیاں مل گئیں۔'' طلحہ احمد مسلسل کانوں میں سرگوشیوں کر رہے تھے۔

''رحمت دو جہاں انبیاء تاج و تخت نبوت کے منصب پر فائز ہوئے۔'' وہ سیدھا اسٹڈی میں آیا تھا۔

ولسن نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ڈنر کی تیاری کرنے لگا۔

''ولسن!'' اس نے آواز دی۔

''میں صرف کافی لوں گا۔''

''یس سر۔۔۔!'' ولسن نے سر خم کیا۔

وہ رائٹنگ ٹیبل کے پاس کھڑا اس پر پڑی کتابیں دیکھ رہا تھا۔

وہ جورجیو کی کتاب، مسلمان مصنفین کی کتابیں، کچھ سیرت النبی ﷺ پر، جنہیں اس نے ابھی تک نہیں پڑھا تھا۔ کچھ احادیث پر، ایک دو کتابیں قرآن کی کچھ سورتوں کے ترجمے پر مبنی تھیں لیکن یہ سب ابھی اس نے نہیں پڑھی تھیں جورجیو کہتا تھا۔

''قرآن ایک ایسی کتاب ہے اگر کوئی شخص عربی جانتا ہو تو اس پر تہہ در تہہ معنی واضح ہوتے ہیں ہر آیت اپنے اندر جو سحر رکھتی ہے وہ مختلف کیفیات طاری کر دیتی

ہے اور اسے صرف ایک عربی جاننے والا ہی صرف سمجھ سکتا ہے۔"

"کاش میں عربی جانتا ہوتا جو رجیو کیطرح۔" دل میں ایک خواہش سی پیدا ہوئی۔

"اور یہ کونسا مشکل ہے لوگ اتنی زیادہ زبانیں سیکھتے ہیں فرانسیسی، جرمن، رشین، چینی تو میں عربی زبان کیوں نہیں سیکھ سکتا؟" اس نے دل ہی دل میں ارادہ باندھا۔ اور "THE PROPHET" اٹھالی یہ کتاب بھی ابھی تک وہ پڑھ نہیں سکا تھا۔

"یہ کیا آخر؟"

اس نے کرسی پر بیٹھ کر ورق گردانی شروع کر دی وہ اپنا دھیان بٹانا چاہتا تھا دل کو بار بار جھٹکے سے لگ رہے تھے۔

"کیا مجھے بھی ڈیڈ کیطرح ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔"

ایک لحہ کو اس نے سوچا اور بایاں بازو اوپر اٹھایا لیکن یہ درد نہیں تھا یہ تو کچھ اور تھا مدھم سی کسک تھی، بے چینی تھی، اضطراب تھا، لحہ لحہ بعد جیسے کوئی دل کو دباتا ضرب لگاتا تھا، یہ ہارٹ اٹیک نہیں ہے پھر بھی صبح مجھے اپنے ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے اس نے سوچا اور کتاب دیکھنے لگا یہ سوانح عمری تو نہیں ہے لیکن شاید آپ ﷺ کے فرمودات یا احکامات ہیں جو افسانوی زبان میں لکھے گئے ہیں اسے تحریر اچھی لگی۔

نور العین صحیح کہتی تھی کہ اس کے لفظوں میں جادو ہے اس نے چند صفحے پڑھ کر کتاب پھر رکھ دی اور پاکٹ سے موبائل نکالا کرسٹی کا نمبر سکرین پر آ رہا تھا اس نے آف کر کے ٹیبل پر رکھ دیا ساتھ ہی فون کی بیل ہونے لگی تھی وہ چپ چاپ کرسی پر بیٹھا فون کو دیکھتا رہا۔ ولسن نے اندر آ کر ریسیور اٹھایا ایک نظر ہنری پر ڈالی اور ہیلو کہا۔

"جی ہنری صاحب گھر پہ نہیں ہیں۔"

اس نے مطمئن ہو کر کرسی کی پشت سے سر ٹیک لیا وہ جانتا تھا کرسٹی کا فون

ہوگا اس لیے اس نے ولسن سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

''بس اتنا ہی حوصلہ تھا تمہارا کرسٹین۔۔۔'' اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''کیا یہ لڑکی سچ مچ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے؟'' اس نے سوچا۔

''لیکن میں۔۔۔'' اس نے دل کو ٹٹولا۔

''میں تو اس سے محبت نہیں کرتا اور اگر میں اسلام قبول کرلوں تو کیا تب بھی یہ لڑکی مجھ سے محبت کرتی رہے گی جبکہ یہ مسلمانوں کے سخت خلاف ہے اور مشن کے تحت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا کام کر رہی ہے اور ان کے کام نے ہرگز مجھے متاثر نہیں کیا یہ لوگ بڑے خطرناک منصوبے رکھتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے کسی ایک قوم کے خلاف منظم سازش۔'' وہ یکدم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اسے اپنے خیالات پر حیرت ہوئی

''میں بالکل ڈیڈ کی طرح سوچنے لگا ہوں اگر میں ایسا سوچ رہا ہوں تو کچھ غلط تو نہیں ایک ایسے دین کے خلاف تمام یورپی ملکوں کا اکٹھا ہو کر سازشیں کرنا جو سچا اور صحیح دین ہے۔'' وہ ٹھٹھک گیا۔

''میرا خیال ہے ڈیڈ میں اور آپ ایک بار پھر اکٹھے ہونے والے ہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا لیکن یکدم دل پر اضطراب چھا گیا دروازے کھل رہے تھے بند ہو رہے تھے۔

''محمد ﷺ سچے نبی ہیں اللہ ایک ہے۔

وہ واحد ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں

طلب کرو۔۔۔

مانگو۔۔۔

اور جب تمہاری روح تم کو دعا کی طرف بلائے تو تم اپنے بہتے ہوئے آنسو لے کر اس کی طرف جاؤ۔'' خلیل جبران نے کہا تھا۔

اس نے اپنے اندر آنسوؤں کو پھیلتے محسوس کیا وہ بے چین ہو کر اٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا لیکن اضطراب تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا بے چینی تھی کہ حد سے سوا تھی آنکھیں خشک تھیں لیکن اندر کن من کن من ہو رہی تھی اور وہ بھیگتا جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

''یا ارحم الراحمین! اسے سیدھا راستہ دکھا اسے راہ ہدایت پر چلا وہ بے قصور ہے قصوروار تو میں ہوں میں نے اسے صحیح راستے پر نہیں ڈالا اسے توحید اور شرک میں فرق نہیں بتایا۔

یارب العالمین! میرے گناہ کی سزا اسے نہ دے اس کے دل میں اپنی اور اپنے رسول کریم ﷺ کی محبت پیدا کر دے۔''

وہ دعا مانگ رہے تھے اور آنسوان کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر گر رہے تھے رات کا جانے کونسا سا پہر تھا جب ان کی آنکھ کھل گئی تھی دل کی دھڑکن معمول سے زیادہ تھی اور پورا جسم پسینے میں شرابور تھا اور ان کے لبوں سے گھٹی گھٹی آواز نکل رہی تھی۔

''ہنری! ہنری!'' شاید انہوں نے کوئی خواب دیکھا تھا انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی بوتل سے پانی نکال کر پیا۔

''کیا خواب تھا؟'' انہوں نے یاد کرنے کی کوشش کی وہ تنگ و تاریک اور اندھیرے راستوں میں ہنری کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے ہنری انہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن وہ ان کی آواز سن رہے تھے۔

''ڈیڈ! ڈیڈ! آپ کہاں ہیں یہاں بہت اندھیرا ہے مجھے راستہ نہیں مل رہا۔''

''ہنری! ہنری!'' وہ دیوانہ وار اسے پکارتے ہوئے تنگ و تاریک اندھیری گلیوں میں بھاگتے پھر رہے تھے انہوں نے گلاس ٹیبل پر رکھا چہرے سے پسینہ پونچھا ایسا اور اس سے ملتا جلتا خواب وہ پہلے بھی دیکھ چکے تھے ایک بار۔

''ہنری جہاں کھڑا تھا وہ سراسر ان کی غلطی تھی۔'' وہ بے چین سے ہو کر اٹھے

وضو کیا اور جائے نماز پر بیٹھ گئے پھر پتا نہیں انہوں نے کیا کیا پڑھا تھا کتنے نفل، کتنی نمازیں، نماز توبہ، نماز حاجت جو جو انہیں یاد آ رہا تھا پڑھ رہے تھے اور اب کتنی دیر سے انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا رکھے تھے۔

''اے الرحمٰن الرحیم! اسے آگہی دے اسے۔۔۔'' ان کے لب ہل رہے تھے اور آنسوان کے رخساروں پر سے ہوتے ہوئے ان کی گردن اور گریبان کو بھگو رہے تھے۔ بہت دیر بعد انہوں نے ہاتھ نیچے گرائے اور سجدے میں گر گئے اور پتا نہیں کتنی ہی دیر سجدے میں گرے دعا مانگتے رہے جب سر سجدے سے اٹھایا تو باہر صبح صادق کے آثار نمودار ہو رہے تھے اندھیرا چھٹ رہا تھا وہ اٹھے اور جائے نماز کا ایک کونا موڑ دیا اور جائے نماز وہاں ہی بچھی رہنے دی ابھی کچھ لمحوں میں فجر کی اذان ہونے والی تھی۔

بیڈ کے کنارے پھر بیٹھتے ہوئے ان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ وہاں بیٹھے بیٹھے سانتاہار کے گھر میں جا پہنچے تھے کبھی کبھی ہاجرہ یوں جائے نماز کا کونا موڑ کر اٹھ جاتی تھیں جب انہیں کچھ مزید نفل وغیرہ پڑھنے ہوتے تھے لیکن مجبوراً کسی کام سے اٹھنا پڑتا ہے انہوں نے ایک بار نجم النساء سے پوچھا تھا۔

''یہ اماں جائے نماز کا کونا کیوں موڑ دیتی ہیں؟''

''تا کہ جائے نماز خالی دیکھ کر شیطان آ کر نماز نہ پڑھنے لگے۔''

نجم النساء نے بتایا تھا اور وہ کتنی ہی دیر تک ہنستے رہے تھے۔

''بھلا شیطان کو اگر نماز ہی پڑھنا ہوتی تو آسمانوں سے کیوں نکلتا اور یہ تو اچھی بات ہے نا چھوٹی آپا کہ شیطان جو ہمیں نماز پڑھنے سے روکتا ہے خود بھی نماز پڑھنے لگے پھر تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے اور پھر انہوں نے عبدالرب کو بھی یہ بات بتائی تھی اور دونوں ہی اس بات پر بہت ہنستے تھے۔''

لیکن آج بالکل غیر ارادی طور پر انہوں نے بھی جائے نماز کا کونا موڑ دیا تھا

اور لبوں پر یونہی دھیمی مسکراہٹ لیے پھر وضو کرنے کے لیے چلے گئے اور جب صبح کی نماز اور تلاوت سے فارغ ہو کر وہ کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹے تو نجم النساء ہاتھوں میں چائے کا کپ اٹھائے آ گئیں۔

جب کبھی وہ نجم النساء کے گھر پر رات کو رک جاتے تو نجم النساء چائے کے کپ اٹھائے ان کے کمرے میں آ جاتیں اور چائے پیتے ہوئے دونوں ماضی کی باتیں کرتے رہتے آج بھی جب وہ آئیں تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''آیئے چھوٹی آپا! مجھے یاد ہے پہلے تو بالکل آپ چائے نہیں پیتی تھیں حالانکہ سانتاہار میں ہم گرین ٹی بناتے تھے۔'' انہوں نے نجم النساء کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں ادھر مغربی پاکستان آ کر بھی بہت عرصہ تک صبح ناشتہ پر تو گرین ٹی ہی بنتی تھی ہاں شام کو دو تین کپ کالی چائے بنتی تھی پر اب تو گرین ٹی شادی بیاہ کے فنکشنوں میں ہی نظر آتی ہے۔'' وہ اپنا کپ لے کر بیٹھ گئیں۔

''ہاں مجھے وقار النساء نے کہا تھا کہ چائے پینے سے رنگ کالا ہو جاتا ہے۔'' وہ کہہ کر ہنسی تھی۔

''یہ بڑھاپا بھی کیا ہوتا ہے محمد سعید! ماضی بہت یاد آتا ہے۔''

''ہاں آپا! عظیم بھائی سو رہے ہیں کیا؟''

''بس رات بھر جاگتے ہیں صبح نماز کے بعد ذرا آنکھ لگتی ہے بے خوابی کا مرض ہے۔''

''خود ڈاکٹر ہیں کسی ڈاکٹر سے مشورہ نہیں کیا۔۔۔؟''

''کیا کہوں محمد سعید! بڑھاپا سو بیماریاں ساتھ لاتا ہے۔''

عظیم بھائی مجھ سے سال دو سال ہی بڑے ہوں گے اور مجھے دیکھیں ابھی تک ایکٹو ہوں۔''

''بس بھائی! کیا بتاؤں سارا خاندان گھر بار لٹایا 1947ء میں اور اب جب ملک کے حالات دیکھتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں نیند نہیں آتی راتوں کو، تم کیا جانو محمد سعید! ہم جیسے لوگ کتنا جلتے کڑھتے ہیں اس سب پر جو رہا ہے ہر دم دل ہولتا رہتا ہے۔'' انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔

''تمہیں تو یاد ہوگا جب ہم کریا اسٹریٹ کی اسلامیہ بلڈنگ میں رہتے تھے کیا حالات تھے؟ کیسے کیسے ہندو مولی گاجروں کی طرح مسلمانوں کو کاٹ رہے تھے پھر جب پاکستان کا اعلان ہوا تو منظم سازشوں کے تحت گاؤں کے گاؤں جہاں مسلمان تھے لوٹ لیے۔ بھرے گھر خالی ہو گئے۔ ابا کہتے تھے جس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا صدیوں بھولنے والا نہیں لیکن اب لگتا ہے محمد سعید! کہ لوگ سب بھول گئے ہیں جب لوگ کہتے ہیں ہم ایک ہیں برصغیر کی تقسیم غلط تھی تو عظیم سے تو برداشت نہیں ہوتا۔ ٹینشن ہو جاتی ہے اور نیند نہیں آتی انہیں۔

ابا کہا کرتے تھے آج بھی ایک لاکھ نوے ہزار مسلمان عورتیں سکھوں کے گھروں میں ہیں اور ہم ان سکھوں اور ہندوؤں سے دوستی کرنا چاہتے ہیں بس میاں یہ۔ ہے عظیم کی بے خوابی کی وجہ ڈاکٹر بھلا کیا کریں گے۔'' سعید کا سر جھک گیا۔

انہوں نے چند ہی دنوں میں دیکھ لیا تھا سن لیا تھا لوگوں کے خیالات اور رویے، ٹی وی پر برملا اپنے خیالات کا اظہار کیا جا رہا تھا۔

''تم بتاؤ سعید! اتنا عرصہ انگریزوں کے ملک میں رہے آخر یہ انگریز مسلمانوں کی جان کے دشمن کیوں ہو رہے ہیں مجھے لگتا ہے ساری دنیا مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔''

''شاید وہ اسلام سے خوفزدہ ہیں آپا! انہیں ڈر ہے کہ کہیں ماضی کی طرح اسلام ایک بار پھر ساری دنیا پر نہ چھا جائے اس لیے وہ اسے ہر طرح سے ختم کرنا چاہتے ہیں آپا یہ بہت پرانی اور گہری سازشیں ہیں سمجھنے کے لیے بڑا وقت لگتا ہے

خیر اللہ حفاظت کرنے والا ہے مسلمانوں کی۔"

انہوں نے خالی کپ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

"یہ تم نے عبدالعلی اور عبدالعزیز سے کیا کہا؟ گھر لینا چاہتے ہو کیوں؟ تم ایک تنہا کسی پر بوجھ نہیں ہو، عظیم کہہ رہے تھے بھائی صاحب سے کہو ساری زندگی اب ہمارے ساتھ رہیں۔ ہم دو جی ہیں شکر ہے جو یہ نواسی بھی پڑھائی کی غرض سے ادھر کی ہوئی ہے بچے بیاہ دیئے ہیں سچ کہتی ہوں محمد سعید! تمہارے آنے سے عظیم بہت خوش ہیں۔ عظیم کو تو ایک ساتھی مل گیا بیٹے دونوں بس عید وغیرہ پر آتے ہیں وہ بھی ان کی فرمانبرداری اور محبت ہے جہاں بھی ہوں پہنچ جاتے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے آپا! لیکن آپ بھول گئیں ہنری کو۔ وہ آئے گا تو اس کی شادی بھی کرنی ہے اب بیٹے اور بہو کے ساتھ اچھا تو نہیں لگے گا کہ۔۔۔" انہوں نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا۔ رات بھر کی گریہ زاری کے باوجود وہ نڈھال نہیں تھے۔

"ارے میں تو بھول ہی گئی کیا بات ہوئی تھی تمہاری بچے سے، کیا کہتا ہے وہ محمد سعید! کب آ رہا ہے۔۔۔؟"

"آ جائے گا آپا! جلد آ جائے گا۔"

انہیں خود اپنے لہجے کے یقین پر حیرت ہوئی۔

"یا اللہ! تو بڑا رحمٰن و کریم ہے تیرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی میرے مولا! میری پھیلی ہوئی جھولی میں بھی قبولیت کے سکے ڈال دے۔"

انہوں نے دل ہی دل میں دعا کی۔

☆......☆......☆

وہ ایک ایک مکان کے نمبر دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک دو لڑکے اس کے دائیں بائیں آ گئے، غالباً وہ اس کے پیچھے ہی تھے وہ ٹھٹھک کر رک گیا اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ادھر نکال سارا مال۔'' ایک نے اس کے بازو کو جھٹکا دیا جبکہ دوسرے نے اس کے دائیں کندے پر لٹکے بیگ پر ہاتھ مارا تھا غیر ارادی طور پر بیگ پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

''چل نکال جلدی کر۔'' دوسرے نے اس کے بازو کو پھر جھٹکا دیا اسے لگا جیسے اسکا بازو کندھے سے اکھڑ جائے گا بے اختیار دایاں ہاتھ اس نے بائیں کندھے پر رکھا۔

''سن نہیں رہا؟ کانوں میں روئی ڈال رکھی ہے؟'' پہلے نے اس کے گال پر گھونسہ مارا ایک لمحے کو اس کا سر گھوم گیا انگریز ہے دوسرے نے گالی دی۔

''Money----Money ڈالر۔'' اب کے پہلا بولا تو ہنری نے ہونٹ سیکڑے۔

''اوہ۔''

ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ مین روڈ پر ٹیکسی سے اترا تو اس نے سڑک کراس کر کے مسجد کے ساتھ اس چھوٹی سی دکان کے پاس رک کر سٹریٹ نمبر 8 کا پوچھا تھا اور سامنے منی چینجر کا بورڈ پڑھ کر وہ اندر داخل ہو گیا تھا ایک ٹیبل کے پیچھے بیٹھے شخص سے اس نے دس ڈالر کی پاکستانی کرنسی لی تھی شاید وہاں سے ہی یہ دونوں اس کے پیچھے لگ گئے تھے وہ کئی گلیاں مڑ کر اب سٹریٹ نمبر 8 میں داخل ہوا تھا یہ گلی اندر کیطرف تھی وہاں کافی اندھیرا تھا ایک دو گھروں کے پورچ میں جلتے ہوئے بلب کی مدھم سی روشنی گلی میں آرہی تھی لیکن جہاں اس وقت ہنری کھڑا تھا وہاں روشنی ناکافی تھی۔

ہنری کے والٹ میں اس وقت زیادہ سے زیادہ ساٹھ ستر ڈالر اور چند سو کی پاکستانی کرنسی تھی جو ابھی اس نے لی تھی ٹریولنگ چیک وغیرہ سب اس کے بیگ میں تھے۔ ہنری نے والٹ نکالنا چاہا کہ ان کے حوالے کر کے خلاصی پا لے۔

''شاید اس کا اردہ نہیں ہے کچھ دینے کا۔'' دائیں طرف والے لڑکے نے کہا

اس کی ٹانگوں پر کس کے لات جمائی وہ بلبلا گیا تھا دوسرا بھی اس پر پل پڑا۔
ہنری کی پوری کوشش تھی کہ بیگ ان کے ہاتھ میں نہ آئے اس میں اس کا
پاسپورٹ اور سب کاغذات وغیرہ بھی تھے۔

''مکے۔۔۔ کھونسے۔۔۔ لاتیں۔۔۔ ہنری نے بمشکل جب پاکٹ سے
والٹ کھینچ کر بڑھایا تو ایک نے اسے جھپٹ کر لے لیا اور دوسرا بیگ کھینچنے لگا ایسے نہیں
دے گا (گالی) اور ساتھ ہی چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ ہوئی ایک لحہ کو تو لگا جیسے
سر میں چاقو رگڑ کھاتا ہوا گزر گیا جلن سی ہوئی تھی بس۔

''بس چھوڑ دو لفنگو!''

اسی لمحے ساتھ والے گھر کا گیٹ کھلا تھا اور کوئی دھاڑا تھا۔

''گارڈ! بھون ڈالو سالوں کو۔'' گارڈ کے ہاتھ میں رائفل تھی لڑکے گارڈ اور
اس شخص کو دیکھ کر بھاگ گئے۔

ہنری بمشکل اٹھا اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

''کس کے گھر جانا ہے میاں!'' گھر سے نکلنے والا ادھیڑ عمر شخص پوچھ رہا تھا۔

ہنری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ اس کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔

''پلیز۔۔۔'' ہنری نے اسے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اگر آپ کو انگلش آتی ہے تو انگلش میں بات کریں۔''

''فارنر۔'' گارڈ نے جو ایک ریٹائرڈ فوجی تھا ایک قدم آگے بڑھ کر پوچھا۔

''یس۔۔۔ یس۔۔۔'' ہنری نے اثبات میں سر ہلایا۔

اسکا سر پوری طرح چکرا رہا تھا اور اسے اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہنا مشکل لگ رہا
تھا تاہم اس نے بمشکل گارڈ کو سمجھایا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

''اوہ۔۔۔ ہاں۔۔۔'' گارڈ نے سامنے والے گھر کی طرف اشارا کیا۔

''وہ لوگ تو آج ہی شام کو ایک ویگن میں لدلدا کر کہیں گئے ہیں یہ سامنے

ہی رہتے تھے کچھ غیر ملکی تھے انگریز اور کچھ پاکستانی بھی تھے۔''
ہنری نے بمشکل مڑ کر پیچھے دیکھا اسی گھر کے پورچ میں غالباً زیرو کا بلب جل رہا تھا اس کی روشنی میں گیٹ پر بڑا سا تالا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔
''یہاں قریب کوئی ہوٹل ہوگا؟''
اس نے رومال کو الٹا کر ناک کے نیچے رکھا غلطی تو اس کی تھی اسے آنے سے پہلے کرسٹین کو فون کر لینا چاہئے تھا۔
''ہوٹل!'' گارڈ سوچ میں پڑ گیا۔
''استاد جی! ماں کہہ رہی ہیں ان صاحب کو گھر لے آیئے۔'' وہ جس گھر کے سامنے کھڑا تھا اس کے پڑوس میں سے کسی نے آواز دی۔
استاد جی کچھ بڑبڑائے تھے ہنری سمجھ نہ سکا۔
''آیئے آیئے صاحب!''
ہنری ان کے پیچھے چل پڑا اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا وہ جس علاقے میں تھا یقیناً یہاں کوئی ہوٹل نہیں ہوگا رہائشی ایریا تھا اور کوئی نئی سکیم لگتی تھی یا اگر سکیم بنے کچھ عرصہ بھی ہو گیا تھا تو زیادہ آبادی نہیں تھی شروع کے کئی گھروں میں اندھیرا تھا اور کئی جگہ اینٹوں اور ریت بجری کے ڈھیر بتا رہے تھے کہ تعمیرات جاری ہیں اور رات کے اس وقت جب غالباً ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔
اگر وہ کسی نہ کسی طرح مین روڈ پر پہنچ بھی جاتا تو ضروری نہیں تھا کہ اسے کوئی کنوینس مل جاتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لڑکے ان تعمیر ہونے والے پلاٹوں یا اندھیری گلیوں میں کہیں چھپے بیٹھے ہوں گے اور وہ اب کے اپنے بیگ سے بھی محروم ہو جائے وہ اس شخص کے پیچھے چلتے چلتے ایک کشادہ سے ڈرائنگ روم میں آیا تھا روشنی میں اس نے دیکھا اس کے بازوؤں اور گھٹنوں پر کیچڑ لگی ہوئی تھی۔ وہ ہچکچایا۔
''بیٹھو بیٹھو میاں! سٹ ڈاؤن۔'' وہ شخص اسے بٹھا کر غائب ہو گیا تھا اس

نے سر تھام لیا ناک سے اب بھی خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ رخساروں پر بھی جلن ہو رہی تھی تب ہی آگے پیچھے دو خواتین اندر داخل ہوئیں ایک کی عمر تو ساٹھ سال سے زیادہ ہی ہو گی جبکہ دوسری چالیس پینتالیس کی لگ رہی تھی۔

ہنری احتراماً کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو، بیٹھ جاؤ!'' عمر رسیدہ خاتون نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''چہ چہ۔۔۔ کم بختوں نے حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا معصوم کا۔'' وہ بڑبڑائیں اور اونچی آواز میں پکارا۔

''استاد جی! برف کا پانی لائیے یا برف کا ٹکڑا لے آئیں ناک سے خون مسلسل بہہ رہا ہے۔''

ہنری سر جھکائے بیٹھا تھا اس کے دل میں اس وقت ایک ہی خواہش تھی گرم گرم کافی یا چائے ملے وہ پی کر بستر پر گر جائے بس اور گہری نیند سو جائے خاتون جو بھی کہہ رہی تھی اس کی سمجھ سے باہر تھا کچھ دیر بعد وہی ادھیڑ عمر شخص پانی کا کٹورا اور روئی لے آیا کچھ دیر روئی اسکے ناک پر رکھی۔

''بہت چوٹیں آئیں ہیں۔'' خاتون پوچھ رہی تھی۔

''اسے اردو نہیں آتی غیر ملکی ہے۔'' استاد جی نے جھنجھلا کر خاتون کو دیکھا۔

''اچھا اچھا'' انہوں نے سر ہلا کر کہا۔

اور پھر کسی کو آواز دی ''بجیلہ! بجیلہ!'' تب ہی ایک لڑکی اندر آئی دبلی پتلی سانولی سی بڑی بڑی خوابناک سی آنکھیں والی۔

''ایسی آنکھیں کہاں دیکھی تھیں؟'' ہنری نے سوچا۔

خاتون نے ہولے ہولے لڑکی سے کہا اب وہ لڑکی اس سے مخاطب تھی بہت شستہ لب و لہجہ میں انگریزی بول رہی تھی ہنری نے اسے بتایا کہ وہ یہاں

ملنے آیا تھا اسے اندازہ نہیں تھا اس علاقے کا اسے پاکستان آئے کچھ ہی دن ہوئے تھے وہ جب سمن آباد سے یہاں آنے کے لیے نکلا تھا تو وہاں خاصی رونق تھی دس ساڑھے دس بجے تھے اور جوہر ٹاؤن کے اس علاقے میں پہنچتے پہنچتے اسے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تو لگ ہی گیا تھا پھر اسے ہرگز علم نہیں تھا کہ یہاں اس علاقے میں ساڑھے گیارہ بارہ تک ویرانی ہو جاتی ہے لڑکی مڑ کر اردو میں اس سے ہونے والی گفتگو دونوں خواتین کو بتاتی جا رہی تھی بوڑھی خاتون ہمدردی اور تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آج رات تم ہمارے ہاں رک سکتے ہو۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

لڑکی نے ترجمان کا کام سنبھال لیا تھا چالیس پینتالیس سالہ خاتون بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔

''استاد جی گیسٹ روم کھول دیں۔'' بوڑھی خاتون نے کہا۔

''اور تم کپڑے تبدیل کر لو، زریں چائے بنواؤ اور چائے کے ساتھ درد کی گولیاں دے دو اگر کھانا کھانا چاہے تو کھانا گرم کروا دو اور ٹکور کے لیے پانی بھی گرم کرواؤ۔''

ہنری نے کھانے سے انکار کر دیا البتہ چائے کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی وہ ان کا بے حد ممنون تھا۔

''کوئی بات نہیں۔'' لڑکی مسکرائی۔

کچھ دیر بعد وہ جب کپڑے بدل کر گیسٹ روم سے آیا تو بوڑھی خاتون اور لڑکی ابھی تک ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں جبکہ دوسری خاتون جا چکی تھیں بوڑھی عورت نے تشویش سے اس کے سوجے ہوئے رخسار کو دیکھا ناک بھی سوج گئی تھی بائیں گال پر نیل پڑا تھا ٹانگوں میں شدید کھچاؤ محسوس ہو رہا تھا۔

لڑکی نے اسے بتایا کہ بوڑھی خاتون اس کی نانی ہیں اور دوسری خاموش خاتون اس کی والدہ ہیں چائے پینے کے بعد اس نے خاتون کے اصرار پر دو پین کلر بھی

لے لیں اور لڑکی سے استدعا کی کہ اگر مل سکے تو کوئی نیند کی گولی دے دے پورے جسم میں درد ہو رہا تھا۔

''ہاں! اماں کے پاس ہیں وہ لیتی ہیں نیند کے لیے۔'' لڑکی سے ٹیبلٹ لے کر ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوا وہ گیسٹ روم میں آ کر بیڈ پر گر گیا انہوں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون ہے؟ کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟ یقیناً انہوں نے اسے کرسچن ہی سمجھا ہوگا اس کے باوجود انہوں نے اسے پناہ دی تھی اسے اسلامک سنٹر میں ملنے والا افریقی یاد آ گیا جس نے کہا تھا مجھے ایک مسلمان گھرانے نے پناہ دی تھی سر میں ٹیسیں اٹھ رہی تھی چاقو چٹکا ہوا سا لگا تھا اور صرف سر کی جلد پھاڑی تھی لیکن ٹیس سی اٹھ رہی تھی نرم کمبل کے تکیے پر سر رکھنے سے اسے بڑا سکون ملا۔

''اگر یہ لوگ اس کی مدد نہ کرتے تو۔۔۔''

اس نے خوف سے جھرجھری سی لی پچھلے چند ماہ سے واقعات اتنی تیزی سے ظہور پذیر ہو رہے تھے کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا نور آن سے متعلق اس کے جذبات۔۔۔ڈیڈ کا انکشاف۔۔۔ان کا اسلام قبول کر کے پاکستان آ جانا۔۔۔مم کا رویہ۔۔۔ان کے فرینڈ کی مار۔۔۔نور آن کے رویئے میں تبدیلی۔۔۔اسلام کے لیے ان کا تجسس اور کھوج۔۔۔ کرسٹین کا اچانک ملنا اور مشنریوں کے عزائم کا انکشاف۔۔۔اس کا حادثہ۔۔۔ابو صالح سے بات چیت۔۔۔طلحہ احمد کی گفتگو۔۔۔ لیکچر اور پھر سب سے بڑھ کر اس کے اندر ہونے والی تبدیلیاں۔۔۔سب بڑی تیزی سے ہوا تھا اور پھر چھ مئی سے لے کر سولہ جون تک تقریباً ایک ماہ اور دس دن کا وقفہ کیسے گزرا تھا۔۔۔ایک خواب کی طرح اس دوران اس نے کچھ کتب بھی پڑھ ڈالی تھیں۔

کئی بار طلحہ احمد سے ملا تھا ان سے سینکڑوں سوال کیے تھے وہ خندہ پیشانی سے ان کے سوالوں کے جواب دیتے رہے تھے طلحہ احمد کے ساتھ کتنی بار دوسرے بڑے علماء کی محفل میں گیا تھا انہیں سنا تھا یہ وہ علماء تھے جو پاکستان اور دوسرے علاقوں

سے کچھ عرصے کے لیے تبلیغ کی غرض سے آئے تھے اس نے محسوس کیا تھا مسلمان مبلغ عیسائی مشنریوں کی طرح فریب کا جال نہیں بچھاتے تھے ترغیب نہیں دیتے تھے کسی طرح کی، ڈائریکٹ دین کی بات کرتے تھے۔ اللہ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا بتاتے تھے اس ایک ماہ اور دس دن میں وہ بہت مضطرب اور بے چین رہا تھا راتوں کو اٹھ بیٹھتا، سی ڈیز لگا کر سننے لگتا، کتابیں پڑھتا اندر دل پر ضربیں لگتی رہتیں جیسے کوئی بند دروازوں پر ضربیں لگا رہا ہو۔ دروازے کھلتے بند ہوتے تھے۔

''طلب کرو۔۔۔! مانگو۔۔۔!'' طلحہ احمد کہتے رہتے۔

''کیسے مانگوں۔۔۔؟'' وہ بے بسی سے سوچتا۔

''مجھے مانگنے، طلب کرنے کا قرینہ نہیں آتا۔'' ایک روز اس نے ابو صالح سے کہا تھا۔

''کبھی کسی بچے کو ضد کرتے دیکھا ہے تم نے کسی چھوٹے بچے کو۔۔۔'' ابو صالح مسکرایا تھا۔

''وہ کسی قاعدہ قرینے سے نہیں مانگتا روتا ہے' مچلتا ہے' ایڑیاں رگڑتا ہے' والدین سے لپٹتا ہے' لاڈ کرتا ہے۔ کوئی بھی طریقہ ہو۔''

اور ایک رات وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا تھا پھر زمین پر دوزانوں بیٹھے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے بالکل ایسے جیسے مسلمان نماز پڑھ کر دعا مانگتے ہیں۔

''اے اللہ!

اے یسوع مسیح کے خداوند!

اے مسلمانوں کے خدا!

مجھے سیدھا راستہ دکھا ایسا راستہ جو سچا ہو میں بہت الجھ گیا ہوں میرے اندر ہاں اور نہ کے ڈھیر لگے ہیں اور آپس میں یوں الجھ گئے ہیں جیسے ریشم کے گچھے الجھ جائیں۔

اے محمد ﷺ کے خدا!
اس ڈھیر سے سچ کو الگ کر دے اتنا واضح جیسے صبح رات سے جدا ہو کر واضح ہو جاتی ہے۔"

وہ جانے کتنی دیر تک دعا مانگتا رہا اس نے طلب کر لیا تھا مانگ لیا تھا۔

اور طلحہ احمد کہتے تھے کہ

"جب مخلوق خالق سے راہ نجات طلب کرے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے بندے کی التجا رد کر دے وہ اپنی مخلوق سے بے حد محبت کرتا ہے اور بندہ جب صراط مستقیم کا طالب ہوتا ہے وہ اسکی طلب کو پورا کرتا ہے۔"

پھر وہ اکثر ہی ایسے کرنا لگا تھا اسے اس طرح مانگنے میں طلب کرنے میں مزا آنے لگا تھا اسے لگتا جس کے آگے وہ ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے وہ اس کا بہت اپنا ہے، تب ہی تو وہ اس سے مانگ رہا ہے، طلب کر رہا ہے عجب لذت تھی اس طلب میں' وہ اس کیفیت سے پہلی بار آشنا ہوا تھا کئی بار اس نے سوچا وہ طلحہ احمد کے پاس جا کر اعتراف کر لے کہ

"اس کے دل نے تسلیم کر لیا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔"

لیکن جب وہ ان کی محفل میں جاتا تو لب سل جاتے تھے دل گواہی دیتا لیکن لب خاموش رہتے تھے وہ خاموشی سے سنتا رہتا تھا دل پر دباؤ بڑھتا جاتا ضربیں شدید ہو جاتیں تو اٹھ کھڑا ہوتا اس روز بھی وہ ہال کے ایک کونے میں صف میں بیٹھا تھا آج معمول سے کچھ زیادہ لوگ تھے طلحہ احمد معرفت الٰہی پر بات کر رہے تھے۔ کہ اللہ کی معرفت کیسے حاصل کی جائے۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جن چیزوں سے بندہ میرے نزدیک ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز فرائض ہیں اور پھر بندہ نوافل کے ذریعے

میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔"

(بخاری شریف)

طلحہ احمد بول رہے تھے اور وہ بہت دھیان سے سن رہا تھا پھر "اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں ضرور بچاتا ہوں۔"

اور کونے میں بیٹھے بیٹھے بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"میں فرائض ونوافل سے آگاہ نہیں میں جب اس سے پناہ طلب کرتا ہوں صراط مستقیم کی آرزو کرتا ہوں تو کیا وہ مجھے بھی پناہ دے گا برے راستے سے بچائے گا۔"

اس نے فوراً ہی معذرت کرلی اسے بیچ میں نہ بولنا چاہیے تھا لیکن یہ فعل اس سے بالکل بے اختیاری میں سرزد ہوا تھا کئی لوگوں نے مڑ کر اس کیطرف دیکھا تھا اس نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

طلحہ احمد نے دایاں ہاتھ قدرے بلند کیا تھا اور مسکرائے تھے۔

"ہاں وہ تب بھی تمہارے طلب پوری کرے گا کہ وہ صراط مستقیم مانگنے والوں کو ضرور سیدھا راستہ دکھاتا ہے ہاں اس کا محبوب بننے کے لیے اس کے نبی کریم ﷺ کی پیروی کرو اس سے محبت کرو تم اسے محبوب ہو جاؤ گے۔"

اس کے سوال کا جواب دے کر انہوں نے پھر بات وہاں سے شروع کر دی تھی جہاں سے ختم کی تھی وہ سر جھکا کر ان کی بات سن رہا تھا گفتگو ختم ہوگئی تھی۔ لوگ طلحہ احمد سے سوال پوچھنے لگے۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھا رہا پھر اٹھا طلحہ احمد اسے دکھائی نہیں دے رہے تھے وہ کچھ لوگوں میں گھرے ہوئے تھے پھر اس نے ابوصالح کو دیکھنے کی

کوشش کی جب وہ آیا تھا تو اسے ایک جھلک اس کی نظر آئی تھی بہت دنوں سے اس کی ابو صالح سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن اسے ابو صالح نظر نہیں آیا تو وہ چند قدم آگے بڑھا کچھ لوگ ہال کے دروازے سے باہر نکل رہے تھے وہ ان میں سے راستہ بناتا ہوا طلحہ احمد کیطرف بڑھ رہا تھا جب اس نے ابو صالح کو کہتے سنا۔ ہنری کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔

''ہنری کتنے دنوں سے یہاں آ رہا ہے ابھی تک اس نے اسلام کیوں نہیں قبول کیا حالانکہ کئی بار مجھے ایسا لگا کہ اس کا دل ہمارے دین کی تصدیق کرتا ہے لیکن کوئی جھجک ہے جو اسے روکتی ہے۔ طلحہ احمد! آپ اس کی مدد کیوں نہیں کرتے؟''

وہ پورے دھیان سے طلحہ احمد کی طرف متوجہ ہوا اور ان کا جواب سننے کی کوشش کی۔

''ابھی اسے کچھ بہت زیادہ دن نہیں ہوئے ابو صالح محمد! ابھی وہ جاننے اور سمجھ لینے کے عمل سے گزر رہا ہے ہوسکتا ہے اس میں سالوں لگ جائیں یہ دل کی کیفیت ہوتی ہیں ابو صالح! کبھی لمحوں میں دل پکار اٹھتا ہے اور کبھی مہینے گزر جاتے ہیں ساری بات طلب کی شدت کی ہے۔ کتنی شدت سے آپ نے طلب کیا کتنی چاہ کی' اسے کچھ اور دن لگ جائیں گے لیکن ابو صالح محمد! وہ ایک روز۔۔۔'' طلحہ احمد کہہ رہے تھے۔

اور وہیں کھڑے کھڑے اس نے شکوہ کیا۔

''اے محمد ﷺ کے خدا!

کیا مَیں نے طلب نہیں کی سیدھی راہ کی؟

میں نے شدت سے نہیں چاہا کہ میں دین حق کو پہچان لوں جان لوں کیا میں نے برزخ کی اذیت نہیں سہی اور کتنی شدت سے طلب کروں۔'

وہ طلحہ احمد سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن یکا یک اسے لگا جیسے کسی نے دل پر بہت

شدید ضرب لگائی ہو زنگ آلود قفل ٹوٹ کر گر پڑے ہوں اس نے مضطرب سا ہو کر دائیں طرف کھڑے آدمی کو دائیں ہاتھ سے پیچھے کیا، اب وہ بالکل طلحہ احمد کے سامنے کھڑا تھا پھر وہ یکا یک گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گیا اس کے بائیں طرف بیٹھے صالح محمد نے حیرت نے اسے دیکھا۔

اندر آوازیں تھیں شور تھا آگہی کے در کھل رہے تھے پھر بے تحاشہ روشنی اجالا ہی اجالا اس نے ایک عالم بے خودی میں طلحہ احمد کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے لب ہلے لیکن آواز نہیں نکلی تو اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

''میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اس کے رسول اور آخری نبی ہیں۔'' وہ بول رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''محمد ﷺ۔۔۔!'' اس نے یہ لفظ زبان سے ادا کیے تو اسے لگا جیسے اس کے لبوں پر شیرینی گھل گئی۔ ہو اندر مٹھاس ہی مٹھاس ہو۔ اس سے پہلے کتنی ہی بار اس نے یہ نام پڑھا تھا کتابوں میں سنا تھا لیکن آج اس نام سے جو ٹھنڈک اور مٹھاس اندر اتری تھی وہ اسے پہلے نہیں تھی۔

ابو صالح نے ایک دم اسے گلے لگا لیا پھر خاموش کھڑے لوگوں میں بھنبھناہٹ ہوئی سب اسے مبارک باد دے رہے تھے گلے لگا رہے تھے۔

طلحہ احمد نے اسے کلمہ پڑھایا تھا، مختصراً حقوق و فرائض سے آگاہ کیا تھا۔

وہ اجنبی سی کیفیات میں گھرا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''دین اسلام کے احکامات آہستہ آہستہ آئے تھے تمہیں بھی وقت لگے گا سب سمجھنے اور جاننے میں تمہیں اب زیادہ وقت دینا پڑیگا اگر تم کو برا نہ لگے تو اپنا نام تبدیل کرلو۔'' طلحہ احمد نے اسے مشورہ دیا۔

نام ہاں نام وہ چونکا وہ نام جو انتیس برس تک اس کے ساتھ جڑا ہوا تھا اب

اس سے الگ ہو جائے آج سے وہ ہنری رابرٹ نہیں ہوگا اس کے ذہن میں ایک لمحہ کو آیا تھا ''اور دین کی خاطر بڑی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔'' طلحہ احمد کی کبھی کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن میں آئی اور ساتھ ہی ابو صالح کا بتایا ہوا واقعہ ذہن میں آیا کون تھے وہ صاحب؟

''اویس۔۔۔'' اس کے لبوں سے نکلا۔

''بہت خوبصورت نام چنا ہے تم نے ہنری!''

''محمد اویس محمد بن سعید۔'' اس نے دل ہی دل کہا۔

''خدا تمہیں، تمہارے دل کو بھی اسی محبت سے آشنا کر دے جو حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ کے دل میں اپنے محبوب رسول ﷺ کے لیے تھی۔''

وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا پھر گھر آ کر کتنی بار اس کا جی چاہا وہ ڈیڈ کو فون کرے انہیں بتائے کہ میں اب ہنری رابرٹ نہیں محمد اویس ہوں پھر دو تین نمبر ملا کر اس نے فون رکھ دیا۔ نہیں ابھی نہیں میں خود وہاں جا کر ڈیڈ کو سرپرائز دوں گا وہ کس قدر حیران ہوں گے جب میں کہوں گا کہ میں۔۔۔'' اس خیال ہی اسے گدگدی سی ہونے لگی۔

اگلا دن بہت پر رونق تھا وہ سب اس کے اپارٹمنٹ میں جمع ہو گئے تھے عبدالمنان، خدیجہ، عالیہ، فاطمہ، احمد، سب۔۔۔ نور آن ان کے ساتھ نہیں تھی وہ اپنی آنٹی کے گھر گئی ہوئی ہے خدیجہ نے بتایا تھا۔ وہ بھی بہت خوش ہے جب ابو صالح نے بتایا تو مارے خوشی کے مجھے رات نیند ہی نہیں آئی۔

اور اس نے سوچا تھا ''اچھا ہے نور العین نہیں آئی۔۔۔''

اس نے ابو صالح کو اپنے پاکستان جانے کے متعلق بتا دیا تھا۔

''چلو اچھا ہے ڈیڈ اداس ہو رہے ہوں گے تمہارے لیے۔''

''میں واپس آ کر باقاعدہ قرآن کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دوں گا۔'' اس

نے ابو صالح سے کہا اور ڈیوڈ کو فون کر کے ویزے اور ٹکٹ کے ارینج کرنے کا کہا
اور ٹھیک پندرہ دن بعد وہ پاکستان جانے کے لے ایئر پورٹ پر کھڑا تھا ان پندرہ دنوں
میں اس نے نماز سیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ابھی عربی آیات کے الفاظ صحیح طرح سے
اس کی زبان پر نہیں آپاتے تھے۔

طلحہ احمد نے اس سے پوچھا "کہ وہ کہاں قیام کرے گا؟"

"شاید ہوٹل میں۔۔۔"

وہ سیدھا ڈیڈ کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا یا پھر اسکے ذہن میں جھجک تھی۔

طلحہ احمد نے کہا "اگر مناسب سمجھو تو ہماری جماعت کا مرکز ہے وہاں ٹھہر جاؤ
وہاں مولانا بشیر عثمانی صاحب ہیں بڑے عالم ہیں ان سے پاکستان کے قیام کے
دوران دین کی تعلیم لیتے رہنا میں انہیں فون کر دوں گا نہ ٹھہرنا چاہو تو بھی ان سے ملتے
رہنا ابھی بہت سارے معاملات میں تمہیں راہنمائی کی ضرورت ہے محمد اویس۔۔!"

انہوں نے اسے فون اور ایڈریس دیا تھا لاہور ایئر پورٹ پر کچھ دیر رک کر
اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کہاں جائے اس کے پاس ڈیڈ کا فون نمبر تھا وہ انہیں فون کر کے
بتا سکتا تھا کہ وہ ایئر پورٹ پر کھڑا ہے اس کے پاس کرسٹین کا نمبر بھی تھا ان دنوں وہ اس
دیہاتی گاؤں سے یہاں لاہور شہر میں آئی ہوئی تھی اپنی این جی او کیطرف سے،
مختلف شہروں میں پروگرام حفظان صحت سے متعلق تھے۔

لیکن در پردہ کچھ اور ہی مقصد تھا ایک ہفتہ پہلے اسکی کرسٹین سے بات
تھی اور اس نے یہ بتائے بغیر کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے اپنے لاہور آنے کے متعلق
بتایا تھا وہ وہ خوش ہو گئی تھی اور اس نے فوراً اسے اپنا ایڈریس لکھوا دیا تھا۔

"ان دونوں پروفیسر جوزف بھی آئے ہوئے ہیں کچھ دنوں کے لیے یہاں
پھر انہیں ایران جانا ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ میں تمہارے آنے پر کتنی خوش ہوں
گے تم ایئر پورٹ سے فون کر دینا میں تمہیں پک کر لوں گی۔"

''لیکن کرسٹین!'' اس نے ایک لمحہ کے لیے سوچا اگر میں نے اسے بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں تو شاید وہ تو دھکے دے کر مجھے نکال دے اتنی ہی نفرت بھری تھی اس کے اندر گو اس کا پاسپورٹ ہنری کے نام سے ہی تھا اور وہ اسے نہ بتانا چاہتا تو اسے خبر نہیں ہو سکتی تھی لیکن نہیں مجھے کرسٹین کی طرف نہیں جانا۔ دل ہی دل میں فیصلہ کر کے اس نے ٹیکسی روک کر طلحہ احمد کے بتایا ہوا پتہ اسے سمجھایا تھا اس گھر میں صرف ملازم تھے مولانا صاحب ایک دن پیشتر اپنی جمعیت کے ساتھ کسی اسلامی کانفرس میں شرکت کرنے ملتان جا چکے تھے ملازموں نے اس کی بہت عزت کی بتایا کہ طلحہ احمد کا فون آ چکا ہے اس کے متعلق اور وہ جب تک چاہے یہاں قیام کرے لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ ڈیڈ کی طرف چلا جائے گا۔

ملازمین میں ایک لڑکا خاصا پڑھا لکھا تھا وہ یہاں عثمانی صاحب سے پڑھ رہا تھا اور ایک طرح سے ملازمین کا انچارج تھا رات کا کھانا کھا کر وہ فارغ ہوا ہی تھا دو اور مہمان آ گئے انہیں بھی بشیر عثمانی صاحب سے ملنا تھا جب انہیں پتا چلا کہ وہ نو مسلم ہے تو انہوں نے اپنے اپنے طور پر اس کی دینی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی، ایک پڑھا لکھا اور مہذب لگتا تھا اس کی انگریزی بہت اچھی تھی جبکہ دوسرے کی انگریزی واجبی سی تھی تاہم کسی حد تک اپنا مفہوم سمجھانے میں کامیاب ہو جاتا تھا وہ ان کی بات سمجھنے کی پوری کوشش کرتا رہا تھا لیکن بہت کم اس کی سمجھ میں آیا۔

ناشتے کے بعد جب اس نے ڈیڈ کو فون کیا تو پتا چلا کہ نجم النساء اور ڈیڈ کسی فیملی فنکشن میں شرکت کے لیے کراچی گئے ہوئے ہیں دو تین دن تک واپسی ہو گی ڈیڈ کے بغیر وہ وہاں اس گھر میں جا کر کیا کرتا نور آن نے اسے ایک بار دو نمبر دیئے تھے ایک اپنے گھر کا ایک نجم النساء کے گھر کا۔

''خیر چند دن یہاں ہی گزار لیے جائیں۔'' فون کر کے وہ اس کمرے آیا جہاں رات سویا تھا تو وہاں ایک صاحب بیٹھے تھے دوسرے جا چکے تھے اس کے بیٹھتے

ہی ان صاحب نے پوچھا۔

''آپ نے کونسا سا مسلک اختیار کیا ہے؟''

''کیا مطلب۔۔۔'' ہنری ان کی بات نہیں سمجھ سکا۔

''میں نے آپ کو بتایا تو ہے کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔''

''لیکن مسلک میاں! مسلک کونسا؟''

''پتا نہیں میں نہیں جانتا۔''

''اوہ ٹھہرو! میں تمہیں بتاتا ہوں یہ عثمانی صاحب جو ہیں ان کا مسلک ہی ٹھیک نہیں ہے آپ میرے ساتھ چلیں میرے حضرت صاحب آپ کی صحیح راہنمائی کریں گے صحیح مسلک صرف ان کا ہی ہے۔''

''لیکن آپ کیا ان سے تعلیم حاصل کرنے نہیں آئے۔''

''ارے تعلیم اور ان سے۔۔۔'' وہ ہنسا۔

''مجھے تو ان سے ایک ذاتی کام ہے، ان کا داماد جس محکمے میں ہے وہاں میرا ایک کام اٹکا ہوا۔''

ہنری اس گفتگو سے الجھ کر کمرے سے باہر نکلا تو دوسرے صاحب جن کی انگریزی واجبی سی تھی باہر برآمدے میں کھڑے دانتوں میں خلال کر رہے تھے۔

''کیا کہہ رہے تھے یہ حضرت۔۔۔؟'' انہوں نے پوچھا۔

اور پھر خود ہی جواب دے دیا ''ضرور اپنے مسلک کی تعریف میں لگے ہوں گے بھئی ان کا کیا کہنا اپنی مرضی سے ردوبدل کرتے رہتے ہیں ان کے جال میں مت پھنسیے گا جناب آپ کو تو میں اپنے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ سے ملواؤں گا اللہ کے دین کے صحیح پیروکار ہیں وہ۔۔۔''

ہنری نے الجھی الجھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''طلحہ احمد نے ان سے کسی مسلک کی بات نہیں کی تھی انہوں نے صرف

اسلام کی حقانیت اور خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی تھی اسے۔"

یہ صاحب بھی کسی نوکری کے سلسلے میں عثمانی صاحب کے پاس آئے تھے اور اب ہنری کا دماغ کھا رہے تھے اگلے تین دن میں ہنری کو محسوس ہونے لگا جیسے اس نے کچھ غلط کر دیا ہے عثمانی صاحب ابھی ملتان سے نہیں آئے تھے۔

اور ہنری ایک بار پھر شکوک کا شکار ہو رہا تھا "اچھا خاصا مطمئن زندگی گزار رہا تھا ڈیڈ اگر پاکستان آگئے تھے اپنے دین کیطرف پلٹ آئے تھے تو مجھے کیا پڑی تھی خواہ مخواہ اپنی اچھی خاصی زندگی خوار کرنے کی۔۔۔"

شیطان اس کے دل میں گھسا اور غلار ہا تھا اور اندر اندھیرا قبضہ جمانے لگا تھا ڈیڈ ابھی تک کراچی سے نہیں آئے تھے وہ فون کر کے معلوم کر چکا تھا یکم جولائی کو وہ یہاں آیا تھا اور آج چار جولائی تھی ان تین دنوں میں وہ از خود بیزار ہو چکا تھا ہر چیز سے۔

"ٹھیک ہے ڈیڈ نہیں آتے نہ سہی صبح واپسی کی ٹکٹ کنفرم کرواتا ہوں اور سیٹ کنفرم ہونے تک کرسٹین کے پاس جاتا ہوں۔" وہ ان صاحب کی گفتگو سے جھنجلا کر باہر نکلا تو دس بج رہے تھے اس نے بیگ اٹھایا اور لڑکے کو اطلاع دی۔

"کہ وہ جا رہا ہے۔"

"عثمانی صاحب کا فون آیا تھا انہوں نے آپ کے لیے پیغام دیا ہے کہ کل تک وہ ضرور پہنچ جائیں گے۔"

"اب وہ کل آئیں یا پرسوں وہ کرسٹین کے پاس جانے کا فیصلہ کر چکا تھا کرسٹین بادامی زلفوں اور سبز آنکھوں والی کرسٹین۔۔۔" جب وہ کرسٹین کا پتا سمجھا کر ٹیکسی میں بیٹھا تو ساڑھے دس بج چکے تھے اس سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس نے کرسٹین کو فون نہیں کیا تھا سوچا تھا کہ وہ اچانک وہاں پہنچ کر اسے حیران کر دے گا۔

پھر اس نے ٹیکسی مین روڈ پر ہی چھوڑ دی اس خیال سے کہ اندر گلیوں

میں کہاں ٹیکسی لے کر جائے۔

''اور پھر کیا ہوا تھا۔۔۔؟''

ساری بات یہ ہے محمد اویس!'' اس نے خود کو مخاطب کیا۔

''تم نے اللہ سے سیدھا راستہ طلب کیا تھا اور اس نے تمہاری دعا رد نہیں کی تھی پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ تمہیں غلط راستے پر چلنے دیتا اور کرسٹین کی طرف جو راستہ جاتا تھا وہ سیدھا راستہ نہیں تھا اور ادھر جا کر شاید وہ پلٹ نہ پاتا۔'' اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری اور اس نے اپنے زخمی رخسار پر ہاتھ پھیرا۔

''واہ۔۔۔ اللہ۔۔۔ واہ کیسے۔۔۔ کیسے تو نے مجھے غلط راستے پر چلنے سے بچایا ہے۔'' اور طلحہ احمد کہتے تھے۔

''ہنری! اللہ تمہیں کسی اعزاز سے نوازنا چاہتا ہے جب ہی تو اس کی پیشانی دمکتی ہے۔۔۔'' ابو صالح سے ایک بار انہوں نے کہا تھا۔

''تم دیکھنا ایک روز یہ ہمارے شانہ بشانہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہوگا۔''

وہ جو پچھلے تین دن سے انتہائی بیزار ہو رہا تھا یکدم ہلکا پھلکا ہو گیا گو جہاں جہاں چوٹیں لگی تھیں وہاں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھی۔

''یہ اشخاص جو عثمانی صاحب کے ہاں ملے تھے یہ دونوں سچے مسلمان نہ تھے یہ دین میں تفرقہ ڈالنے والے تھے۔''

اور طلحہ احمد نے کہا تھا ''ہنری تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے۔''

''لیکن وہ بھول گیا تھا۔'' اس نے کروٹ بدلی اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں اور اس کے کانوں میں طلحہ احمد کی آواز گونج رہی تھی۔

''اگر تم اللہ کا قرب چاہتے ہو۔۔ اسکے محبوب بندے بننا چاہتے ہو تو اس کے نبی ﷺ سے محبت کرو ان کی پیروی کرو۔۔۔''

محمد ﷺ۔۔۔''

اس نے دو تین بار زیر لب ہلایا وہی مٹھاس اور شیرینی ملی جو پورے وجود میں گھل گئی تھی یونہی دہراتے دہراتے وہ جانے کب سو گیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور دھوپ شیشوں کے اندر سے ہوتی سامنے دیوار پر پڑ رہی تھی اس کا سر بوجھل تھا اور پورے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی تو گیارہ بج رہے تھے۔

''اوہ۔۔۔میں اتنی دیر تک سویا۔''

اس نے پچھلی رات کے واقعات یاد کرتے ہوئے سوچا اور بستر سے اترنے کی کوشش کی لیکن اسے چکر آیا سر میں بھی ٹیسیں اٹھ رہی تھی تب ہی رات والا ادھیڑ عمر شخص کمرے میں داخل ہوا اسے اٹھے دیکھا اور بنا کچھ کہے واپس مڑ گیا کچھ دیر بعد بوڑھی خاتون اور اس کیساتھ نوجوان لڑکی اندر داخل ہوئی غالباً نوجوان لڑکی کو خاتون ترجمانی کے لیے ساتھ لائی تھیں لڑکی نے دوپٹہ اچھی طرح سر پر لیا ہوا تھا اس کے چہرے پر وہی حیا اور معصومیت تھی جو نورالعین کے چہرے پر تھی اور جس نے پہلے پہل نورالعین کی طرف متوجہ کیا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' خاتون کے لہجے میں نرمی تھی۔

''طبیعت۔۔۔'' اس نے خاتون کی طرف دیکھا۔

''شاید ٹمپریچر ہے۔۔۔''

''اوہ۔استاد جی! استاد جی!'' خاتون دروازے سے باہر جھانکتے ہوئے آوازیں دینے لگیں۔

''جائیے ذرا نکڑ سے ڈاکٹر عرفان کو لے آئیں۔''

اس نے ایک ممنون سی نظر خاتون پر ڈالی تھی اسے لفظ ڈاکٹر سمجھ آیا تھا نوجوان لڑکی اس سے کچھ پوچھ رہی تھی لیکن بخار کی شدت سے وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا اس نے سوچا اسے ان اجنبی لوگوں پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے اور کسی اچھے ہوٹل میں منتقل

ہو جانا چاہیے وہ اٹھا تھا اور کھڑا بھی ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے مجھے اب چلنا چاہیے۔'' نوجوان لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا اور بیگ کیطرف قدم بڑھائے لیکن لڑکھڑا گیا۔

''اے کیا کرتے ہو؟'' خاتون بولی۔

اس نے سوالیہ نظروں سے نوجوان لڑکی کی طرف مڑ کر دیکھا اور پھر اسے اتنا یاد تھا کہ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے کسی چیز کا سہارا لینے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود۔

لڑکی اور خاتون کی چیخ اس نے گرتے گرتے سنی تھی پھر شاید اسے کوئی دو تین گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ پاس ہی بوڑھی خاتون کرسی پر بیٹھی تھی اسے ہوش میں آتے دیکھ کر خاتون نے اونچی آواز میں آواز دی۔

''سجو! سجو!''

لڑکی نے آ کر مترجم کے فرائض سنبھال لیے تو اسے پتا چلا کہ اسے بہت ہائی فیور تھا اور یہ کہ جس گھر کو وہ رات تلاش کر رہا تھا وہاں ہنوز تالا لگا تھا۔ خاتون نے بڑی فراخدلی سے اسے آفر کی تھی۔

''کہ وہ جب تک اس کی طبیعت خراب ہے اور اس کے میزبان نہیں آجاتے وہ یہاں ہی رہے۔''

ہنری کو اپنے لیے اس مہربانی پر جو بالکل اجنبی تھا اور ان کی زبان بھی نہیں جانتا تھا بے حد حیرت ہوئی تھی لیکن پھر اسے وہ نومسلم یاد آ گیا تھا جس نے بتایا تھا کہ اسے ایک مسلم گھرانے نے پناہ دی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''محمد اویس۔۔۔!''

''محمد اویس۔۔۔؟''

اس نے دونوں چہروں پر یکساں حیرت دیکھی اور خوش ہوا۔

''یس آئی ایم مسلم۔''

لڑکی اور بوڑھی عورت کے چہرے پر خوشی کے رنگ واضح تھے۔

اگلے دو دن تک نہ تو اس کا بخار کم ہوا تھا نہ ہی کرسٹین والا گھر کھلا تھا جیسے ہی داوئیوں کا اثر ختم ہوتا بخار پھر تیز ہو جاتا اتنا تیز کہ وہ ہوش کھو دیتا۔

آخر انکشاف ہوا کہ اس کے سر پر جو چاقو کا معمولی سا زخم لگا تھا اس میں انفیکشن ہو گیا ہے اس کا ہاتھ اچانک ہی سر پر لگا تھا اور اس نے اس زخم کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی جس میں رہ رہ کر ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور ڈاکٹر کو بتایا تھا۔

''کہ سر میں کچھ تکلیف ہے۔''

اگلے دو دن میں اس کا بخار تقریباً اتر گیا تھا لیکن ان پانچ دنوں میں بوڑھی خاتون سے وہ خاصا بے تکلف ہو گیا تھا نوجوان لڑکی نے جس کا نام بجیلہ تھا انگلش لٹریچر میں پچھلے سال ہی ماسٹر کیا تھا اس کی مدر کا نام زریں تھا ان دنوں میں اس نے گھر میں ادھیڑ عمر شخص کے سوا کسی اور مرد کو نہیں دیکھا تھا لڑکی غالباً اکلوتی تھی والد یا تو ملک سے باہر تھا یا پھر حیات نہیں تھا۔

یہ ہنری نے اندازہ لگایا تھا اس گھر میں آئے اسے پانچ دن ہو گئے تھے اور اس نے سوچا تھا اب اسے یہاں سے چلا جانا چاہیے یوں بھی کافی بہتر محسوس کر رہا تھا جب اس نے ارادے کے متعلق بجیلہ کو بتایا تو اس نے کہا۔

''کہ اماں کہہ رہی ہیں شام کا وقت ہے کل صبح چلے جانا۔'' گو وہ اب مزید رکنا نہیں چاہتا تھا اس نے نجم النساء کے گھر فون کیا تھا کسی ملازم نے بتایا تھا کہ محمد سعید صاحب کراچی سے آ چکے ہیں لیکن اسے ضد کرنا مناسب نہ لگا ان لوگوں نے کوئی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی اتنے خلوص سے اتنے دن اس کا خیال رکھا تھا اس لیے اس نے سر جھکا لیا ٹھیک ہے صبح چلا جاؤں گا وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا اور اس کے سامنے

بزرگ خاتون اور اس کے ساتھ زریں بیٹھی تھیں اور زریں کے ساتھ بجیلہ تھی۔

''میں آپ کا بے حد ممنون ہوں آپ نے میرا اتنا خیال رکھا جتنا کہ شاید میری مام بھی نہ رکھ سکتی۔''

بجیلہ نے مترجم کے فرائض سنبھال لیے تھے۔

''اس میں شکریے کی کیا بات ہے بچے! تم بھی بیٹے جیسے ہو ہمارے لیے تم اجنبی تھے، زخمی تھے، ہمارا فرض تھا، ہم نے احسان نہیں کیا۔''

''دراصل آپ لوگ بہت اچھے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ لوگوں کا شکریہ کیسے ادا کروں؟''

''ضرورت نہیں شکریہ ادا کرنے کی۔'' بزرگ خاتون نے اسے مسکرا کر کہا زریں بہت خاموش طبع سی تھی انہیں باتیں کرتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شاید تمہاری ممی کو میرا یہاں رہنا اچھا نہیں لگا۔''

''نہیں۔'' لڑکی نے فوراً وضاحت کی۔

''وہ خاموش طبع ہیں ان کی جاب بہت تھکا دینے والی ہے صرف انٹر کر رکھا ہے انہوں نے اس لیے کوئی بہت اچھی جاب نہیں مل سکی انہیں۔۔۔''

''گھر بڑا تھا گیٹ پر گارڈ بھی تھا کچن میں ایک ملازم لڑکی بھی کام کرتی تھی۔ پھر ان خاتون کو جاب کی کیا ضرورت۔۔۔؟'' ہنری نے حیرت سے سوچا۔

''تمہارے ڈیڈی کیا کرتے ہیں؟''

لڑکی خاموش ہوگئی اس نے سوالیہ نظروں سے اپنی طرف دیکھتی خاتون کو غالباً اسکا سوال بتایا تھا۔

''نگوڑ مارا بھاگ گیا اب تمہیں کیا بتاؤں ہم نے کیسے کیسے مشکل دن دیکھے۔''

ہر بزرگ کی طرح ان خاتون کو بھی بولنے کا بہت شوق تھا حالانکہ جانتی تھیں

کہ ان کی بات ہنری سمجھ نہیں پاتا۔

''چھوٹی سی تھی جب بنگال کے قحط سے مجبور ہو کر باپ نے چند ٹکوں کے عوض ایک بائی کے حوالے کر دیا تھا سوچا تھا میں بک گئی تو کیا ہوا گھر والوں کو بھات تو مل گیا، سدید بابو نے کہا تھا کاجل بائی کے گھر تجھے بہت کھانے کو ملے گا لیکن میں پھر بھی رو رہی تھی عبدالرب اور دوسرے بہت دن تک یاد آتے رہے بائی جی کا گھر کیا تھا پورا محل تھا رات ہوتے ہی رونق اتر آئی تھی میں آٹھ برس کی بچی کمرے کے دروازے میں جھری سے دیکھی رہتی۔

بائی جی نے میرے لیے بھی استاد رکھ دیا جو مجھے گانا بجانا سکھانے لگا تھا تب کیا خبر کہ حقیقت کیا ہے پھر پاکستان بن گیا بائی جی بھی کہتی تھیں ہمارا کسی نے کیا کرنا ہے سب کے دوست ہیں لیکن ایک رات بلوے آ گئے۔ سب لڑکیاں، کارندے ادھر ادھر تتر بتر ہو گئے کچھ مارے گئے۔ بائی جی ان کی بہن نسیم، بھائی ایک سازندہ اور میں کسی نہ کسی طرح کیمپ پہنچے۔ بائی جی کسی بھی وقت نظر سے مجھے اوجھل نہ ہوتے دیتیں۔

وہاں سے ایک قافلے کے ساتھ پاکستان کی طرف روانہ ہوئے واہگہ سے ادھر میدان لاشوں سے اٹا پڑا تھا ہم وہاں کھڑے تھے کہ قریبی جھاڑیوں سے بچے کے رونے کیا آواز آئی۔ بائی جی نے سازندے سے بات کی انہوں نے جا کر دیکھا ایک بچہ کپڑے میں لپٹا پڑا تھا شاید جب قافلے پر حملہ ہوا ہو گا تو ماں نے وہاں چھپا دیا ہو گا سال بھر کا ہو گا یا کچھ کم۔

''لڑکا ہے ہم کہاں سنبھالتے پھریں گے لڑکی ہوتی تو کام بھی آتی۔'' بائی جی نے سازندے سے کہا تھا۔

''وہ لڑکا یہاں ہی چھوڑ دے یا پھر لاہور پہنچ کر کسی کے حوالے کر دے۔''

لیکن نسیم بھائی نے کہا ''لے چلتے ہیں اور کچھ نہیں تو اندر باہر کے کام ہی

کر دیا کرے گا بڑا ہونے پر پھول ہی لا دیا کرے گا۔"

کچھ دن والٹن کیمپ میں رہے بائی جی کے بہت پیسہ تھا بڑا زیور اور جواہر جو ایک پوٹلی میں باندھ کر لائی تھی عورت بول رہی تھی بجیلہ جز بز ہو رہی تھی۔

"تمہاری گرینڈ ماما کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔؟" اس نے کہا مجھے بھی تو بتاؤ۔

"ماضی کو یاد کر رہی ہیں۔"

بجیلہ مڑ کر خاتون کیطرف دیکھنے لگی جو ماضی میں کھوئی تھیں۔

"جلد ہی گھر بن گیا استاد بھی رکھ لیے گئے میری تعلیم بھی شروع ہو گئی بائی جی والٹن کیمپ سے ایک دو لڑکیوں کو بھی لے آئیں۔"

اماں پلیز بجیلہ نے دو تین بار انہیں بولنے سے روکا لیکن وہ تو جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھیں۔

"آ گہی ہوئی تو پتا چلا کہ بائی جی کا کام کیا تھا اور کیوں خرید ا گیا تھا دل نے قبول نہیں کیا لیکن مجبوری تھی پتا نہیں کبھی سدید بابو نے بھی سوچا ہو کہ کاجل کیساتھ کیا ہوا۔۔۔ بائی جی اور نسیم بائی رخصت ہوئیں تو زریں چند سال کی تھی عزت کی زندگی کی حسرت میں اسے چند جماعتیں پڑھائیں ایک بھلے مانس نے ساتھ قبول کیا لیکن زیادہ نبھا نہ سکا۔

بجیلہ کو گود میں ڈال کر ایسا غائب ہوا کہ پھر خبر نہ دی زریں واپس آئی تو میں نے ٹھان لی کہ اب یہاں نہیں رہنا چوبارہ فروخت کر کے پہلے سمن آباد میں گھر لیا پھر چوبرجی اور کرشن نگر میں رہے اور اب یہاں جوہر ٹاؤن گھر لے لیا ہے زریں ایک انڈسٹریل ہوم میں کام کرتی ہے تنخواہ زیادہ نہیں لیکن کہتی ہے حلال کی ہے۔

استاد جی وہی نگوڑے بچے ہیں جنہیں بائی جی نے جھاڑیوں سے اٹھایا انہوں نے ساتھ نہیں چھوڑا ابھی تک کچھ مزاج میں تندی آ گئی ہے ساٹھ سال کی عمر میں لیکن بڑا سہارا ہے ہمیں ان کا پچھلے دنوں پڑوس میں ڈاکہ پڑا تو گارڈ منگوا لیا۔ ایسی

کچھ دولت تو نہیں لیکن ڈاکے کا خوف اپنی جگہ بڑا دہشت ناک ہے۔"

وہ بولے جارہی تھی ہنری بے وقوفوں کی طرح انہیں دیکھ رہا تھا بجیلہ سر جھکائے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"انہتر ستر سال عمر ہوگئی ہے اب تو ایک ہی حسرت ہے بجیلہ کی شادی کسی عزت دار گھرانے میں ہو جائے تو کاجل کو بھی سکون سے موت آجائے پر کون ہوگا ایسا جی دار۔۔۔ پڑھا دیا، نماز روزہ سکھایا سلیقہ قرینہ سب ہے بس۔۔۔"

بزرگ خاتون کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہنری حیران ہوا۔

"تم مجھے بتاتی کیوں نہیں ہو یہ سب جو تمہاری گرینڈ ما کہہ رہی ہیں کیا بتارہی ہیں؟"

"کیا بتاؤں؟" بجیلہ انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"ٹریجڈی ہے دکھ بھری کہانی ہے؟"

"یہ تمہارا نام کیوں لے رہی تھیں؟" ہنری نے پوچھا۔

"ہر ماں کی طرح میری اس گرینڈ ما کی بھی خواہش ہے کہ میری شادی ہو جائے کسی عزت دار لڑکے سے لیکن جو لڑکا بھی میرے لیے آئے گا وہ میرا حسب نسب ضرور پوچھے گا جو کوئی ایسا تابناک ہرگز نہیں ہے۔"

بجیلہ اسے وہ سب کچھ نہیں بتا سکتی تھی جو ماضی کی کاجل بائی نے بتایا تھا۔

"لیکن اسلام میں تو حسب نسب نہیں سب برابر ہیں کوئی کسی سے برتر نہیں۔"

بجیلہ خاموش ہی رہی تھی "تم نہیں جانتے محمد اویس! ہمارے معاشرے میں ایک ایسی عورت کی بیٹی کو کوئی قبول نہیں کرتا جس کا تعلق گانے بجانے سے رہا ہو۔" وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی اس کے سانولے چہرے پر سرخی تھی اور بڑی بڑی آنکھوں میں نمی وہ تیزی سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

اس رات بیڈ پر لیٹے وہ کتنی دیر اس کے متعلق سوچتا رہا یہ لڑکی نور آن نہیں ہے لیکن اس میں نور آن جیسی حیا ہے اس کی سانولی رنگت میں بڑی ملاحت ہے اس کی سیاہ آنکھوں میں جادو ہے اور یہ آنکھیں بری جانی پہچانی سی لگتی ہیں جیسے ایسی ہی جادو بھری آنکھیں اس نے پہلے بھی دیکھی ہوں کہیں کسی اور چہرے پر۔۔۔"

"عبدالمنان۔۔۔" لیٹے لیٹے اس کے دماغ میں روشنی کا کوندا سا لپکا تھا۔

"ہاں! عبدالمنان کی آنکھیں بالکل ایسی ہی تھیں۔ اس بوڑھی مہربان خاتون نے جس طرح اسکی تیمارداری کی تھی وہ اس کا بدلہ نہیں دے سکتا لیکن اس لڑکی سے شادی کر کے وہ اس بوڑھی عورت کو خوشی دے سکتا ہے ابھی وہ اس لڑکی سے محبت نہیں کرتا تھا لیکن ہوسکتا ہے جب وہ اس کی زندگی میں شامل ہو جائے تو وہ اس سے اتنی ہی محبت کرنے لگے جتنی کہ نور آن سے کرتا تھا یا پھر اس سے کم۔۔۔"

صبح جب ناشتہ کر کے جانے لگا تو اس نے دیکھا بزرگ خاتون اور بجیلہ دونوں کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں شاید دونوں ہی رات بھر روتی رہی تھیں۔

"میں۔۔۔" اس نے بجیلہ کی طرف دیکھا

"بہت جلد اپنے ڈیڈ کے ساتھ آؤں گا۔ ہوسکتا ہے اس میں سال دو سال لگ جائیں اور ہوسکتا ہے میں پہلے ہی آجاؤں لیکن میں آؤں گا ضرور اپنی گرینڈ ما کو بتا دینا کہ میرا باپ محمد سعید ایک معزز اور عزت دار گھرانے کا شخص ہے اور وہ تمہیں اسی عزت دار گھرانے کی بہو بنا کر لے جائے گا۔" بجیلہ کو حیرت سے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ مسکرایا اور اسے یوں ہی حیرت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

کچھ دیر پہلے اس نے نجم النساء کے گھر فون کر کے ڈیڈ سے بات کی تھی۔

"تم ہنری۔۔۔! تم۔۔۔" فرط جذبات سے ان کی آواز کانپنے لگی۔

"تم کیسے ہو؟ کہاں سے بات کر رہے ہو؟"

''میں پاکستان سے ہی بات کر رہا ہوں اولڈ بوائے!'' اس نے پہلے جیسی شوخی سے کہا تھا۔

''کہاں ہو؟ ایئر پورٹ پر رکو میں ۔۔۔ میں آ رہا ہوں لینے۔''

''نو ڈیڈ! آپ ایڈریس سمجھایئے کچھ دیر میں پہنچ جاتا ہوں۔'' اس نے ایڈریس سمجھ کر فون بند کر دیا۔

اور محمد سعید نے گیٹ تک نہ جانے کتنے چکر لگا ڈالے تھے جب اس کی ٹیکسی عظیم ہاؤس کے سامنے رکی تھی وہ بے چین ہو کر گیٹ سے باہر نکل آئے تھے جانے کیسے صبر کیا تھا انہوں نے، جوں ہی وہ ٹیکسی والے کو فارغ کر کے مڑا وہ بیتابی سے اس کی طرف بڑھتے تھے۔

''ہنری ۔۔۔! میری جان ۔۔۔! میری زندگی ۔۔۔! مائی ڈیئر سن ۔۔۔!'' وہ اسے گلے سے لگائے پیار کر رہے تھے چوم رہے تھے۔

ہنری کا دل بھی جیسے پگھل پگھل کر پانی ہونے لگا۔

''ڈیڈ کیا میرا گھر میں داخلہ ممنوع ہے؟'' اس نے اپنے جذبات پر بمشکل قابو پایا تھا۔

''ہاں! ہاں! نہیں ۔۔۔ چلو ہنری!'' انہوں نے بھیگی پلکیں پونچھیں۔

''ہنری نہیں ڈیڈ! محمد اویس بن محمد سعید''

وہ بھاری آواز میں بولا تو ایک لمحہ حیرت سے اسے دیکھنے کے بعد محمد سعید نے یکدم پھر اسے باہوں میں بھینچ لیا اب وہ رو رہے تھے جذبات اختیار سے باہر ہو گئے تھے۔

''میرے اللہ نے میری سن لی میرے خدا نے میری لاج رکھ لی۔''

''ہنری نہیں اویس ڈیڈ! پلیز ۔۔۔'' اس نے آہستہ سے انہیں الگ کیا۔

''مت بھولیں کہ آپ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔''

''تم ڈاکٹر ہو یا میں۔۔۔؟'' انہوں نے پرانے انداز میں اس کے بازو پر مکہ مارا۔

''اوہ مائی پور ڈیڈ۔۔۔!'' اس نے بھی خلوص سے بایاں ہاتھ دائیں پر مارا۔

''لیکن آپ بوڑھے ہو چکے ہیں تہتر سال کے۔۔۔''

''ہرگز نہیں میں ابھی سمارٹ ہوں۔'' انہوں نے سینہ اکڑا دیا۔

''ہوں کہ نہیں۔''

''ارے میرے ڈیڈ پر اب بھی ڈاکٹر سینڈرا فدا ہو سکتی ہیں۔''

وہ ہنسا اور اب کے اس نے انہیں باہوں میں بھینچ لیا ایک بازو ان کی گردن کے گرد حمائل کیے اس نے جھک کر زمین سے بیگ اٹھایا اور ان کیساتھ ساتھ چلتا ہوا گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔

☆......☆......☆

''اویس مائی سن! مجھے تم سے ایک بات کرنا تھی۔'' قرآن مجید کو جزدان میں لپیٹ کر محمد سعید نے رکھا اور اویس کی طرف دیکھا جو بہت دھیان سے انہیں تلاوت کرتے سن رہا تھا۔

''کیا میں بھی کبھی اسطرح اتنی خوبصورتی کے ساتھ قرآن پڑھ سکوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں حسرت اتر آئی تھی۔

''کیوں نہیں۔'' محمد سعید! مسکرائے تھے ہاں اس کی آنکھوں میں بھی امید کے جگنو دمکنے لگے۔

''وہاں طلحہ احمد کے سنٹر میں بہت بڑے عرب قاری ہیں میں انہی سے پڑھوں گا۔''

''تو تم نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' محمد سعید کی آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔

''ڈیڈ! مجھے جانا تو ہے میں وزٹ ویزے پر آیا ہوں یہاں کی نیشنلٹی نہیں ہے میرے پاس۔۔۔''

''میں نے عبدالعلی سے بات کی تھی وہ کہہ رہا تھا کوئی مسئلہ نہیں وہ اپلائی کردے گا تمہاری نیشنلٹی کے لیے۔۔۔''

''وہ تو ٹھیک ہے ڈیڈ! لیکن فی الحال مجھے جانا ہے مجھے ابھی بہت کچھ جاننا اور سیکھنا ہے میں تو اس راہ میں چلنے والا مسافر ہوں جو ابھی ابجد سیکھ رہا ہے ابھی کچھ بھی پختہ نہیں ہے سب خام اور کچا ہے اسی الجھن سے گھبرا جاتا ہوں یہ تو اللہ ہے جو مجھے بار بار غلط راہ پر چلنے سے بچا لیتا ہے اور پھر صراط مستقیم پر ڈال دیتا ہے اور میں نے بھی تہیہ کرلیا ہے اب اس سے طلب کرتا رہوں گا راہ نجات، صراط مستقیم۔۔۔ آپ بھی میرے لیے دعا کرتے رہا کریں کہ اللہ میرے دل کو دنیاوی محبتوں سے آزاد کر کے اس میں اپنے اور اپنے رسول ﷺ کی محبت بھر دے۔''

''میرے باپ نے میرے لیے دعا کی تھی کہ مجھے مسلمان کی موت نصیب ہو اللہ نے اس کی دعا سن لی اور تمہارے لیے میں ہر لمحہ دعا کرتا ہوں مائی سن!''

''تھینک ڈیڈ! اب بتایئے کون سی ضروری بات کرنا تھی آپ کو مجھ سے؟''

''ہاں مجھے۔۔۔'' انہوں نے انگلی کی پور سے پلکوں پر اٹکا آنسو پونچھا۔

''تم نور آن سے بہت محبت کرتے ہو۔''

اس دل کا دل جیسے یکدم اتنی زور سے دھڑکا کہ اسے دھڑکن سنائی دی اس نے بایاں ہاتھ دل کے مقام پر رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

وہ ڈیڈ سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ نور آن سے محبت نہیں کرتا۔ وہ اس کے سینے میں دل بن کر دھڑک رہی تھی وہ جتنا اسے بھولنے کی کوشش کرتا تھا وہ اتنی ہی شدت سے دل میں براجمان مسکرائے جاتی۔

''نجم النساء کہہ رہی تھی فہد شادی کرنے سے گریز کر رہا ہے عبدالوحید بہت پریشان ہے مسئلہ خدا جانے کیا ہے لیکن بات طلاق تک پہنچ گئی ہے۔''

''اوہ۔'' اسے دکھ ہوا اس کی آنکھوں کے سامنے نور آن آ گئی فہد کے ذکر پر جس کے رخساروں پر حیا اور سرخی پھیل جاتی تھی اور آنکھیں جھک جاتی تھیں۔

''یہ اچھا نہیں ہو گا ڈیڈ! یہاں پاکستان میں تو اسے۔۔۔ آئی مین طلاق کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔''

''ہاں لیکن مجبوراً بعض اوقات علیحدگی لینی بھی پڑتی ہے، نجم النساء کہہ رہی تھی کہ شاید فہد کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہے اب میں سوچ رہا تھا کہ اگر۔۔۔''

''نو ڈیڈ!'' اس نے یکدم ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔

''خدا۔۔۔ کرے سب ٹھیک ہو جائے؟''

انہوں نے حیرانی سے اویس کی طرف دیکھا یہ وہی اویس تھا جو ایک شب روتے ہوئے نور آن کی منتیں کر رہا تھا۔

''نور آن! صرف چند لمحے مستعار دے دو۔''

''اور ہنری رابرٹ! تم نے اسے طلب نہیں کیا لیکن وہ تمہیں بن مانگے اسے دے گا انکار مت کرو۔''

دل نے چٹکی بھری تھی اور اندر ایک کمینی سی خوشی پھیل گئی تھی۔

''بلکہ ڈیڈ کو کہو کہ وہ انکل عبدالوحید اور نجم النساء پھوپھو سے کہیں کہ بے شک فہد طلاق دے دے نور العین کو وہ ہے نا محمد اویس۔۔۔!''

اس نے نگاہیں جھکا لیں اور ایک گہری سانس لی۔

''ہاں خدا کرے ٹھیک ہو جائے سب۔۔۔'' محمد سعید اسے بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

''لیکن اگر کچھ ٹھیک نہ ہوا تو میں عبدالوحید کے سامنے جھولی پھیلا دوں گا ہنری میں ان کی منت کروں گا۔''

''ہنری نہیں، اویس۔۔۔!''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی اندر اودھم مچا تھا لیکن خود غرضی سے اخلاص تک

کا سفر یہ یقیناً اسلام کی دین تھی اگر وہ محمد اویس نہ ہوتا ہنری ہوتا، ہنری رابرٹ ہوتا اس وقت خوشی سے ناچنے لگتا پاگل ہو جاتا لیکن اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنے اندر ایک اداسی کا غبار پھیلتا محسوس کیا ایک افسردہ سی تھکن نے پورے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ لیکن جب وہ جھکا سر اٹھا کر بولا تو اس کے لہجے میں خوشگواریت سی تھی۔

"نہیں ڈیڈ۔۔۔!" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"اگر ایسا ہو بھی گیا تو بھی نہیں ڈیڈ۔۔۔! نور آن جیسی لڑکی کے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہے وہ اتنی اچھی ہے ڈیڈ۔۔۔! کہ کوئی بھی شخص اسے اپنی زندگی میں شامل کر کے فخر محسوس کرے گا لیکن۔۔۔"

اسکی آنکھوں کے سامنے وہ بزرگ خاتون کا جل آ گئی تھی اور وہ لڑکی بجیلہ۔۔۔ وہ سانولی سلونی دبلی پتلی سی لڑکی۔۔۔ جس کی آنکھیں بڑی جادوگر سی تھیں لیکن جس کے لیے اس نے اپنے دل میں کوئی جذبہ محسوس نہیں کیا تھا مگر پھر بھی وہ اس کی جھولی میں امید کے کچھ سکے پھینک آیا تھا وہ عورت۔۔۔ جس نے کہا تھا میں نے پچھلے پچاس سال سے عزت کی زندگی کے خواب دیکھے ہیں اپنے لیے اپنی بیٹی کے اور اپنی نواسی کے لیے اور وہ لڑکی۔۔۔ جس نے لٹریچر میں ماسٹر کر رکھا تھا لیکن جس کے لہجے میں اس لمحے بھلا کی تلخی تھی۔

"میری نانی ایک خوبصورت خواب دیکھنے والی عورت ہیں مسٹر! اور یہاں کوئی عزت دار شخص مجھے بیاہنے نہیں آئے گا۔"

اس نے کھڑے ہوتے ہوئے ڈیڈ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اس سے اس کی پیشانی اتنی دمک رہی تھی کی محمد سعید حیران سا ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

کھلے دروازے سے سدا کے دوش پر تیرتی آواز اندر آئی تو وہ دو قدم دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کوئی نعت رسول مقبول ﷺ پڑھ رہا تھا وہی نعت جو ایک بار اسلامک سنٹر میں اس نے سنی تھی۔

اور بلبلیں بھی کو بکو

لے لے کر ہر ایک گل کی بو
کرتی تھیں چرچا سو بسو
عظیم بھائی ہیں اکثر صبح یوں ہی جب لان میں ٹہلتے ہیں تو گنگناتے رہتے ہیں محمد سعید بھی اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے تھے آواز میں بلا کا سوز تھا۔
چڑیوں کے سن کر چہچہے
انسان بھلا کیوں چپ رہیں
لازم ہے اس کو یوں کہے
صلو علیہ وآلہ
صلو علیہ وآلہ
ہنری کے لب بھی ساتھ ساتھ ہل رہے تھے اس پر ایک بے خودی سی طاری ہوگئی۔
صلو علیہ وآلہ۔۔۔۔۔۔۔وہ کہہ رہا تھا اس لمحے جیسے طلحہ احمد اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔
''عتاب رت میں یہی وظیفہ
نجات کے خوشگوار موسم کی واپسی ہے
کڑے دنوں کی کلید ہے تو
فقط یہی کہ
اسم اعظم پڑھو نبی ﷺ کا''
طلحہ احمد کہہ رہے تھے۔
اور دروازے پر ایک ہاتھ دھرے بڑے جذب سے صلو علیہ وآلہ گاتے ہوئے محمد اویس کے چہرے پر ایسی روشنی اور چمک تھی کہ محمد سعید مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

☆......☆......☆